لَا تُعْطُوا الْحِكْمَةَ لِغَيْرِ أَهْلِهَا فَتَظْلِمُوهَا
وَلَا تَمْنَعُوهَا مِنْ أَهْلِهَا فَتَظْلِمُوهُمْ

حکمت نا اہلوں کو نہ دو ورنہ حکمت پر ظلم ہوگا۔ ا[illegible] حکمت
کو نہ چھپاؤ۔ ورنہ ان پر ظ[illegible]

قبر، قیامت اور قرآن

(اقبالؒ کی نظر میں)

نگارش

مفکر و محقق محمد طاہر نقشبندی مجددی

ناشر

طاہر پبلشرز قصور شریف

انتساب

مولائی و مرشدی حکیم الامّت حضرۃ علامہ محمّد اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
سے بکمالِ معذرت آپکے درج ذیل اشعار کے نام

زمن با صوفی و مُلّا سلامے — کہ پیغامِ خُدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خُدا و جبرئیل و مُصطفےٰ را

زمن گو صوفیانِ باصفا را — خُدا جویانِ معنی آشنا را
غلامِ ہمتِ آں خُود پرستم — کہ با نُورِ خُودی بیند خُدا را

نام کتاب ——— قبر، قیامت اور قرآن
(اقبال کی نظر میں)

مصنف ——— محمد طاہر نقشبندی مجددی

تعداد ——— ۵۰۰

بار اوّل ——— سنہ ۱۹۱۹ء

کتابت ——— محمد مغیث نوشاہی

ناشر ——— طاہر پبلشرز، شرقپور شریف

قیمت ——— ایک سو [illegible] روپے

ملنے کا پتہ:

محمد طاہر نقشبندی مجددی
محلہ طاہر آباد شرقپور شریف
ضلع شیخوپور

پرنٹرز ظفر آرٹ پرنٹرز ۱۰ ارایبک روڈ انارکلی لاہور

فہرست

شمار | صفحہ نمبر

باب البلد

بابُ الصور ۱۳۹

باب القران

بابُ الارض ۱۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ کتاب

حمد بے حد مر خدائے پاک را ۔ آں کہ ایمان داد مشت خاک را

(مولائے رومؒ)

حمد بے حد مر رسولِ پاک را ۔ آں کہ ایمان داد مشت خاک را

(علّامہ اقبالؒ)

لَا تُعْطُوا الحکمۃ بِغَیر اھلھا فَتَظْلِمُوْ ھا

وَ لَا تمنعوھَا مِن اھلھا فتظلموھم

"حکمت نا اہلوں کو نہ دو ۔ ورنہ حکمت پر ظلم ہوگا ۔ اور اہل سے حکمت کو نہ چھپاؤ ورنہ ان پر ظلم ہوگا ۔"

زمن بر صوفی و ملّا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند مارا !!
وے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفٰے را

دانائے روزگار فرماتے ہیں کہ صوفی و ملا کو سلام کرتا ہوں ۔ کیونکہ ان ہر دو نے ہمیں خدا کا پیغام بتایا ۔ لیکن اِن حضرات نے قرآن حکیم کی جو جو تاویلیں گھڑی ہیں ۔ ان تاویلوں سے تو خدا تعالےٰ نے جبرائیل علیہ السلام اور حضور

پر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک حیران و ششدر رہ گئے لیکن صوفی حضرات کا وہ دوسرا محبوب ترین گروہ جس گروہ کا آپ خود کو غلام سمجھتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

زمن گو صوفیانِ با صفا را
خدا جویانِ معنیٰ آشنا را
غلامِ ہمتِ آں خود پرستم
کہ با نورِ خودی بیند خدا را

میری طرف سے ان صوفیوں کو جا کر کہہ دو کہ وہ صوفی حضرات جو خدا شناس، خدا جو اور معنیٰ آشنا ہیں، ہیں ایسے مردانِ خود آگاہ کی ہمت کا غلام ہوں، جو خودی کے نور سے خدا کو دیکھتے ہیں۔

فقہائے ہند اور فقیہان حرم یعنی کل عالم اسلام کے فقہاء کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

اور آپ کے اس شعر نے تو انتہا ہی کر دی۔ یاد رہے کہ یہ سب کچھ مفسرین قرآن کے بارے میں فرمایا گیا ہے، فرماتے ہیں۔

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

فرماتے ہیں اے باری تعالےٰ تیرے جملہ احکامات جو بصورت قرآن

نازل ہوئے ہیں بالکل حق ہیں مگر اے خالقِ کل یہ مفسرین حضرات جو تو نے ہم کو بخشے ہیں۔ انہوں نے جو تیرے کلام حق کی تادلیں گھڑی ہیں ان کے مطالعہ سے یوں لگتا ہے گویا کہ ہم آتش پرستوں کی کتاب مقدس ژند کی تفسیر پڑھ رہے ہوں۔

مولائی و مرشدی حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا امت مسلمہ پر یہ ایک احسان عظیم ہے کہ آپ نے مفسرین کرام کو بے باکانہ ہدف تنقید بنایا۔ اور کلیات کو ان اشعار سے مزین فرمایا۔ احقر نے مفسرین قدیم وجدید کے مقابلہ میں حکیم الامت کو فوقیت دی اور آنکھیں بند کر کے آپ کے کلام پر ایمان لے آیا۔ بالکل ایسے ہی جیسے مفسرین حضرات نے ایک دوسرے کی کورانہ تقلید کی۔ میں نے کامل ایمان وایقان کے ساتھ کلام اللہ کا اس نیت سے مطالعہ شروع کیا کہ ان آیات کی نشاندہی ہونی چاہیے جن میں جملہ مفسرین عالم اسلام نے تحریف معنوی کی۔

بحمد اللہ میری محنت ٹھکانے لگی اس وقت میرے پاس ایسی آیات کا ایک ذخیرہ وافر موجود ہے۔ لیکن اس کتاب " قبر۔ قیامت اور قرآن اقبال کی نظر میں" میں نے زیادہ تر ان ہی آیات کو لیا ہے۔ جو حیات بعد الممات سے متعلق ہیں۔ باقی کو کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ حیات بعد الممات کے بارے میں جملہ اہل اسلام کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ انسان پیدا ہوتا ہے۔ انسان مرتا ہے اور قبر میں گڑتا ہے وہاں منکر نکیر سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ زمانہ اس کا زمانہ قبر یا برزخ کہلاتا ہے۔ پھر جب اللہ چاہتا ہے اسے زندہ کر دیتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ جب اللہ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ دوبارہ جی اٹھنے کا یہ دن ہی قیامت کا دن کہلاتا ہے

یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس کا اقرار توحید و رسالت کے بعد دوسرا نمبر ہے۔ اقرار توحید و رسالت اور اقرار حیات بعد الممات کے بغیر کوئی مسلمان، مسلمان کہلانے کا ہرگز ہرگز مستحق نہیں یہ کتاب اسی ٹھوس عقیدہ کی بنیاد پر لکھی گئی ہے۔

احقر کی یہ کتاب ان اسرار و رموز کی واضح طور پر نشان دہی کرے گی وہ اسرار و غوامض جنہیں مولائی و مرشدی حکیم الامت ؒ نے حکمت دین فرمایا ہے۔ یہ کتاب اس نور بصیرت کی طرف رہنمائی کرے گی جس کے بارے میں آپ نے فرمایا۔

خدایا آرزو میری یہی ہے ۔۔۔ مرا نور بصیرت عام کر دے

یہ کتاب آپ کو ان معنی سے آشنا کر دے گی جو عرفان النفس کا زینہ اوّل ہے وہی عرفان نفس جسے حکیم الامت خودی کا نام دیتے ہیں۔

آئیے انفرادی طور پر پہلے ان الفاظ کی وضاحت کریں جو حیات بعد الممات سے متعلق ہیں۔ اس وضاحت کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ قرآن کو قرآن سے سمجھا جائے کیونکہ قرآن حکیم ایک ابد تک زندہ رہنے والی کتاب ہے۔

حکیم الامت فرماتے ہیں:

آں کتاب زندہ قرآن حکیم ۔ حکمت اُو لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوین حیات ۔ بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف اُو را ریب نے تبدیل نے ۔ آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
گر تو می خواہی مسلمان زیستن ۔ نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

پھر بڑے ہی افسوس ناک لہجہ میں فرماتے ہیں کہ افسوس مسلمان نے قرآن سے مکمل فائدہ نہیں اٹھایا۔

بندۂ مومن ز قرآن بر نخورد ۔ در ایاغ اُو نہ مے دیدم نہ دُرد

پھر بڑے ہی پُر جوش لہجے میں فرماتے ہیں۔ جو بات میرے دل میں چھپی ہوئی ہے وہ میں برملا کیوں نہ کہہ دوں کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شئے ہے ایک معجزہ ہے جب اس کے معانی روح میں سرائیت کرتے ہیں تو اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور جب روح اثر پذیر ہوکر بدل جائے تو دنیا ہی بدل جاتی ہے۔

فرماتے ہیں خدا کی طرح اس کا کلام پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی ہے یہ تا ابد زندہ و پائندہ رہ کر آوازِ حق بلند کرتا رہے گا فرماتے ہیں۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود
مثلِ حق پنہاں وہم پیداست ایں — زندہ و پائندہ و گویاست ایں

قرآن و حدیث میں بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم جو خالصتاً خدا کا کلام ہے۔ حضرۃ جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک واطہر سے جوں کا توں مسلمانوں تک ہی نہیں پوری دنیا تک پہنچا۔ اس میں چودہ صدیاں گذریں زیر زبر تک کی کمی بیشی نہیں ہوئی اور ابد تک کوئی کمی بیشی نہ ہوگی۔ اس کی ذمہ داری خود خدا نے لی ہے۔

احادیث کے بارے میں پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ایسی احادیث کی کمی نہیں جو جوں کی توں ہم تک نہیں پہنچ سکیں۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اس کی صداقت میں شبہ ارتداد سے کم نہیں۔ لیکن ایسے راویوں جو راوی در راوی کے زمرے میں آتے ہیں انہوں نے احادیث کے حسن معنوی کو جو لفظی جامہ پہنایا وہ پورا نہ آسکا۔ اور کہنے سننے میں بیّن فرق پیدا ہوگیا۔

ایک اہم بات اور مت بھولیں کہ بعثت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہود و نصاریٰ کی سازشیں اور سرگرمیاں پورے عروج پر ہوگئیں جو آپؐ

کے وصال کے بعد صدیوں تک احادیث رسول مقبول میں دخل انداز رہیں۔ آج بھی مسلمان کو ذلیل کرنے میں یہود و نصاریٰ پیش پیش ہیں ایسے واعظین کی بھی کمی نہیں جنہوں نے داستان گوئی اور افسانہ بندی کا رنگ دے دے کر اور شوکت الفاظ کا سہارا لے کر بلند و بالا الفاظ کے ساتھ پست معانی سے روشناس کرایا اور ضعیف اور غیر مستند احادیث کی بنیاد پر اپنے وعظ کا عالی شان مقبرہ تعمیر کیا۔ اس طرح مسئلہ حیات بعد الممات کا بھی حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔

مولائی و مرشدی حکیم الامت فرماتے ہیں۔

واعظِ داستاں زنِ افسانہ بند   معنئ او پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او   با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

حیات بعد الممات یعنی موت کے بعد زندگی میں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ انسان زمانہ ممات کہاں گذارتا ہے۔ اور زمانہ حیات کہاں گذارے گا۔ زمانہ ممات سب کا اس دنیا میں اس جسم میں گذرتا ہے اور زمانہ حیات سب کا اگلی دنیا میں اس جسم میں گذرے گا۔ اس لیے جب ہم یہ کہتے ہیں فلاں شخص چالیس سال کا ہو گیا تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ چالیس سال مر چکا۔ اگر اس کی زندگی ساٹھ سال ہے تو ابھی اسے بیس سال اور مرنا ہے۔ یہ ساٹھ سال اس کی حیات دنیا ہوئی۔

ہم جسے حیات دنیا کہتے ہیں یہ اصل میں ہے کیا؟ وہ عرصہ جو انسان پہلے سانس کے آغاز اور آخری سانس کے انجام کے بین بین گذارتا ہے وہ حیات دنیا کہلاتی ہے خواہ وہ ایک سیکنڈ کی ہو یا ہزار سال کی۔ ہر ذی روح کا پہلا سانس اور آخری سانس قدر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے یعنی پہلا سانس اور آخری سانس ہر ذی روح سے عمل پذیر ہوتا ہے اور یہی اس کی حیات دنیا کہلاتی ہے۔

اس حیات دنیا میں موت سے زیادہ اور کوئی شے یقینی نہیں۔ قرآن حکیم

ں اسے یقین کا نام بھی دیا گیا ہے۔ موت کے لغوی معنی آگ کا ٹھنڈا ہو جانا یا نئے کپڑے ہن پہن کر پرانا ہو جانا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا جس وقت انسان آخری سانس لیتا ہے تو اس وقت موت کا آغاز ہوتا ہے یا موت کا خاتمہ یعنی موت کی موت! عام ل کا انسان بھی اس بات کو جانتا ہے کہ آخری سانس کے ساتھ ہی موت کا خاتمہ جاتا ہے یعنی اس مرنے والے پر اب دوبارہ موت کے احکامات صادر نہ ہوں ے۔ وہ مرنا چاہے گا تو بھی نہ مر سکے گا۔

ہر کام خواہ ملائکہ سے سرزد ہو یا انسان سے وقت کا تقاضا کرتا ہے۔ ہر کام ایک آغاز ہوتا ہے اور ایک انجام۔ سوال ابھرتا ہے کہ اگر جسمِ انسانی پر موت مل آخری سانس کے ساتھ ہی منقطع ہو جاتا ہے تو جسمِ انسانی پر موت کے عمل آغاز کب ہوا۔ اس کا نہایت سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ جسمِ انسانی پر موت عمل پہلے سانس کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر انسان اپنی پوری حیات دنیا مرنے ہی میں گذار دیتا ہے۔ موت کا گرہن جسمِ انسانی کو پیدائش کے ساتھ ہی گنا شروع ہو جاتا ہے۔ آخری سانس تو عملِ موت کی تکمیل کی علامت ہے۔

احقر نے یہ جو چند پیرے رقم کیے ہیں یہ عوامی اندازِ فکر ہے۔ میں نے اس میں کوئی خاص بات آپ کے سامنے نہیں رکھی یہ باتیں آپ کے علم میں ہیں۔ یہ معلومات ان حضرات کی ہیں جو عرفانِ نفس کی دولت سے خالی ہیں، مردِ خود آگاہ جو خود خودی اور خداشناس ہے ان باتوں کو سطحی قرار دیتا ہے۔ یہ معلومات انسان کو مظاہرِ خارجہ کے شیدائی ہونے سے حاصل ہوتی ہیں، جو اپنی ذات سے دور بلکہ دور تر کر دیتی ہیں۔

مردِ خود بین و خود آگاہ کی نظر میں اس کی روح کا پہلا مقام ہے اور جسم کا دوسرا درجہ۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ کوئی بھی انسان جب کسی دوسرے انسان

سے مخاطب ہوتا ہے تو درحقیقت ایک کی روح دوسرے کی روح سے مخاطب ہوتی ہے۔ قادرِ مطلق نے بھی قرآن حکیم میں ہماری روح کو پکارا۔ بولتے سپیکر کو اگر سامع مقرر سمجھ بیٹھے تو اس سے بڑی کوتاہ بینی اور کیا ہو سکتی ہے۔

مولائی و مرشدی حکیم الامت فرماتے ہیں خدا تعالٰے سے شکوہ بھرے لہجے میں۔

یہی آدم ہے سُلطاں بحر و بر کا ؟ کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا
نہ خود بیں نہ خدا بیں نہ جہاں بیں یہی شاہ کار ہے تیرے ہنر کا

اس دنیا کا شروع سے ہی یہ دستور رہا ہے کہ معانی لفظی جامہ پہن کر آتے ہیں مقصود معانی ہیں الفاظ ہر گز نہیں اور جب معانی وا نشگاف ہو جاتے ہیں تو لفظ بے کار ہو جاتے ہیں۔ الفاظ اپنا مشن پورا کر چکے۔ ان کا کام ختم ہو چکا۔ روح جو جسم کا جامہ پہن کر آتی ہے۔ جب اس کے معنی آشکار ہوتے ہیں تو جسم کا لباس بے کار ہو جاتا ہے۔ خوش بخت ہیں وہ انسان جو آخری سانس کے خاتمے سے پیشتر ہی اپنے جسم کو خیر باد کہتے ہیں۔ اور یہی وہ مردِ خود آگاہ ہیں۔ جو ثمرِ خودی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہی وہ مردانِ محبت ہیں۔ یہی وہ صوفیان باصفا ہیں جو خودی کے نور سے خدا کو دیکھتے ہیں۔ اور خود خدا اپنے ان بندوں سے پوچھتا ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے۔

حکیم الامت فرماتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ۔ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مردِ خود بین و خود آگاہ نورِ خودی سے زمان و مکان اپنے قدموں میں لے آتا ہے۔ ترتیب واقعات جو زمان کا پتہ دیتے ہیں اور ترتیب اجسام جو مکان کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے حضور دست بستہ حاضر ہو جاتے ہیں۔ زمان و مکان

م اپنے واقعات، واجسام کے عارف النفس میں گم ہوجاتے ہیں، کوئی شئے اس کی
ظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ اسی کا نام معراج ہے
آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے چاروں ابعاد مرد خود آگاہ کے قدموں
ں ڈیرہ ڈالدیتے ہیں۔ اور رفتار نور عارف باللہ کی رفتار سے شرم کے مارے
ر چھپالیتی ہے۔ آئن سٹائن لکھتا ہے کہ مادہ رفتار نور سے زیادہ رفتار حاصل نہیں
سکتا اور اگر کرے تو لا وجود ہوجاتا ہے۔ جی ہاں! مرد خود آگاہ بھی خودی کا
نہاں" کا روپ دھار لیتا ہے جلد ہی آئن سٹائن کا یہ نظریہ غلط ثابت ہوگا۔

آئیے اب اس بات کا فیصلہ ہوجائے کہ خدا کی نگاہ میں مردہ کون ہے اور
ندہ کون؟ آپ اس حقیقت سے واقف ہونگے کہ اللہ ہی مارتا ہے اور اللہ
ی زندہ کرتا ہے۔ فرض کیجئے۔ فرض نہ کریں تو بھی یہ بات آپ کے روزانہ مشاہدہ
ے گذرتی ہے کہ ہمارے اخبارات روزانہ ہی قتل کے واقعات سے پر ہوتے
ں۔ زید نے بکر کو قتل کیا! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بکر کو زید نے مارا۔ یا اللہ نے؟
ذ رکھیئے کہ اللہ تعالےٰ کے قول و فعل میں سرِ مُو فرق نہیں وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر خود
عمل پیرا ہوتا ہے۔ اگر بکر کو اللہ نے مارا ہوتا تو زید کو سورۃ بقرہ کی آیات نمبر ۱۷۸
۱۷۹ کے تحت خون کے بدلے خون یعنی قصاص کی سزا نہ ملتی اور تعزیرات پاکستان
دفعہ ۳۰۲ اس پر لاگو ہو کر تختۂ دار تک نہ لے جاتی

قارئین کرام! ثابت ہوا کہ یہ مارنا جس میں آخری سانس کا خاتمہ ہو خدا کے ہاں
یت کہلانے کا ہرگز ہرگز مستحق نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے خشک سالی کی شکار زمین جس
ں بیج کو اگانے کی صلاحیت مفقود نہیں موجود ہے، مردہ قرار دیا۔ خشک سالی
ے شکار شہر کو مردہ قرار دیا۔ حالانکہ اس میں جیتے جاگتے انسان موجود ہیں۔ اللہ
عالےٰ نے مر اُگنے والے بیج کو خواہ وہ غلہ کا ہو یا درخت ثمردار کا یا کسی اور جڑی

بوٹی کا اسے مردہ قرار دیا۔ ان بیجوں میں بھی اگنے کی صلاحیت جوں کی توں برقرار ہے
اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ہر انسان بشمول سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفےٰ
احمد مجتبےٰ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم میت قرار دیا۔ سورۃ الزمر آئت نمبر ۳۰ کے بڑے
ہی واضح الفاظ نوٹ کر لیجیے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔ یعنی اے
میرے پیارے آپ بھی میت ہیں اور دیگر جملہ انسان بھی میت ہیں۔

قرآن حکیم میں میت کا لفظ بارہ مرتبہ آیا ہے جس کی تفصیل متن میں دے دی گئی ہے۔ جملہ مترجمین حضرات نے گیارہ مرتبہ تو اس کے معنی مردہ کے کئے ہیں۔ صرف وہ آیت جس میں سرور کائنات کو مخاطب فرما کر آپ کے بلکہ کل انسانوں جن میں کفار و مشرکین بھی آجاتے ہیں کے میت ہونے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ کسی نے بھی میت یا مردہ نہیں کیا۔ شاید مترجمین حضرات نے اسے سوءِ ادب خیال کیا ہو کہ محبوب خدا کو ہم ان کی حیات دنیاوی میں ہی میت کہنے کا حق نہیں رکھتے۔ لیکن وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر گئے کہ خدا تعالےٰ اپنے حبیب کو ہم سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔ جب اس نے واضح تر آئت میں آپکو میت قرار دیا تو تقاضاءِ ادب یہ ہے کہ اسپر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آتے۔ آخر بوقت وصال بھی تو آپ کا جسدِ مبارک میت ہی کہلاتا۔

جملہ مترجمین حضرات میں سے چند ایک حضرات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ بے شک تو بھی مرے گا اور یہ بھی مریں گے۔ پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

۲۔ اے پیغمبر تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑو گے اور جھگڑا فیصل کر دیا جائے گا۔

۳۔ بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں، پھر تم مقرر دن قیامت کے اپنے رب کے آگے جھگڑو گے۔

۴۔ بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

۵۔ تحقیق تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں، پھر تحقیق تم دن قیامت کے نزدیک رب اپنے کے جھگڑو گے۔

۶۔ بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں، پھر مقرر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے۔

سب مترجمین گرامی نے آپ کے وصال کو مستقبل کے حوالے کر دیا ہے۔ صرف آخری ترجمہ جو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مفہوم کے قریب قریب کیا ہے۔ اگر یہی ترجمہ "یعنی تو بھی مرے گا وہ بھی مریں گے" خدا کو بتانا مقصود ہوتا تو اسے اس کا عربی ترجمہ یوں کرنا ہوتا" اِنَّکَ تَمُوْتُ وَاِنَّہُمْ تَمُوْتُوْنَ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ٹھوس حقیقت کو بیان فرمایا۔ جو صورتِ حال ان مفسرین گرامی نے اس آیت میں پیدا کر دی ہے، اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ حضرات خدا تعالےٰ کے اس مفہوم کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہ سکے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو حیاتِ دنیا کے ہوتے ہوئے مردہ کیوں کہا۔ بعینہٖ یہی طبع آزمائی آپ حضرات نے سورۃ عبس کی آیات ثم اماتہٗ فاقبرہٗ پر کی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ" انسان کیسا ناشکرہ ہے اس پر ہلاکت ہو۔ اس کو کس چیز سے پیدا کیا۔ نطفہ سے اس کو پیدا کیا پس اس کی تقدیر لکھ دی پھر اس کے لیے ماں کے پیٹ سے دنیا میں آنے کا راستہ آسان کیا اس کے بعد آگے فرماتا ہے ثم اماتہٗ فاقبرہٗ۔ ثم اذا شاء انشرہٗ پھر

اس کو مارا پس اسے قبر میں گاڑا پھر جب چاہا اسے زندہ اٹھا لیا یہ اس کا بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ مارنے، قبر میں گاڑنے اور دوبارہ زندہ اُٹھا نکالنے کا فاعل صرف اور صرف ذاتِ باری تعالےٰ ہے۔ اب صرف انہی آیات کا ترجمہ مختلف مترجمین کی زبانی سنیئے، یاد رہے کہ یہ سب ماضی معروف کے صیغے ہیں۔

۱۔ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پھر اس کو مردہ کیا۔ پھر قبر میں رکھوایا۔ پھر جب چاہا اس کو اٹھا نکالا۔

۲۔ شاہ صاحب کا یہی ترجمہ مطبوعہ کتب خانہ مقبول عام لاہور۔

پھر اس کو مارا پھر گاڑا اس کو۔ پھر جب چاہے گا جلا اٹھادے گا اس کو۔

۳۔ تاج کمپنی کا مطبوعہ جس پر مترجم کا نام نہیں۔

پھر اس کو موت دی۔ پھر قبر میں دفن کرایا۔ پھر جب چاہے گا اٹھا کھڑا کرے گا۔

۴۔ حضرت مولانا مودودی صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔

پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا۔ پھر جب چاہے وہ اسے دوبارہ اٹھا کھڑا کرے۔

۵۔ مولانا احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ۔

پھر اسے موت دی اور قبر میں رکھوایا۔ پھر جب چاہا اسے باہر نکالا۔

۶۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ۔

پھر اس کو مردہ کیا۔ پھر قبر میں رکھوایا اس کو۔ پھر جب چاہا اٹھا نکالا اسکو۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا صرف شاہ صاحب کا دوسرا ترجمہ یعنی "پھر مارا اس کو پھر گاڑا اس کو" اس میں آپ نے مارنے اور گاڑنے اور دوبارہ اُٹھا کھڑا کرنے کا فاعل ذات باری تعالےٰ کو قرار دیا۔ باقی سب نے دفن کرانے

قبر تک پہچانے۔ قبر میں رکھوانے یا قبر تک لے جانے کا فاعل انسان کو قرار دیا۔ اگر ان حضرات نے گاڑنے کی جگہ گڑواتے۔ دفن کرنے کی جگہ دفن کروانے قبر میں رکھنے کی جگہ قبر میں رکھوانے ہی کرنا تھا۔ تو انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو مارنے کی جگہ اس کو "مروانے" ترجمہ کیا جاتا۔ بہرحال ان آیات میں کسی بھی فعل کو انسان سے منسوب کرنا اور انسان کو اس فعل کا فاعل قرار دینا اللہ تعالےٰ پر نہیں اپنی ذات پر زیادتی کے مترادف ہے۔

سیچی بات یہ ہے کہ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ کی آئت سورۃ الزمر کی حرف بحرف تصدیق کرتی ہے۔ وہاں خدا نے انسان کو میّت قرار دیا۔ یہاں میت کے ساتھ قبر کا اشارہ واضح فرمادیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اور ببانگ دہل فرماتا ہے کہ میں نے قبر میں گاڑا اور خود گاڑا۔ مفسرین کرام اور علمائے عظام فرماتے ہیں ہم نے گاڑا۔ ظاہر ہے کہ نہ یہ وہ میت ہے۔ نہ یہ وہ قبر ہے۔ جو مفسرین حضرات اپنے مَن میں بسائے بیٹھے ہیں۔ وہ خود ساختہ قبر ہے یہ خدا ساختہ قبر ہے میتیں دونوں میں مدفون ہیں ایک حقیقی میت یعنی جیتا جاگتا انسان جس میں آخری سانس کے خاتمہ کے ساتھ ہی دوبارہ جی اٹھنے کی خدا داد صلاحیت موجود ہے۔ جو ایک فطری تقاضا یعنی نیچرل پراسس ہے دوسری مجازی میت جو قبر میں مدفون ہے۔ یہ وہ جسم بے روح ہے جو کبھی روح کا مرقد یا روح کی قبر یا روح کی آرام گاہ یا خواب گاہ رہا تھا۔ خدا تعالےٰ نے اپنے اصول کے تحت اپنی عطا کردہ قبر ہر انسان کو بلا امتیاز دی ایک بھی ذی روح ایسا نہیں جسے اللہ پاک نے جسم کی قبر سے نہ نوازا ہو۔ دوسری طرف حضرت انسان جس قبر سے مردوں کو سر روز قیامت اُٹھوائے گا وہ کسی کو ملی کسی کو نہ ملی۔

خالق کائنات نے جب سورۃ الزمر میں اپنے محبوب کو مخاطب کر کے

فرمایا کہ اے میرے دوست تو بھی ہماری نگاہوں میں مردہ ہے اور باقی سب انسان بھی تو اس میں مخاطب روح کو کیا گیا۔ اور روح کو دوبارہ اسی جسم سے باہر زندہ نکل آنے کی صلاحیت کے باوجود مردہ کہا گیا۔ حضرات یہی وہ جیتی جاگتی میّت ہے۔ جس کو فاقبرہٗ کے تحت جسم انسانی کی قبر میں گاڑ کر دنیا میں بھیجا گیا۔ یہی وہ سرِ عظیم ہے جس نے سالکوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ جو اس راز کے متحمل نہ ہو سکے۔ انہوں نے شریعت حقہ کو ایک طرف رکھا اور نعرہ اناالحق لگایا۔ یہ گروپ سالک آزاد یا جلالی گروپ کہلایا۔ دوسرا گروپ جس نے خود کو محکوم شریعت حقہ کیا اور عالی حوصلگی دکھائی۔ یہ گروپ سالک محکوم کہلایا۔ یا جمالی گروپ مولائی و مرشدیؒ فرماتے ہیں۔

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں

خودگیری و خودداری و گلبانگ اناالحق — آزاد ہو سالک تو ہیں یہ اس کے مقامات
محکوم ہو سالک تو یہی اس کا ہمہ اوست — خود مردہ و خود مرقد و خود مرگِ مفاجات

حکیم الامتؒ نے آزاد سالک اور محکوم سالک کے جو دو الگ الگ گروپ بنا دیئے ہیں۔ ان میں اول الذکر یعنی آزاد سالک آزادِ شریعت اور مؤخر الذکر محکوم سالک محکوم شریعت ہوتا ہے یہی وہ دو گروپ ہیں جن کا ذکر داتا ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں مجذوب سالک اور سالک مجذوب کی صورت میں کیا ہے۔ ہر زمانہ میں یہ دونو گروہ تعداد کے لحاظ سے بہت ہی قلیل ہوتے رہے ہیں۔ اور آج بھی یہی صورت حال ہے۔

مولائی و مرشدی نے جو علماء کرام فقہائے عظام اور مفسرین حضرات

کو ہدفِ تنقید بنایا ہے یہ صرف برِصغیر کے ہی نہیں بلکہ آپ نے پوری دنیا اسلام کے صوفی وملّا کو لیا ہے۔ تنازع کوئی ذاتی نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ حکیم الامت نے قرآن حکیم کو رسمی رواجی اور سطحی اور تبرکی نظر سے نہیں دیکھا۔ بلکہ اس کے معنوی اسرار وغوامض اور نکات وحِکَم پر مسلسل غور وتدبر فرمایا تھا۔ جب اسی معیار پر آپ نے مفسّرین ومترجمین کو پرکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرات علمِ قرآن سے کورے اور بے نیاز ہیں اور دین کے بھید سے بالکل بے خبر ہیں ان کے قلوب سراسر کینہ اور کدُورت سے بھرے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

عالماں از علمِ قرآں بے نیاز　　صوفیاں درندہ گرگ و مو دراز
بے خبر از سرِ دین اند ایں ہمہ　　اہلِ کین اند اہلِ کین اند ایں ہمہ

یعنی علمار علمِ قرآن سے بے نیاز ہیں۔ وہ لوگ جو صوفی بنے بیٹھے ہیں وہ لمبے لمبے بالوں والا ایک پھاڑ کھانے والا بھیڑیا ہے سرِّ دین سے ناآشنا ہیں اور سوائے کینہ کے ان کے پاس کچھ بھی تو نہیں کہیں فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تو صوفی و ملّا کا قیدی بنا بیٹھا ہے تو نے قرآن حکیم سے حکمت کو حاصل نہ کیا اور تو جو قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہے تو صرف اس لیے کرتا ہے کہ کسی مرتے ہوئے انسان کے سرہانے بیٹھ کر سورہ یٰسین کو پڑھنے سے اس کی جان آسانی سے نکلے گی آپ فرماتے ہیں

بہ بندِ صوفی و مُلّا اسیری　!　حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بیا یاتش ترا کارے جزایں نیست　　کہ از یٰسین اُو آساں بمیری

آپ کا کلام ان حضرات پر تنقید وتہدید سے پُر ہے۔ قرآن حکیم کی کسی آیت کا صحیح مفہوم نہ سمجھ کر ان کی جو جو تاویلات یہ حضرات گھڑتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا رکھا ہے فرماتے ہیں۔

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

اس احقر کے پاس اِن آیات کی ایک تعداد وافر موجود ہے جن آیات میں انہوں نے طرح طرح کی تاویلیں گھڑی ہیں جب تک آپ کو عملی طور پر مثال پیش نہ کی جائے آپ اسے سمجھ نہ سکیں گے۔ اگرچہ یہ آیت میرے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی تاہم اسے صرف ایک نہائت ہی معمولی مثال سمجھیں۔ اور یہ وہ مثال ہے جس کی صحیح تفسیر چودہ سو سال تک کوئی بھی مفسّر نہ کر سکا۔ بڑی بڑی مثالوں کی تو بات ہی چھوڑئیے۔

سورۃ الرحمٰن کی آیات نمبر ۲۴۔ ۲۵ ملاحظہ ہوں وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ ترجمہ اس کا یہ ہے "اور اسی کے اختیار میں ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے ہیں سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت جھٹلاؤ گے۔

قرآن حکیم میں بحر کا لفظ ۲۹ مرتبہ آیا ہے۔ مفسّرین حضرات نے چودہ سو سال سے اس کا صرف ایک ہی مطلب لیا ہے۔ یعنی پانی کا سمندر جس نے پورے کرہ ارض کے تین چوتھائی حصّے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

میری تحقیق کے مطابق قرآن حکیم میں کم از کم چار سمندروں کا ذکر ہے۔ جو اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ پہلا سمندر تو یہی پانی کا سمندر ہی ہے۔ جس کو مفسّرین گرامی نے بحر کے معنوں میں ہر جگہ استعمال کیا ہے اس سمندر میں چھوٹی بڑی کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں، موتی، مونگا نکلتے ہیں اور دنیا کو تازہ گوشت سپلائی کرتا ہے

دوسرا سمندر ہوا کا ہے۔ اس سمندر سے بھی پرندوں چوپائیوں کا تازہ بتازہ گوشت ملتا ہے۔ اس سمندر میں بھی ایسی بادبانی کشتیاں چلتی ہیں جن کی زندگی کا دار و مدار ہی ہوا پر ہے۔ اگر ان بادبانی کشتیوں کو لمحہ بھر ہوا نہ ملے تو یہ

ہمیشہ کے لیے بےکار ہوکر رہ جائیں۔ میری مراد نہیں خدا تعالےٰ کی مراد ان حیوانات سے ہے جن کی زندگی کا قیام ہوا اور صرف ہوا پر ہے۔ حضرتِ انسان بھی ان ہی میں شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں ہوا کے سمندر سے متعلق محیر العقول حقائق کا ذکر ہے۔

تیسرا سمندر خلار کا ہے جو صرف اور صرف ایک ہی ہے۔ اس سمندر نے ہوا اور پانی کے ہر دو سمندروں کو جو کرۂ ارض کا ایک حصہ ہے اپنی مضبوط گرفت میں لے رکھا ہے۔ یہ وہ عظیم سمندر ہے یہ وہ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس میں بہاڑ بہاڑ جیسی اونچی کشتیاں جو خدا تعالےٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں بڑے بڑے کرّوں کی شکل میں مصروفِ گردش ہیں۔ انہی کرّوں میں سے ایک یہ کرّہ ارض ہے جو اولادِ آدم کو اپنے اوپر سوار کئے ہوئے مسلسل مصروفِ سفر ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان نعمتوں میں سے ایک نعمت اس کرۂ ارض کو بھی قرار دیا ہے۔ کہیں اسے نعمتوں سے بھری ہوئی کشتی کہا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اولادِ آدم کی سواری کے لیے صرف ہی ایک کرۂ ارض ہی نہیں بلکہ دیگر کرّے بھی ہیں۔ جن پر تم سوار ہوتے ہو یا ہوگے۔

قارئین کرام ابھی تسخیرِ خلا کی ابتدا ہے۔ انسان کا قدم کرۂ قمر پر جا ثبت ہوا۔ دیگر کرّوں پر کمندیں ڈالی جا رہی ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ آدم دوسرے کرّوں کو مسخر نہ کرے۔ سورۂ یٰسین آیت نمبر ۴۲ میں فرمایا گیا ہے "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو نعمتوں سے بھری ہوئی کشتی میں سوار کر رکھا ہے۔ اور ان کے لیے ہم نے اسی طرح کی اور کشتیاں بھی بنا رکھی ہیں جن پر تم سوار ہوتے ہو یا ہوگے (عربی میں مضارع حال اور مستقبل دونوں معنوں میں آتا ہے۔

سورۃ الرحمٰن کی آیات نمبر ۲۴ - ۲۵ جن کا احقر نے پہلے حوالہ دیا ہے یعنی "اسی کے اختیار میں ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔" اس میں خالقِ کُل نے ان جہازوں کا ذکر کیا ہے۔ جو اس کی نعمتوں میں شامل ہیں۔ ان جہازوں کی خاص علامت یہ ہے کہ ان کی بلندی پہاڑوں جتنی ہے قرآن حکیم ایک اعجازِ عظیم ہے خدا کے کلام میں کوئی غلو یا مبالغہ نہیں۔ جو کچھ مالک نے فرمایا وہ حرف بحرف صداقت پر ہے یعنی وہ کشتیاں واقعی پہاڑوں جتنی بلند ہیں۔ اس آیت سے یعنی آیت نمبر ۲۴ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خلا کے سمندر میں گردش کرنے والے کرّے یعنی سیارے اور اُن کے چاند سب کے سب پہاڑ رکھتے ہیں کوئی بھی کُرہ یا چاند پہاڑوں سے خالی نہیں۔

اگر مفسرین حضرات خلار کے سمندر کو بھی اہمیت دیتے تو پہاڑوں جتنی اونچی کشتی جو اولادِ آدم کو اپنے اوپر سوار کیے ہوئے مصروفِ گردش ہے اس تک ان کی رسائی آنِ واحد میں ہو جاتی۔ اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات میں باری تعالیٰ صرف اپنی تخلیقات کا ذکر کر رہا ہے۔ مفسرین حضرات انسان کی بنائی ہوئی کشتیوں یا جہازوں کو زبردستی بلکہ بالجبر خدا کی تخلیقات اور اس کی نعمتوں میں گھسیٹ رہے ہیں بات بنے تو کیسے بنے۔ انسان فرشتہ تو نہیں کہ اس کی تخلیق خدا کی تخلیق شمار ہو۔

اللہ تعالےٰ بڑا ہی غیور خدا ہے۔ وہ انسان کی کسی تخلیق کو اپنے کھاتے میں نہیں ڈالتا۔ اس کی اپنی نعمتیں ہی اتنی بے حد و حساب ہیں کہ انسان ہی نہیں پوری مخلوق قیامت تک گنتی رہے تو نہیں گن سکتی۔ لیکن اللہ بھلا کرے مفسرین قدیم و جدید کا کہ انہوں نے پورا زور لگایا اور یہ ثابت کرنے کی نہایت

ناکام کوشش کی ہے کہ یہ لکڑی لوہے کا جہاز جو انسان کا بنایا ہوا ہے۔ دراصل خدا کا ہی بنایا ہوا ہے کیونکہ انسان کو تو خدا ہی نے بنایا اسے اتنی عقل دی پس ثابت ہوا کہ یہ جہاز جو انسان کے بنائے ہیں، ان کی تخلیق کا سہرا خدا ہی کے سر بندھا ہے اور جو جو تاویلیں انہوں نے پہاڑ پہاڑ جتنے اونچی کشتیوں کی گھڑی تاویلیں وہ پڑھیں تو لطائف وظرائف سے کم نہیں۔ ہیں ان بزرگوں کا جن کی خاک پا کے بھی برابر میں نہیں نام لیے بغیر ان کی آیات سے متعلقہ تفسیریں نقل کرتا ہوں۔

مفسر نمبر ایک کا ترجمہ اور تفسیر

ترجمہ" اسی کے اختیار میں ہیں سمندروں میں پہاڑوں کی طرح اٹھے ہوئے جہاز۔ تو تم رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

تفسیر:۔ تضاد کے باوصف توافق کی ایک اور نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ یہ بھی خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ پہاڑ کی طرح اونچے اور بھاری بھاری جہاز سمندروں کے سینے پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی وزن رکھنے والی چھوٹی چھوٹی چیز بھی پانی کے اندر ڈالئے تو ڈوب جاتی ہے لیکن یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت اور حکمت کی کارسازی کہ جہاز جیسی بھاری چیز ہزاروں ٹن سامان اپنے اوپر لادے ہوئے پانی کو چیرتی ہوئی چلتی اور ڈوبنے سے محفوظ رہتی ہے۔"

اس کے آگے آپ نے لہٗ کی وضاحت فرمائی ہے جو پہلی تفسیر سے بھی گئی گزری ہے۔ ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اس سمندر کو درخور اعتنا سمجھا ہی نہیں یعنی خلا کا سمندر جو صرف ایک ہی ہے مولانا نے بحر کا ترجمہ سمندروں محض اس لیے کیا ہے کہ جہاز ایک ہی سمندر میں نہیں سب سمندروں میں چلتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ خلا کے سمندر کا ذکر کر رہا ہے کہ خلا کے بحرِ ناپیدا کنار میں عظیم کُرّے جن میں ایک کرہ ارض بھی ہے جس پر بلند و بالا پہاڑ ہیں مصروفِ گردش ہیں اور یہ سب باری تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ جملہ سیارگان معہ ان کے سٹیلائٹ یعنی چاندوں سمیت کوئی بھی ایسا نہیں جن پر پہاڑ نہ ہوں قرآن حکیم کی یہ آیت بغیر دوربین فلکی استعمال کیے سیارگان کے پہاڑوں کی نشاندہی کر رہی ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ خلار کے سمندر میں سیارگان کو مسلسل چلتی ہوئی کشتیاں قرار دے رہا ہے۔ جن کی بلندی واقعی اتنی ہے جتنے بلند اسپر پہاڑ ہیں لیکن اللہ بھلا کرے مفسرینِ گرامی کا انہوں نے پورا زور لگا کر تاویلات لاطائل سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ لکڑی لوہے کا انسان ساختہ جہاز وہی جہاز ہے جس کا ذکر اللہ نے ان آیات میں کیا ہے۔

ببیں تفاوت راہ است از کجا تا بہ کجا

یہی وہ تفسیر ہے جس کے بارے میں علامہؒ نے فرمایا خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

مفسر نمبر ۲ کا ترجمہ اور تفسیر

ترجمہ :- اور اسی کے اختیار میں ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہیں۔ سو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

تفسیر نقل حرف بہ حرف :" اور اتنا اونچا کہ انسانی عمارتیں اور اونچے سے اونچے مینار اور گنبد اور اونچے سے اونچے پہاڑ اور ہوائی جہازوں کی پرواز اس میں بآسانی اور بفراغت تمام سما جاتے ہیں۔ آسمان بھی کوئی دیوی دیوتا

نہیں جیساکہ ساری قدیم و متمدن قومیں سمجھتی رہی ہیں. بلکہ اللہ ہی کی دوسری مخلوقات کی طرح مخلوق اور اس کی صنعت گری کا بہترین آئینہ دار ہے اور بس.

ان مولانا نے پہاڑوں کی بلندی کا یہ مطلب لیا ہے کہ بڑے بڑے اونچے اونچے مینار گنبد وغیرہ کا سامان جہازوں میں لادا جا سکتا ہے. پس یہ ثابت ہوا کہ جہاز اونچے اونچے پہاڑوں کی طرح ہیں. انہوں نے بھی جہاز وہی سمجھا جو انسان کا بنایا ہوا ہے. یہ ہے وہ تفسیر جو مولائی و مرشدی کے اس شعر کی مصداق ہے.

ولے تاویل شاں درحیرت انداخت
خدا و جبرائیل و مصطفےٰ را!

یعنی یہی تاویلات سے خود اللہ تعالےٰ حضرت جبرائیل اور حضور پاک تک انگشت بدنداں ہیں کہ ہم نے کیا کہا اور ان حضرات نے کیا سمجھا.

تفسیر نمبر ۳ کا ترجمہ اور تفسیر:

ترجمہ: اور یہ جہاز اسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں. پس اے جن و انس تم اپنے رب کے کن کن اختیارات کو جھٹلاؤ گے.

تفسیر: اسی کی قدرت سے بنے. اسی نے انسان کو یہ صلاحیت بخشی کہ سمندروں کو پار کرنے کے لیے جہاز بنائے. اسی نے زمین پر وہ سامان پیدا کیا جس سے جہاز بن سکتے ہیں. اور اسی نے پانی کو ان قواعد کا پابند کیا جس کی بدولت غضبناک سمندروں کے سینے پر پہاڑ جیسے جہازوں کا چلنا ممکن کر دیا.

ان مولانا نے بھی جہاز انسان کا بنایا ہوا سمجھا. لیکن پہاڑ جیسے بلند کی

وضاحت گول کر گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات صرف پانی کے سمندر کو ہی سمندر سمجھتے ہیں حالانکہ آبی جانوروں کے لیے پانی کا سمندر، خشکی کے جانوروں حیوانوں و انسانوں کے لیے ہوا کا سمندر اور ملائکہ۔ ارواح جن وانس کے لیے خلا کا سمندر اور چوتھا سمندر جو سب سے زیادہ اہم ہے وہاں تک ان کی رسائی بظاہر ناممکن نظر آتی ہے۔ خدا بات کرے خلا کے سمندر کی یہ حضرات سمجھیں پانی کا سمندر! خلائی سمندر کی صفات کو پانی کے سمندر پر ٹھونسیں تو بات کس طرح بنے!

مفسر نمبر ۴ کا ترجمہ اور تفسیر

ترجمہ: "اور اسی کی ہیں وہ چلنے والیاں کہ دریا میں اٹھی ہوئی ہیں۔ جیسے پہاڑ" تو اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

تفسیر: "جن چیزوں سے وہ کشتیاں بنائی گئیں۔ وہ بھی اللہ تعالےٰ نے پیدا کیں۔ اور ان کو ترکیب دینے اور کشتی بنانے اور صفائی کرنے کی عقل بھی اللہ تعالےٰ نے پیدا کی اور دریاؤں میں ان کشتیوں کا تیرنا اور چلنا سب خدا تعالےٰ کی قدرت سے ہے۔

ان واجب التعظیم مفسر نے بھی انسان کی بنائی ہوئی کشتیاں ہی مراد لیا ہے ترجمہ میں تو پہاڑ کا ذکر کر دیا، لیکن تفسیر میں اس کو چھیڑا تک نہیں۔ ایک آیت کی تفسیر و ترجمہ کے یہ چار نمونے آپ نے ملاحظہ فرمائیے۔ جملہ حضرات نے انسان کی بنائی ہوئی کشتیاں یا جہاز ہی ثابت کیا۔ باقی رہا پہاڑ پہاڑ جتنی اونچی اُن کی تفسیر آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ جملہ مفسرین کا یہ فرض تھا کہ قادرِ مطلق کے کلام کو "کلام الملوک ملوک الکلام" یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے کے تحت اس سمندر کو تلاش کرتے جس میں پہاڑ پہاڑ جتنی اونچی کشتیاں یا جہاز ذریات

دم کو اپنے اوپر سوار کیے مصروف سفر ہے سورہ یٰسین کی آیت نمبر ۴۲ کا ترجمہ
احظہ کریں اگر آپ کے پاس مترجم قرآن حکیم ہے تو بچشم خود حق الیقین کریں
رجمہ ہے" اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی اولاد
رحمتوں سے بھری ہوئی کشتی میں سوار کر رکھا ہے۔ اور ان کے لیے ہم نے اسی
رح کی اور کشتیاں بھی بنا رکھی ہیں۔ جن پر تم سوار ہوتے ہو"۔

یہ آئت ماضی یا حال کے لیے نہیں پورے مستقبل پر حاوی ہے عربی میں
ضارع حال اور مستقبل دونو معنوں میں مستعمل ہے۔ اللہ تعالے کے اس ایمان
روز بیان سے اس امر میں شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں نکلتی کہ ایک دن
سان جملہ سیارگان کو مسخر کرے گا۔ چاند کا فاصلہ زمین سے دو لاکھ سینتیس ہزار
ل ہے وہاں سے تو جاکر پتھر تک اٹھا کر لے آیا ہے اور ابھی تسخیر خلا کا
ازہے۔

ان حضرات نے تفسیر قرآن میں مفہوم کی جو کایا پلٹ کی اور جو تحریف معنوی
ی اور جن تاویلات لاطائل کو اپنا آلہ کار بنایا، حکیم الامت کے لیے ایک صدمہ
نکاہ سے کم نہیں۔ حضرت علامہ نے فقہی مسائل کو چھیڑا تک نہیں۔ نہ ہی آپ
ظری مسائل میں الجھے ہیں نہ ہی آپ نے اختلافی مسائل اور فقہی بحثوں کو پسند
رمایا ہے۔

فرماتے ہیں۔

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

برصغیر پاک وہند کا شائد ہی کوئی ایسا خطیب یا مقرر ہو گا۔ جس نے حضرۃ
لامہ کے اشعار سے اپنی تقاریر کو مزین نہ کیا ہو۔ تعجب ہے انہوں نے اپنے

بارے میں تنقیدی اشعار سے چشم پوشی اختیار کرلی۔ حالانکہ انہیں چاہیئے تھا کہ اپنی جھوٹی انا کو خیر باد کہتے اور اپنی غلطیوں کی تلافی کرتے اور اس سر دین کی تلاش میں سرگرداں ہوتے جس کو پا لینے سے خود۔ خودی اور خدا تک رسائی ہوتی ہے۔

قرآن حکیم ایک اعجاز عظیم ہے، اس کے نزول کا ایک بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں۔ سورۃ ص آئت نمبر ۲۹ "یہ قرآن ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے تیری طرف نازل کیا تاکہ اس کی آئیتوں میں فکر کریں اور عقل والے سمجھیں"

قارئین کرام! اگر دنیا میں خدا کے علاوہ کسی شے کو سجدہ روا ہوتا۔ تو قرآن حکیم سے بڑھ کر اور کوئی کتاب قابل سجدہ نہ ہوتی۔ اس مقدس کتاب کے عشاق اگرچہ اس کے آگے سر بسجود نہیں ہوتے۔ لیکن واللہ وہ قلب بسجود ضرور رہیں۔ قرآن کا ایک زبردست معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ پاک و مطہر کتاب، کتاب کے علاوہ ایک تفسیر بھی ہے۔ جی ہاں! قرآن حکیم آپ اپنی تفسیر ہے قرآن حکیم کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ قرآن کو قرآن سے سمجھا جائے۔

گذشتہ صفحات میں میں نے جو لفظ بحر کے تحت عرض کیا ہے کہ اگر مفسرین حضرات قرآن حکیم میں غور و فکر کرتے کہ یہ لفظ کہاں کہاں استعمال ہوا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں پانی کے سمندر کے علاوہ ہوا کا سمندر بھی نظر نہ آجاتا۔ پھر اس کے بعد خلا کا ایک بحر بے بیکراں نہ دکھائی دیتا۔ آبی جاندار پانی کے سمندر میں اپنی زندگی گذارتے ہیں خشکی کے جاندار ہوا کے سمندر میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔

بھگت کبیر کے دوہے کا ایک بند یاد آ گیا کہتے ہیں.

ساگر میں رہین پیاسی
مجھے دیکھیت آوے ہاسی

یعنی سمندر میں مچھلی اس بات کا شکوہ کر رہی ہے کہ میں پیاس سے مری جا رہی ہوں۔ اور مجھے اس کی اس بات پر ہنسی آ رہی ہے کہ کتنی بے وقوف ہے یہ مچھلی کہ جس بحرِ عظیم میں یہ پلی بڑھی اس سے زندگی بھر آشنا ہی رہی اسی مفہوم کے قریب قریب لیکن اس سے بہتر صورت میں مولائی ومرشدی فرماتے ہیں.

خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے.

یہ عرض کرنے کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ مفسرین گرامی زندگی بھر ہوا کے سمندر میں بادبانی کشتی بنے رہے۔ لیکن انہیں ہوا کا سمندر چودہ سو سال تک نظر نہ آیا۔ افسوس! صد افسوس! اب انہیں کوئی کیسے یقین دلائے کہ حضرات آپ واللہ باللہ ثم باللہ ہوا کے سمندر میں رہتے ہیں احقر نے سورۃ الرحمٰن کی آیت نمبر ۲۴ میں جوار کا حوالہ دیا ہے کہ یہ وہ کشتی یا جہاز ہے جو خلا کے بحرِ بے کراں میں مصروف سفر ہے اور اس کی بلندی پہاڑ جتنی ہے۔ مفسرین حضرات چودہ سو سال تک اس کشتی کو جس کی اوسطاً بلندی یعنی آج سے چودہ سو سال پہلے کی کشتی کی بلندی اور آج کے بڑے سے بڑے جہاز کی بلندی چند گز سے زیادہ نہیں اس آیت میں زبردستی ٹھونس رہے ہیں زبردستی اس لیے کہ اگر یہ واجب الاحترام بزرگ سورۃ تکویر کی آیات نمبر ۱۵، ۱۶ پر توجہ فرماتے تو انہیں نہ صرف اس بات کا علم ہو جاتا کہ

خالق کائنات نے سیاروں اور ستاروں کو دو الگ الگ نام دے رکھے ہیں اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ سیاروں کے ساتھ ہی کشتی کا لفظ بھی لگا دیا ہے لیکن انہوں نے کیا یہ کہ ستاروں کا ترجمہ تو خاموشی سے کر دیا مگر جوار کے لفظ کو پی گئے۔

آیات ملاحظہ ہوں۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ. الْجَوَارِ الْكُنَّسِ

ترجمہ "ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں"

ان میں جملہ مترجمین نے خُنّس۔ ان ستاروں کو کہا ہے جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور کنّس ان سیاروں کو کہا ہے جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں بات کو کھل کر واضح کرنے کے لیے خالق کائنات نے کنّس کے ساتھ جوار کا لفظ لگا دیا ہے یعنی سیاروں کی ایسی کشتیاں (مختلف کرّے) جو سیر کرتی اور غائب ہو جاتی ہیں۔ تاکہ مترجمین و مفسرین حضرات کو سمجھنے میں تکلیف نہ ہو لیکن یہ گناہ گار اس کے علاوہ اور کیا عرض کر سکتا ہے کہ اللہ ان کا بھلا کرے ان کی ایسی باتوں سے ہی حضرت علامہ کا جی جلتا ہے۔ پھر وہ لفظوں کی تیغ برّاں سے انہیں کاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔

میّت ابحار اور جوار کی یہ مثال ناگزیر تھی۔ آپ اس سے اندازہ لگالیں کہ قرآن حکیم میں مستعمل دیگر الفاظ کے ساتھ ان حضرات نے کیا کیا دست درازیاں نہ کی ہونگی۔ ارض۔ سما۔ جبل۔ قبر۔ برزخ۔ قیامت۔ موت۔ حیات۔ کتاب اللہ صور۔ منکر نکیر۔ میّت۔ موتیٰ۔ بحر۔ جوار۔ فلک وغیرہ کوئی بھی تو ان کی زد سے بچ نہ سکا۔ ان جملہ الفاظ کی وضاحت احقر نے متن میں قرآن حکیم کی روشنی میں کماحقہٗ کر دی ہے۔

سالک آزاد اور سالک محکوم کا ایمان کامل ہے کہ ہر ذی روح بشمول انسان میت ہیں۔ ایسی میت جس میں آخری سانس کے ساتھ ہی دوبارہ جی اٹھنے کی خداداد صلاحیت موجود ہے۔ ایسا بیج جس میں اگنے کی خداداد صلاحیت موجود ہو خدا نے اسے بھی میت کہا ہے۔ اس مسئلہ کا نہائیت افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کسی بھی مفسر کو مختلف بیجوں اور بنجر اور خشک سالی کی شکار زمین کو میت قرار دیتے اور اسے مردہ سمجھنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ اعتراض ہوا تو اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُم مَّیِّتُوْن کے صحیح مفہوم کو سمجھنے پر۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام ذی روح اشیاء کی حیثیت ایک بیج زیر زمین کی سی ہے۔ جس طرح بیج زیر زمین پہلے اپنے جسم کو پھاڑ کر پھر زمین کو پھاڑ کر ایک دوسرے ہی عالم کا نظارہ کرتا ہے۔ بالکل یہی صورتحال ہم انسانوں کی بھی ہے کہ ہماری روح کشتِ وجود سے باہر آنے کے لیے اسی عملی کیفیت سے گذر رہی ہے۔ جب یہ روح واصل بحق ہو جاتی ہے تو زندہ و پائندہ ہو جاتی ہے مولائی و مرشدیؒ فرماتے ہیں۔

روح باحق زندہ و پائندہ است ۔ ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ است

بیج ہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

شاعرِ مشرقؒ نے ہر اگنے والے بیج کو تربت یعنی قبر کہا ہے۔ اللہ تعالٰی نے بھی انسانوں کو زمین میں سے اگانا "اگایا" فرمایا ہے لیکن یہ ارض کشتِ وجود

ہے جیسے علامہؒ نے مرقع انسان فرمایا ہے۔

کائنات کی ہر شے کا ایک وجود ہے ایک جسم ہے جس سے اس کی ظاہری صورت کا تعین ہوتا ہے۔ اس ظاہری صورت کا ایک نام ہے محض اس لیے کہ اس کی شناخت ہو سکے۔ ایک شے دوسری شے سے ممیّز ہو سکے۔ کسی بھی شے کا بیرونی خول جو ہمیں نظر آتا ہے وہ اس شے کی سطحی صورت ہے۔ ایک نقلی صورت ہے لیکن اس کا اندرونی نظام جو کئی نظاموں پر مشتمل ہے۔ ہماری نظروں سے اوجھل ہے۔

بیج اگر اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں ہی جڑ ہوں میں ہی کونپل ہوں۔ میں ہی شاخ ہوں، میں ہی پتہ ہوں میں ہی پھل پھول ہوں اور پھر میں ہی بیج ہوں، تو ایمانداری کا تقاضا ہے کہ اس کے اس دعویٰ صادق کو بدل وجان تسلیم کر لیا جائے! اسی نکتہ نظر سے خود کو دیکھیے۔ یہی انسان جو انسان کہلاتا ہے اصل میں لوح بھی ہے قلم بھی ہے کتاب بھی ہے میت بھی ہے۔ مرقد بھی ہے۔ جی اٹھنے والا جسم بھی ہے۔ وہ خوبصورت روحانی جسم جسے اس مرقد جسم کو خالی کرنا ہے وہ بھی اس کے اندر اپنے پورے نظام کے ساتھ موجود ہے۔ پہلا جسم بشری دوسرے جسم روحانی کو جنے گا۔ اور یہ سب کچھ ہر ذی روح پر گذرے گا۔

خالق کائنات نے اپنے کلام پاک میں اس روحانی ڈلیوری کا واضح الفاظ میں ذکر فرمایا ہے سورۃ البلد آیات نمبر ۱ تا ۴ : ترجمہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

"قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں اور قسم ہے جننے کی اور جو اس سے جنا تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں"

جملہ مفسرین نے بلد کو شہر مکہ قرار دیا ہے لیکن اس گناہ گار کی تحقیق کے

مطابق قرآن حکیم میں جن ۱۵ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ان میں سے ایک بھی تخلیق انسانی نہیں ہے۔ شہر مکہ کو قرآن حکیم میں ہی مبارک مکہ فرمایا ہے لیکن شہر مکہ کی قسم نہیں کھائی بلکہ بلد کے لغوی معنی لیے گئے ہیں یعنی قبر۔ قبرستان کو شہر خموشاں بھی کہا جاتا ہے یہ آپ کے علم میں ہے۔

احقر کے نزدیک اس کا مناسب ترجمہ یہ ہوگا۔ "میں قسم کھاتا ہوں اس قبر بشری یعنی آپ کے جسم اطہر کی کہ آپ یعنی آپ کی روح اس قبر بشری میں ہمیشہ کے لیے قید نہیں رہے گی۔ اور میں قسم کھاتا ہوں اس جننے والے جسم کی اور میں قسم کھاتا ہوں اس روحانی جسم کی جو اس جسم بشری نے جنا کہ بلا شک وشبہ ہم نے تکلیف اور محنت سہنے کے لیے انسان کو پیدا کیا۔" اس میں دونو پیدائشوں کے تکلیف دہ عمل کا اشارہ ہے۔ انسانی پیدائش کے موقع پر زچہ وبچہ دونو ہی ایک تکلیف دہ عمل سے گذرتے ہیں۔ بچے کی پیدائش سے پیشتر وہ دردناک اذیت جو زچہ کو ہوتی ہے اس کا صحیح تجربہ صرف طبقہ نسواں کو ہی ہے۔ بچہ اگرچہ اپنے جنے جانے کے عمل سے ناآشنا ہے لیکن وہ اس زبردست جسمانی دباؤ سے اس تنگ راستے سے گذرتا ہے جسے خالق نے تم السبیل یسرہٗ کہہ کر اس مشکل راستے سے آسانی سے گذارا یہ نومولود کی جسمانی ڈلیوری ہے جو انسان ہی کے ہاتھوں یعنی دایوں یا نرسوں کی مدد سے وقوع پذیر ہوتی ہے جو انسان دیکھ سکتا ہے۔ لیکن جب خلق جدید کا مرحلہ آتا ہے تو یہی جسم انسانی کو زچگی کے دردوں کی طرح عالم نزع کے تکلیف دہ عمل سے گذرتا ہے۔ اس کے مختلف نظام یکے بعد دیگرے تہ وبالا اور تباہ وبرباد ہونا شروع ہوتے ہیں۔ مکی آیات میں جس قیامت کا ذکر ہے اس قیامت کا نشانہ یہی جسم انسانی ہے۔ اس کی بصارت اس کی سماعت اس کے دیگر

نظاموں کا مرکز تخریب تمام کا مرحلہ وار شکار ہوتا چلا جاتا ہے اور انجام کار مکمل توڑ پھوڑ کے بعد یہ ایک ایسے ہموار میدان کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس میں کوئی اونچ نیچ نہیں۔

لیکن یہ تخریب تمام اس فطری تقاضا کا ایک حصہ ہے جس کے تحت ایسے دوبارہ جی اٹھنا ہے۔ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریب تمام!
ہے اسی میں مشکلات زندگانی کی کشود

یہ قیامت صغریٰ ہے جو مردی روح پر گذرتی ہے۔ اور وہ آخری سانس کے خاتمہ کے ساتھ ہی دوبارہ زندہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اب وہ کشش ثقل سے بے نیاز ہے۔ اب وہ پاؤں پاؤں نہیں چلے گا۔ اب وہ پتنگوں کی مانند پر پرواز رکھے گا۔ لیکن اس ہوا کا محتاج نہ ہوگا جو پرواز کرنے کے لیے ضروری ہے۔ وہ آخری ہچکی کے ساتھ ہی خلا کے اس ہموار میدان میں مائل بہ پرواز ہوگا۔ جیسے قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

سورۃ النزعٰت آیات نمبر ۱۳۔۱۴۔ ترجمہ حضرت مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ

"حالانکہ یہ بس اتنا کام ہے کہ ایک زور کی ڈانٹ پڑے گی
یکایک یہ کھلے میدان میں موجود ہونگے۔ یہ کھلا میدان یہی فضا و خلا ہے جس میں دوسرا جسم روحانی مائل بہ پرواز ہوگا۔ اب یہی فلک جسے وہ کبھی فلک اور آسمان کے نام سے پکارتا تھا اس کی سرزمین بن گیا، اس کی جولان گاہ ہوگیا۔ اس کی پلے گراؤنڈ ٹھہرا۔ مولائی و مرشدیؒ فرماتے ہیں۔

شاید کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا

چونکہ دوسرا جسم کشش ثقل سے متاثر نہ ہوگا۔ یہی خلا اس کا میدان حشر ہے۔ بستر مرگ پر جان دینے والا ہو یا ہیروشیما کے ایٹمی دھماکے سے ڈیڑھ لاکھ مرنے والوں میں سے ایک ہو۔ ان سب کی روحیں ایک ایک کرکے بھی اور فوج در فوج بھی خدا کے حضور حاضر ہو چکیں۔ قرآن حکیم میں ایک ایک کر کے بھی اور فوج در فوج ہر دو کا ذکر ہے۔

جسم انسانی قبر بشری روح کی رہائش گاہ۔ روح کی خواب گاہ اس دنیا میں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جائیں گے اب یہ مادی جسم دوبارہ انہیں ہرگز نہیں ملے گا۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

ہو روح پھر ایک بار سوارِ بدنِ زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں ہیں

یہی ان کی قیامت اور دوبارہ جی اٹھنا ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں فَاِنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ یعنی جو مرا اس کی قیامت ہو چکی۔ لیکن افسوس علماء اس کو بھی صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔

مولائی ومرشدیؒ فرماتے ہیں۔

ندانند گشتہؔ ایں عصرِ بے سوز
قیامت ہا کہ در قدِ قامت اوست

یعنی اس بے درد زمانہ کا مارا ہوا انسان اس حقیقت قیامت سے بالکل ناآشنا ہے۔ جو حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فَاِنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ میں مذکور ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہر ذی روح اپنے آخری سانس کے خاتمے کے ساتھ ہی دوسرے جسم روحانی

کے ساتھ روح کی اس قبر بشری سے اس طرح باہر آگیا۔ جیسے بچہ زچہ کے پیٹ سے باہر آتا ہے یا جیسے پھل اپنے غلاف سے نمودار ہوتا ہے قیامت کا صحیح طریق عمل ان آیات سے بہتر ممکن نہیں۔

سورۃ شوری آئت نمبر ۴۷: "قیامت کا علم اسی کو ہے اور نہ تو پھل گابھوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے"۔

قیامت کے علم کے ساتھ ہی پھلوں کا گابھوں سے' اور بچہ کا حاملہ عورت کے پیٹ سے باہر آنے کی دو مثالیں محض مثالیں ہی نہیں ایک واضح حقیقت ہے کہ جس طرح پھل اپنے غلاف سے اور بچہ رحم مادر سے باہر آتا ہے اسی طرح سب ذی روح اپنے اجسام سے باہر آجائیں گے اور یہی قیامت یعنی دوبارہ جی اٹھنا ہے۔ اور اسی قیامت کا حدیث مذکورہ میں ذکر ہے اور اسی حدیث کو مولائی و مرشدی نے فارسی شعر میں فرمایا "کہ زمانہ بے درد کا مارا ہوا انسان اس راز سے آشنا نہیں کہ اس حدیث پاک کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ قیامت کبریٰ کو جب پورا کرہ ارض اور اسکے مکین مکمل طور پر ختم ہوجائیں گے۔ اس دن مرنے والے لوگ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں یا اربوں کی تعداد میں تقاضائے فطرت کے تحت اپنے آخری سانس کے ساتھ ہر اس مادی جسم کو چھوڑ کر دوسرا روحانی جسم لے کر جی اٹھیں گے۔

یہ مختلف النوع لباس جن سے ہم اپنے اجسام کو ڈھانپتے ہیں اور جو جو اشیاء ہمارے زیر استعمال رہتی ہیں خواہ وہ پاؤں میں پہننے والا جوتا ہو۔ سر کی ٹوپی یا ہیٹ یا پگڑی ہو۔ عینک ہو یا ہاتھ میں پکڑنے والی چھڑی قلم

دوات ہو یا میز کرسی ہو۔ پائپ ہو یا حقہ۔ ان سب اشیاء کی قیمت اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کو استعمال کرنے والا ملک و قوم کی کوئی نامور شخصیت ہو۔ قومی شاعر ہو کسی نئے ملک کو جنم دینے والا ہو کوئی بادشاہ ہو۔ یہ تمام اشیاء اس کے بعد میوزیم یا عجائب گھر کی زینت بنیں گی۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ہر وہ شے جو ان کے دست ہائے مبارک کی لمس آشنا ہے اس کی قدر و قیمت ان کی زندگی میں ہی بڑھ جاتی ہے۔ ان میں ایک مخصوص تقدس اور برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ کچا لوہا کیوں ایک مستقل مقناطیس سے رگڑ کھانے کے بعد مقناطیسی خواص کا حامل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ خام لوہا مقناطیس کے الیکٹرون اپنے وجود میں داخل کر لیتا ہے اور نتیجتاً وہ بھی مقناطیس بن جاتا ہے۔ مقناطیس کی لمس نے کچے لوہے کو اپنا ہم خواص بنا دیا۔ انبیاء کرام و اولیاء کرام کی ان مستعملہ اشیاء نے بھی اسی طرح ان کے لمس سے فیوض و برکات حاصل کر لیں۔

ایسی بیشتر مثالیں موجود ہیں کہ کسی اللہ کے دوست نے اپنا قمیص کسی غازی بادشاہ کو دیا کہ اسے میدان جنگ میں اپنے ساتھ رکھو۔ انشاء اللہ العزیز کفار پر فتح حاصل کرو گے۔ اور ایسا ہوا۔ پیغمبران عظام خصوصاً رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فداہ روحی، اس لحاظ سے سرفہرست ہیں۔ آپ کے ایک ایک موئے مبارک پر سلطنتوں کی بولیاں ہوئیں۔ یہ جنون نہیں۔ یہ قبر پرستی، پیر پرستی یا پیغمبر پرستی ہرگز ہرگز نہیں۔ خوش عقیدگی کا حاصل ہے۔

ہم: حجراسود کو بوسہ کیوں دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک بے جان پتھر ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ انبیاء کرام کی بوسہ گاہ رہا ہے انتہا یہ ہے کہ اپنے محبوب دوستوں کی جو جو حرکات خالق کو پسند آئیں ان کے ان افعال کو زندہ جاوید کر دیا۔ حج مبارک کے موقعہ پر جو کچھ ارکان ایک حاجی سے ادا ہوتے ہیں یہ سب کچھ فریضۂ حج کی تکمیل کا ایک حصہ ہیں اگر ایک رکن بھی چھوٹ گیا حج نہیں ہوگا۔

آج بھی اور قیامت کبریٰ تک بھی جن جن بزرگانِ دین کے جسد ہائے مبارک زیرِ خاک مدفون ہیں۔ ان کے مزارات ایک مقدس نشانِ منزل ہیں۔ ایک سرمایۂ عظمت ہیں۔ ان کی قدر و قیمت جوں کی توں قائم ہے اب وہ زائرین و معتقدین کے لیے ایک پبلک کال آفس کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ فاتحہ خوانی بطریق سنّت کیجیئے۔ عرض مدعا کیجیئے۔ لیکن یاد رکھیئے آپ کے مخاطب وہ اجسام مطہر جو زیرِ خاک مدفون ہیں۔ نہیں بلکہ وہ روح اطہر ہے جو کبھی اس مکان میں مکین تھی۔ اور آج ایک نہایت خوبصورت و دلکش روحانی جسم کے ساتھ مکین جنّت ہے آج اس کے اختیارات اہل زمین کے بااختیار لوگوں سے بدرجہا فائز و برتر ہیں آج جنت میں ان کا ہر فعل فعلِ خدا ہے۔ وَمَا رَمَیْتَ کی وہ مثال جو اس دنیا میں اہل نظر کی نظر سے گذری اب وہ مستقل طور پر اس صفت کے حامل ہو گئے۔ یہ وہ روح اطہر ہے جو اپنا برزخ روح مردہ کی صورت میں مرقد انسانی کے شبستان میں گذار چکی۔ آج وہ روح داخل بحق ہو کر حیاتِ ابدی سے سرفراز ہوئی۔ اب وہ روح زندہ اپنے آخرت کا آغاز کر چکی اس کے دوبارہ جی اٹھنے کا عمل وقوع پذیر ہو چکا۔ اب نہ یہ موت کی زد میں آئے گا اور نہ ہی

قیامت اُس پر گذرے گی۔

مولائی و مرشدیؒ فرماتے ہیں

روح باحق زندہ و پایندہ است
ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ است

قادرِ مطلق کے روزانہ معمول کے مطابق آج بھی روزانہ لاکھوں کی تعداد میں قیامتیں گذر رہی ہیں۔ آج بھی اس جسم کی قبر کو روح ہمیشہ کے لیے چھوڑتی ہے تو دوسرا روحانی جسم لیکر محو پرواز ہوجاتی ہے اور زندہ ہوکر آسمانوں پر رفیق اعلیٰ سے جا بغل گیر ہوتی ہے۔ خدا ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیتا ہے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ تخصیص صرف حضرة عیسیٰ السلام کے لیے ہی ہرگز ہرگز نہیں کہ خدا نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا اور باقی تمام مخلوق بشمول سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم زندہ اٹھائے جانے کے لیے اس قیامت کبریٰ کی راہ تک رہی ہے کہ کب کائنات کی اینٹ سے اینٹ بجے اور کب ہم دوبارہ جی اٹھیں۔ مولائی و مرشدی نے ایسی قیامت کا بانگِ دہل انکار کیا ہے

فرماتے ہیں۔

ہر روح پھر اِک بار سوارِ بدن زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ صاحبِ مزار سے گفتگو فرماتے رہے۔ عرض مدعا کرتے رہے۔ اولیاء کرام انبیاء عظام شعراء اور محب وطن اصحاب کے مزارات پر تشریف لے جانا آپ کا معمول رہا ہے۔ اپنی ایک نظم بعنوان التجائے مسافر جو آپ

نے دہلی میں درگاہ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر بوقت زیارت رقم فرمائی اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ آپ اولیاء کرام کو فی الوقت کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ اولیاء کرام بھی عام انسانوں کی طرح اپنی برزخی زندگی اپنے جسم کی قبر میں گذار کر اپنے عالم آخرت کا آغاز کر چکے ہیں۔ اور یہ کہ اب ان کے اختیارات میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری بڑا فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمتہ اللہ علیہ جو خود ایک ولی کامل ہیں سیدنا ابوالحسن علی بن عثمان المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر چلہ کشی کے بعد فرماتے ہیں۔

ہر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
جائیکہ زاہدان بہزار اربعین رسند
مست شرابِ عشق بیک آہ مے رسند
ہر کس کہ بدرگاہ تو آمد بہ نیاز
محروم ز درگاہِ تو کے گردد باز

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا　　ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را راہنما

مولائی و مرشدی حضرت علامہؒ شاہِ حجاز و نجد کو ارمغانِ حجاز میں مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

سجودے نیست اے عبدالعزیز ایں
بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

یعنی اے شاہ نجد و حجاز یہ سجدہ نہیں ہے جسے تو سجدہ سمجھ بیٹھا ہے درحقیقت میں اس لیے جھک گیا ہوں۔ کہ پلکوں سے دوست کے دروازے کی خاک صاف کر دوں۔

اولیاء کرام کے تو شہنشاہ بھی غلام ہوتے ہیں داراشکوہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم مونس الارواح میں لکھتی ہیں کہ میں خواجہ اجمیری کی درگاہ میں حاضر ہوئی۔ سات مرتبہ طواف کیا اپنی پلکوں سے خاکِ مزار لے کر سرمۂ چشم بنایا۔

جملہ مسلمانانِ عالم خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں کیا اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ خانہ کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں۔؟ ہرگز نہیں جاتا کوئی بھی مسلم خانہ کعبہ کو سجدہ نہیں کرتا۔ یہ تو بحکم خدا ایک سنّت رسول کا اتباع ہے کہ آپ کی امت جو خیر الامت ہے۔ ان کی جبینوں کا رُخ ایک ہی سمت ہو۔

یہ سجدہ جو ظاہر بینوں کو بظاہر خانہ کعبہ کو ہوتا نظر آتا ہے یہ اس کی صرف لفظی اور ظاہری صورت ہے اس کی معنوی اور باطنی صورت یہ ہے کہ سجدہ خالقِ کائنات کو کیا جاتا ہے۔ اور یہی مقصودِ عبادت ہے نہ صرف انسانوں کا بلکہ کائنات کی ہر شے کا۔ قرآن کہتا ہے کہ جو کچھ زمینوں

آسمانوں میں ہے خدا ہی کو سجدہ کرتا ہے۔

اس لیے اگرچہ سالک بظاہر تعظیم و تکریم و عرضِ مدعا مزار کو کرتا نظر آتا ہے۔ اصل اس کی یہ ہے کہ وہ اس روح کی سابقہ رہائش گاہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہوتا ہے اور یہ دستک ہے کیا؟ فاتحہ خوانی بطریق سنّت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اور عرضِ مدعا۔

آپ کو اکثر اپنے عزیز و اقارب یا احباب کے ہاں جانا پڑتا ہے۔ آپ جاکر دروازے پر دستک دیتے ہیں، زنجیر ہلاتے یا دروازے کو تھپتھپاتے ہیں مقصود زنجیر ہے نہ دروازہ۔ نہ وہ مکان۔ بلکہ مقصود و مطلوب اصلی اس مکان کا مکین ہے جو اس مکان میں رہائش پذیر ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھیں تو مقصود آپ کے دوست کا وہ جسم نہیں جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑا آپ سے ہمکلام ہے اور اندر تشریف لانے کی دعوت دے رہا ہے بلکہ مقصود اصلی اس کی روح ہے آپ کی روح آلات جسمانی کی وساطت سے اس کی روح سے ہم کلام ہے اور یہی اس ملاقات کی حقیقت ہے۔

یہی نکتہ مرد خود آگاہ کا زینۂ اوّل ہے۔ اس خود آگاہی کے بعد ہی شاعرِ مشرقؒ کے اس شعر سے صحیح طور پر لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

محکوم ہو سالک تو یہی اس کا ہمہ اوست
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مناجات

یہی وہ سرِّ عظیم ہے جسے مولائی و مرشدیؒ نے سرِّ دین فرمایا ہے اور یہ سرِّ دین یہ ہے کہ روح مقید جسم کی سرزمین میں یعنی قبرِ بشری

میں مدفون ہے۔ اس لیے میرزی رُوح فی الوقت عالم برزخ سے گذر رہا ہے۔ یہ راز کوئی چونکا دینے والا نہیں ہے۔ مجھے ارمغان حجاز میں خطاب بہ جاوید" کے عنوان سے متعلق ایک طویل نظم کا آخری شعر یاد آگیا حکیم الامتؒ بڑے ہی لطیف انداز میں اس قبرِ بشری یعنی جسم انسانی کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں

سِرِّ دین مصطفےٰ گویم تُرا
ہم بقبر اندر دعا گویم تُرا

حکیم الامتؒ کا ایک خاص شاعرانہ انداز ہے کہ مصرع ثانی میں مصرع اوّل کی خبر دیتے ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں آپ کے کلام میں ملتی ہیں مشہور شعر ہے۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

یعنی مصرع ثانی مصرع اوّل کی تقدیرِ امم کی خبر ہے۔

ارمغانِ حجاز کے اس شعر کا مطلب جو عام طور پر لیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ "اے میرے لختِ جگر (لختِ جگر سے مراد آپ کے بیٹے سے ہی نہیں بلکہ جو جوان طبقہ سے ہے) میں تمہیں دینِ مصطفےٰ کا ایک بھید بتاتا ہوں اور یہ کہ میں قبر کے اندر بھی تیرے لیے دعا کرتا رہوں گا" اس مفہوم سے ہر دو مصرعوں کا ربط ٹوٹ جاتا ہے اور مطلب بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصرع ثانی میں ہم بقبر اندر دعا گویم ترا مصرع اوّل میں سِرِّ دینِ مصطفےٰ کی خبر ہے۔

حرفِ مدعا جو حضرت علامہ ہم تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے

کہ "اے میرے لختِ جگر میں تمہیں دینِ مصطفوی کا ایک سرِ عظیم بتاتا ہوں اور وہ راز یہ ہے کہ میں فی الوقت یعنی بوقتِ تحریر اس جسمِ خاکی کی قبر میں تیرے لیے دعا کر رہا ہوں۔ یہ جو بظاہر جسمِ خاکی نظر آتا ہے۔ روح کی قبر بھی ہے۔ اور میری روح تیرے لیے اس جسم کی قبرِ حقیقی میں تیرے لیے دعاگو ہے۔

نہ کہ وہ قبر جس میں آپ کا جسدِ مبارک بائین شاہی مسجد تہہ خاک پڑا ہے اس قبر کا باسی تو تتلی بن کر اپنے ہلکے پھلکے جسم کے ساتھ خلا کے کھلے میدان میں جہاں کوئی اونچ نیچ نہیں محو پرواز ہے۔

بیج کو دوبارہ جی اٹھنے کے لیے زمین درکار ہے انسان کو دوبارہ جی اٹھنے کے لیے کشتِ وجود درکار ہے۔ قرآن حکیم میں ان ہر دو کو ارض کہا گیا ہے اور میت بھی اور مردہ زمین بھی۔ ہر دو کے دوبارہ جی اٹھنے کے لیے جیسے قرآن حکیم میں خلقِ جدید اور قیامت کے نام سے پکارا گیا ہے اور مولائی و مرشدی نے اسے تعمیرِ نو قرار دیا ہے ان میں ایک قدرِ مشترک ہے یعنی وجودِ اول کی مکمل تخریب۔ اس کے بغیر وجودِ ثانی یا تعمیرِ نو ممکن ہی نہیں۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں۔

ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریبِ تمام
ہے اسی میں مشکلاتِ زندگانی کی کشود

دانہ جب تک اپنی ہستی یعنی اپنے وجودِ اوّل کو مٹا نہیں دے گا وہ گُل و گلزار کے وجودِ ثانی سے کب سرفراز ہوگا۔ قرآن حکیم میں بیشتر مقامات پر اس امر کی تلقین کی گئی ہے اور اس پر زور دیا گیا ہے کہ انسان ہر اُگنے والی والی چیز پر کیوں غور نہیں کرتا جس طرح ہر اُگنے والی شے اپنے وجود سے زندہ ہو کر نکلتی ہے "کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ہ اسی طرح تم نکالے جاتے ہو اور

یہی قیامت ہے۔ ہم قیامت سے مراد صرف تخریب ہی لیتے ہیں۔ تعمیرِ نو کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔

جس طرح بیج میں مقید شعلۂ زندگی باہر نکل کر خود نمائی اور خود فضائی کے لیے تڑپ رہا ہے اسی طرح جسم انسانی میں شعلۂ زندگی جسے روح مقید یا روح مردہ کہا گیا ہے باہر آنے کے لیے مضطرب اور بے چین ہے۔ وہ بد بخت اور کوتاہ اندیش گروہ جس نے اس اضطراب اور بے قراری کو مرغوبات نفس اور حُبِّ دنیا کے دام میں لپیٹ رکھا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے۔ جو اس جسم کو ہمیشہ کے لیے چھوڑتے وقت عذابِ الیم کا شکار ہوگا۔

ہر ذی روح کی حیاتِ دنیا اس بیج کی مانند ہے جو خاک کی تاریکیوں میں پڑا تقاضائے فطرت کی مجبوری کے تحت نشو و نما کے لیے بے تاب ہو رہا ہو۔ کہ کب وہ اپنا سینہ چاک کر کے کشتِ وجود کی تاریکیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر کے ایک دوسری ہی وسیع و عریض دنیا کا نظارہ کرے۔ یہی دوبارہ جی اٹھنا ہے یہی قیامت ہے۔ شاعر مشرق رحمۃ اللہ علیہ نے بانگِ درا میں بعنوان "والدہ مرحومہ کی یاد میں" حیات بعد الممات سے متعلق واضح حقائق پر سے پردہ اٹھایا ہے۔

فرماتے ہیں۔

ذرّہ ذرّہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے　　　پردۂ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں　　　انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں　　　سبزہ و گل بھی ہیں مجبورِ نمو گلزار میں

نغمۂ بلبل ہو یا آوازِ خاموشِ ضمیر
ہے اسی زنجیر عالم گیر میں ہر شے اسیر

آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سرِّ مجبوری عیاں
خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے
ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات
ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں!
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

فطرتِ ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا

تخمِ گُل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے

سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں!
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا بقائے زندگی پاتا ہے یہ

ہے لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں

جوہرِ انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

خفتگانِ لالہ زار و کوہسار و رود بار ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمکنار
یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح مرقدِ انسان کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے
نورِ فطرت ظلمت پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

مولائی و مرشدی حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ان اشعار کے ساتھ بندہ مقدمہ کتاب کو ختم کرتا ہے۔

احقر العباد
محمد طاہر نقشبندی مجددی

باب

اَلقَبر وَالبَرزخ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(علامہ اقبالؒ)

سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۲۶ "قل اللہ یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم الی یوم القیامۃ لا ریب فیہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون" اے میرے محبوب آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن کی طرف اکٹھا کرتا ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن تم میں اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

موت و حیات اور قیامت کا مطلب اکثر لوگ نہیں جانتے

یہ آیت باری تعالے نے ہر زمانہ کے منکرین آخرت کو مخاطب کرکے کہی ہے وہ منکرین آخرت جن کا عقیدہ ہے کہ سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۲۴ "وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو دنیا کی زندگی ہی ہے کہ ہمیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ ہی مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں" یہ منکرین آخرت وہی بدبخت ہیں جو برملا کہتے ہیں سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۲۵ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ۔ اس کے جواب میں ہی سورۃ الجاثیہ کی آیت نمبر ۲۶ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تم کو زندہ کرتا ہے اور مارتا بھی وہی ہے۔ اور پھر قیامت کے دن کی طرف اکٹھا کرنا بھی۔ اسی کا کارنامہ ہے اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اکثر لوگ اس سے لاعلم ہیں۔ ڈاکٹر مرحوم کا ایک شعر حسب حال ہے۔

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انسان\
کہاں جاتا ہے آتا ہے کہاں سے

منکرین آخرت کی یہ دلیل کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ الجاثیہ آیت نمبر ۲۱: "جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ کیا ان کی زندگی اور موت ان لوگوں کی زندگی اور موت جیسی ہوگی جو نیک کام کرتے رہے۔ یہ لوگ بُرے دعوے کرتے ہیں"۔ پھر اسی سورۃ الجاثیہ آیت نمبر ۱۹۔ ۲۰ میں کھل کر طرفداری کا اعلان کر دیا "ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ قرآن تو لوگوں کے لیے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے"۔ یہ تو وہ منکرینِ آخرت ہیں جو سرے سے حیات بعد الممات کے قائل ہی نہیں۔

لیکن ہم لوگ جو بدل و جان اس عقیدہ پر قائم ہیں اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ، اس کے فرشتے اس کے رسول، اس کی کتابیں۔ یوم آخرت اور قدر خیر و شر یہ سب ایسے حقائق ہیں جنہیں تسلیم کرنا فلاح دارین ہے۔ ہم بھی موت و حیات اور قبر و قیامت کو ان معنوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں جن معنوں میں اسے اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نے لیا ہے۔ ہم میں ایسے مسلمانوں کی کمی نہیں جو مرنے جینے کے مفہوم سے ہی ناآشنا ہیں موت و حیات کی اس گتھی کو قادرِ مطلق نے قرآن حکیم میں سورہ عبس کی آیات نمبر ۱۷-۲۲ میں ایسے انداز میں سلجھا دیا ہے کہ اس سے بہتر ممکن ہی نہ تھا یہی چند واحد آیات ہیں جنہوں نے میرے جذبات کو اس کتاب کی صورت دی۔

یہ آیات بینات عظیم ترجمانی کی حامل ہیں اتنی عظیم کہ حیات بعد الممات سے

متعلق تمامتر شکوک وشبہات کا قلع قمع کر دیا ہے البتہ اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے اکثر و بیشتر مفسرین و مترجمین نے اس کا ایک سا ترجمہ کیا ہے اور ایک سی ہی تفسیر بھی۔ یہ آیات بڑی سادہ اور عام فہم ہیں یعنی "انسان کے لیے ہلاکت ہو۔ یہ کتنا ناشکرا ہے اسے کسی چیز سے پیدا کیا نطفہ سے اس کو پیدا کیا اس کا صحیح اندازہ کیا پھر اس کے لیے راستہ آسان کر دیا۔ پھر اسے مارا اور قبر میں گڑوا دیا (خود نہیں گاڑا) یا قبر میں رکھوا دیا (خود نہیں رکھا) پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ اٹھا کر کھڑا کرے گا۔

ثم اماته فاقبرہٗ حیات بعد الممات کو سمجھنے کی چابی ہے

سورہ عبس کی یہ آیات ۱۷ تا ۲۲ ملاحظہ فرمائیں ۔ قتل الانسان ما اکفرہٗ من ای شئ خلقہٗ من نطفۃ ۔ خلقہٗ فقدرہٗ ثم السبیل یسرہٗ ثم اماتہٗ فاقبرہٗ ثم اذا شاء انشرہٗ ۔ (القرآن) آیات کے ترجمہ سے حرف بحرف متفق ہے سوائے لفظ فاقبرہٗ کے ترجمہ کے ۔ سیدھی سادھی ماضی معروف کو عجیب سی ماضی مجہول میں بدل دیا گیا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے گڑوانے یا دفن کرانے یا قبر تک پہنچانے کا کام انسان سے لیا جو ناقابل فہم ہے میری دانست میں اس کا ترجمہ معمولی وضاحت کے ساتھ یوں مناسب تر تھا۔ "انسان کے لیے ہلاکت ہو یہ کتنا ناشکرا ہے اسے کس چیز سے پیدا کیا نطفہ سے پیدا کیا ۔ ماں کے پیٹ میں اس کی تخلیق کی ماں کے پیٹ میں ہی اس کی تقدیر لکھ دی پھر ماں کے پیٹ سے انتہائی تنگ راستے سے باہر دنیا میں لا کر اس کی مشکل آسان کر دی پھر اسے حوالہ موت کر کے خود قبر میں گاڑ دیا"۔

ثم السبیل یسرہٗ کی تفسیر بعض حضرات نے یہ فرمائی ہے کہ انسان کو خیر و شر کے ہر دو راستے دکھائے اور برے بھلے میں تمیز سکھا دی یہ وضاحت

اپنی جگہ درست سہی لیکن ماں کے پیٹ سے باہر آنے پر تنگ راستے کی آسانی میں
جو لفظ سبیل استعمال ہوا ہے اس کا استعمال انہی معنوں میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے جن
معنوں میں اس احقر نے کیا ہے یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کا مخصوص راستہ اور
وہ الفاظ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمائے تھے " ائنکم
لتاتون الرجال وتقطعون السبیل" یعنی تحقیق تم مردوں پر شہوت سے دوڑے
جاتے ہو اور قدرتی راستہ کو تم چھوڑ رہے ہو۔

لفظ سبیل کا مفہوم

اب آیئے پھر سورہ عبس کی آیات محولہ بالا کی طرف یہاں خَلَقَهٗ وَقَدَّرَهٗ
بھی ہو سکتا تھا یعنی اسکو پیدا کیا اور اس کی تقدیر لکھ دی اسی طرح اَمَاتَهٗ وَاَقْبَرَهٗ
بھی ہو سکتا تھا یعنی اسے مارا اور اسے قبر میں گاڑا لیکن خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ یہ ظاہر کرتا
ہے کہ جہاں تخلیق خدا کی طرف سے ہوگی وہاں تقدیر بھی اسی کی طرف سے لازماً ہو
گی۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ خالق کائنات تقدیر کے بغیر ہی تخلیق کر دے اسی طرح اماتہٗ
فاقبرہٗ بھی یہ ظاہر کرتا ہے موت اور قبر دونوں لازم و ملزوم ٹھہرے اور موت دینے
اور قبر میں ڈالنے کا کام بھی اسی کے ذمہ ٹھہرا۔ جہاں موت ہوگی وہاں قبر کا انتظام بھی
اسی کی طرف سے ہوگا جس نے موت دی۔

تخلیق اور تقدیر لازم ملزوم موت اور قبر لازم ملزوم

مفسرین و مترجمین و حواشی نگار حضرات
نے خدا معلوم اس انتہائی اہم نکتہ
کو کیوں نظر انداز کر دیا اور فاقبرہٗ
کا صحیح ترجمہ قبر میں گاڑ دیا کی بجائے گڑوا دیا یا دفن کرا دیا کیوں لکھا۔ غالباً انہوں
نے یہی سمجھا کہ ہم نے آج تک خدا کو مردے قبر میں گاڑتے نہیں دیکھا اس لیے بہتر ہے
کہ ترجمہ خواہ غلط ہو جائے قبروں میں گڑوانا یا دفن کرانے کا کام انسان سے ہی کرانا

بہتر رہے گا انہوں نے خدا کے سچے کلام کا اعتبار نہ کیا اپنی عقل پر بھروسہ کر لیا۔ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

حیران کن امر یہ ہے کہ قبر سے دوبارہ جی اٹھنے کا انتہائی اہم مسئلہ در پیش ہو۔ وہ مسئلہ جس پر آج بھی آدھی دنیا خصوصاً کمونسٹ بلاک یقین نہیں رکھتا وہ معاملہ جس پر کفار و مشرکین مکہ علانیہ یہ کہیں کہ آدم سے لے کر آج تک سب پیغمبر یہی کہتے رہے ہیں کہ انسان مر کر دوبارہ جی اٹھتا ہے لیکن ہم نے تو آج تک کسی کو مر کر زندہ ہوتے نہ دیکھا۔
الجاثیہ آیت نمبر ۲۵ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ۔

اور تو اور ہمارے اپنے چراغ تلے اندھیرا ہے ہمارے سائنس زدہ اشتراکی اذہان کے حامل بچے کھلم کھلا دوبارہ جی اٹھنے کو ایک ڈھونگ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔

خدا اپنے کام میں دوسرے کا محتاج نہیں

اس قدر بے یقینی کا عالم ہو اور حی لایموت کے علم میں یہ سب باتیں ہوں اور وہ ایک ایسے اہم کام کو جس کی وہ ذمہ داری لے چکا ہے اس کو انسان کے سپرد کر دے یعنی ماں کے پیٹ میں تخلیق اور تقدیر کا کام وہ خود کرے راستے کی آسانی وہ پیدا کرے مارنے کا کام بھی وہ خود کرے لیکن قبر میں گاڑنے کا کام وہ چھوڑ جائے حالانکہ اس کے اپنے کلام کے مطابق گاڑنے کا کام بھی اس نے خود کیا اور پھر دوبارہ جی اٹھنے کا کام بھی وہی کرے جو آج بھی ہو رہا ہے۔

صفات باری تعالیٰ کا احاطہ ناممکن ہے

حضرات! خدا کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مدنظر رکھیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

کہ اے اللہ تعالیٰ میں تیری تعریف و توصیف کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ خود جانتا ہے یعنی آپؐ نے صفات باری کے بارے میں مکمل عجز کا اظہار فرمایا کہ میرے احاطہ قدرت سے باہر ہے کہ میں کما حقہٗ تیری صفت کر سکوں۔ قرآن حکیم نے جو اپنے متکلم کے بارے میں کہا ہے وہ بھی سن لیں۔ سورہ لقمان آیت نمبر ۲۷ نمبر ۲۸: "اگر زمین پر کے کل درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو ایک سمندر کے بعد اور سات سمندر تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ بے شک اللہ زبردست حکمتوں والا ہے تم سب کا پیدا کرنا اور پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا۔"

انسان قبر میں گاڑنے کا دعویٰ کر کے خدا کا شریک بن بیٹھا ہے

یعنی سارے جہان کو مع اس کی مخلوقات کے پیدا کرنا اور فرد واحد کا پیدا کرنا۔ اس کیلئے دونوں برابر ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اتنا عظیم و برتر قادرِ مطلق دوبارہ جی اٹھانے کی پوری ذمہ داری قبول کرتا ہے سورۃ النجم آئت نمبر ۴۸: اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے۔ پیدائش دوسری وہ قرآن حکیم میں بار بار پکار پکار کر ڈنکے کی چوٹ کہے کہ تمہارا خالق میں ہوں۔ تمہاری تقدیر لکھنے والا بھی میں ہوں۔ تمہیں زندہ کرنے والا بھی میں ہوں۔ تمہیں مارنے والا میں ہوں۔ تمہیں قبر میں گاڑنے والا بھی میں ہوں۔ میرے لیے مشکل ہو محض اضافی حیثیت رکھتے ہیں تعجب ہے کہ میرا بنایا ہوا۔ میرا پیدا کیا ہوا انسان میرا شریک بن جائے اور اپنی کم فہمی بلکہ کج فہمی کی بنا پر زبردستی گورکن بن جائے ہیں تو اپنے جملہ امور میں کسی کا رائی بھر محتاج نہیں۔ میں انسان سے گورکنی کا کام کیوں لینے لگتا۔ مگر اللہ بھلا کرے ان مفسرین کا تاویل سے قرآن کو جو چاہیں بنا دیں۔ حکیم الامت نے فرمایا ہے۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پازند

خدا کا مُردوں کو قبر میں گاڑنے کا مطلب نہ سمجھنے پر علمار نے گاڑنے کا کام انسان کے سَر ڈال دیا

ایک تو ترجمہ میں ہیرا پھیری۔ وہ بھی جان بوجھ کر محض اس خاطر کہ یہ لوگ اس راز کو سمجھ نہ سکے کہ خدا بذات خود مُردوں کو قبر میں کس طرح گاڑتا ہے صرف اس لیے کہ یہ اس موت کو نہ پا سکے جو خدا تعالےٰ ہمیں اس دنیا میں دے کر بھیجتا ہے ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ خدا کے ہاں سے ہمیں پروانہ موت جاری ہو چکا ہے تاریخ اور وقت کا تعین بھی ہو چکا ہے جو کسی وقت بھی ہو سکتا ہے ان کا ذہن اس حقیقت کو بھی نہ پا سکا کہ انسان اس دنیا فانی میں آکر زندگی کے دن پورے نہیں کرتا موت کے دن پورے کرتا ہے کیونکہ موت یقینی چیز ہے۔ وہ زندگی جس پر موت کا سایہ ہمہ وقتی ہو زندگی نہیں کہلا سکتی۔ کون ان باتوں کا پیچھا کرے اور کیوں انسان ان آیات کی خاطر غور و فکر کی بھٹی میں جلے اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ ترجمہ گول مول کر دو۔ ڈاکٹر مرحوم کا شعر کیا حسب حال ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اگر قبر میں گاڑنے کا کام انسان سے ہی لینا تھا تو انسان کی کھودی ہوئی قبریں سب کو ملتیں۔

اس سے بھی زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہی فرمان خداوندی ہوتا کہ انسان ہی قبروں میں گاڑنے کا کام کرے تو پھر یہ کام ادھورا اور نامکمل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آدھی دنیا کے مردے آگ کی بھینٹ چڑھ جائیں ان کی راکھ تک کو پہاڑوں کی چوٹیوں اور مقدس دریاؤں کی نذر کر دیا جائے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر ڈوب مرنے والوں کی لاشیں تک دستیاب نہ ہوں۔

بلکہ کو درندے جنگلوں میں نوچ پھاڑ کھائیں ان کو انسان قبریں ہی مہیا نہ کر سکے۔
علمار کرام سے رجوع کیا جائے تو وہ فرمائیں یہاں! قبر سے مراد وہ گڑھا ہی نہیں ہے جس میں انسان کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر ایک ہی قسم کی نہیں کئی اقسام کی ہونگی۔ کوئی درندوں کے پیٹ سے جی اٹھے گا۔ کوئی دریا یا سمندر کی تہہ سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ یہاں سورہ انعام کی آئت نمبر ۳۸ کا حوالہ ناگزیز ہو گیا ہے آئت کا ترجمہ ہے" کوئی چلنے والا جانور۔ دو بازو سے اڑنے والا پرندہ زمین میں ایسا نہیں ہے بلکہ تم آدمیوں کی طرح وہ بھی امتیں ہیں ہم نے کتاب میں کوئی چیز لکھنے کو نہیں چھوڑی۔ پھر وہ اپنے رب کی طرف اکٹھا کیے جائیں گے۔
چند ایک تفاسیر اور حواشی جو میری نظر سے گذرے ہیں کسی رب کے بندے نے اس آئت پر ایک لفظ تک نہیں لکھا۔ اس آئت کا مفہوم کوئی چیستان تو نہیں۔ اللہ تعالٰے نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ کوئی بھی چلنے والا جانور یا اڑنے والا پرندہ دنیا میں ایسا نہیں ہے جسے مرنے کے بعد خدا کے حضور حاضر نہیں ہونا ہے۔

زمین پر چلنے والے اور فضا میں اڑنے والے پرندے مرنے کیعد سب دوبارہ زندہ ہونگے۔ علمار نے اس حقیقت سے عمداً پہلوتہی کی

جن حضرات نے ان آیات کی وضاحت سے عمداً گریز کیا ہے انہوں نے اپنے حساب سے دور اندیشی یہ کی ہے کہ جب ان جانوروں اور پرندوں کا بعد از مرگ خدا کے حضور حاضر ہونا ثابت ہو گیا تو پھر ان کی قبر اور عالم برزخ کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ جزا سزا کا مسئلہ حل طلب ہوگا اور ہم لوگ جو سیدھی بات ہے عالم قبر و برزخ کی مدت کا صحیح طور پر تعین ہی نہیں کر سکے ان کو تسلی

بخش جواب کیسے دیں گے وہ تو ہمارے پاس دور دور تک نظر نہیں آرہا۔ ہم خود اپنی تسلی نہیں کر سکے ان کی تسلی کیسے کرپائیں گے اس لیے فلاح اسی میں ہے کہ اس مسئلہ کو ہاتھ تک نہ لگاؤ اور جوں کا توں ہی پڑا رہنے دو۔ اللہ مالک ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب نے اسکی تصدیق کی ہے

صرف حضرت مولٰنا احمد رضا خاں رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی مختصر سی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے

کہ "منجملہ دیگر مطالب کے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ یہ بھی دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔ حضرات یہ خدائے بزرگ کا عظیم کلام ہے مطلب بالکل واضح ہے حدیث شریف ہے کہ اگر ایک بکری سینگ مارے گی تو اس کا حساب بھی چکایا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ زمین پر چلنے والے جاندار اور فضا میں اڑنے والے پرندے بکو دوسری زندگی ملے گی اور وہ اپنے رب کی طرف جائیں گے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ جانور بھی عالم برزخ سے گذریں گے۔ قبر کو جن عام معنوں میں لیا گیا ہے۔ یعنی انسان دا دفیر وہ تو ان بے چاروں کو نصیب ہی نہیں ہوتی۔ یہ اپنا اپنا عالم برزخ کہاں کہاں گذاریں گے اور کن قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

ایک مضحکہ خیز صورتحال

سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی کو جنگل میں درندے پھاڑ کھاتے ہیں کچھ کو شیر نے اور باقی ماندہ کو بھیڑیوں، گیدڑوں اور چرخوں نے ہڑپ کرلیا۔ وہ آدمی کس کس قبر سے اٹھایا جائے گا یا یہ کہ اللہ تعالٰی نے پہلے ان درندوں کو حیات نو بخشے گا۔ جنہوں نے آدمی کی تکا بوٹی کی۔ پھر ان کے مونہوں سے بوٹی بوٹی اگلوا کر اور انہیں اکٹھا کر کے مرحوم میں روح پھونکی جائے گی اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ تو بڑا طویل اور ناقابل فہم پروسیجر ہے۔ شارٹ کٹ صورت جو اسراع

المحاسبین کے شایانِ شان ہے کہ گوشت پوست تو درندے چٹ کر گئے اور روح کو دوسرا جسم عطا ہو گیا۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔

اور اگر خدا نہ کرے یہی نسخہ ہم پر بھی آزمایا گیا تو پھر ہمیں اپنی خیر منانی چاہیے ہم مسلمانوں نے خصوصاً اپنی زندگی میں ہزاروں دنبے دنبیاں۔ بکرے۔ بکریاں۔ مرغ۔ مرغیاں اور تیتر بٹیر بھون بھون کر کھاتے ہیں وہ کس کس جسم سے اٹھائے جائیں گے۔ ایک بکرے کو بیسوں آدمی کھانے والے ہیں۔

خدا کے اصول ہمہ گیر ہیں مقامی نہیں

قارئین کرام! ایک بات یاد رکھیں بلکہ پلے باندھ لیں اور کسی حال میں بھی اسے نہ چھوڑیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالٰے کے اپنے اصولوں کو ہم لوگ اپنے وضع کردہ اصولوں کے ہم پلہ اور اس معیار کا نہ سمجھیں ہم اس قادر مطلق کی فطرت کو اپنی فطرت اور عادات پر قیاس نہ کریں خالق اور مخلوق کی فطرت میں بڑا فرق ہے بھائی۔ اس کے اصول ہمہ گیر ہیں۔ مقامی نہیں۔

سب انسانوں کی پہلی پیدائش ایک ہی طرح سے ہوتی ہے

کوئی شمال کا ہو یا جنوب کا۔ مشرقی ہو یا مغربی۔ قطب شمال کا اسکیمو ہو یا کانگو کے گھنے جنگلات کا بونا۔ گورا ہو یا کالا کسی حیثیت یا کسی معیار کا انسان ہو۔ پیغمبر ہو یا دہریہ۔ ان سب کے لیے دنیا میں آنے کا یعنی پیدائش کا اس نے ایک طریق کار وضع کر رکھا ہے۔ ایک راستہ مقرر کر دیا ہے یعنی ماں کے پیٹ سے باہر آنا اور ہم بڑے وثوق سے آئندہ کے لیے بھی اس کی توثیق کر سکتے ہیں یہ اصول انسانی پیدائش کے سلسلہ میں اس کا ایک مستقل اور ناقابل تغیر اصول ہے۔

اگر پہلی پیدائش ایک سی نہ ہوتی تو دوسری پیدائش میں رنگا رنگ قبروں سے اٹھنا تعجب خیز نہ ہوتا

آخر وہ انسان کو دوسری پیدائش دینے کے سلسلہ میں جو ایک نیچرل پروسیس ہے وہ اپنے اس وضع کردہ اصول کی کیوں پیروی نہ کرے گا۔ وہ کیوں نہ سب کو ایک جیسی قبر سے ہی اٹھائے گا اور کیوں نہ ایک جیسی قبر مہیا کرے گا یہ بات اس کی فطرت کے خلاف جاتی ہے کہ وہ مختلف النوع قبور سے مردوں کو زندہ اٹھائے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر پہلی پیدائش کا طریق کار یکساں نہ ہوتا بلکہ رنگا رنگ کا ہوتا۔ یعنی کوئی زمین سے اگتا۔ کوئی درخت سے پھل کی صورت میں ٹپک پڑتا۔ کوئی سمندر سے سر باہر نکالتا تو ہم یہ بات طے کرنے میں حق بجانب ہوتے کہ انسان کی دوسری پیدائش بھی پہلی پیدائش کی طرح کی ہوگی۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ ایسا کر بھی سکتا تھا۔ لیکن اسے یہ طریقہ پسند نہ آیا۔ کیونکہ یہ طریقہ موجودہ طریقہ سے کسی صورت میں بھی احسن تر نہ ہوتا۔ کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہے کہ کائنات کی موجودہ صورت سے بہتر صورت ممکن نہ تھی۔

جسم انسانی روح کی قبر ہے اسلئے ہم عالم برزخ سے گزر رہے ہیں

وہی ہمہ گیر اصول جو خدا نے انسان کو پہلی پیدائش میں بلا امتیاز رنگ و نسل سب کے لیے وضع کیا ہے اسی قسم کا ہمہ گیر اصول انسان کی دوسری پیدائش کے سلسلہ میں بھی بلا امتیاز رنگ و نسل ناگزیر ہے کہ سب مخلوق اسی قبر سے اٹھائی جائے جو اللہ تعالےٰ نے فاقبرہٗ کے تحت سب کو دے کر بھیجا ہے بلکہ خود خدا کے اپنے لفظوں ثم اماتہٗ فاقبرہٗ کے تحت انسان کو حوالہ موت کر کے قبر میں گاڑ کر دنیا میں بھیجا ہے اور انسان اس دنیا میں موت کے دن پورے کر رہا ہے

اور وہ قبر کون سی ہے جو خدا نے سرزمی روح کو عطا کی ہے وہ یہی آپ کا جسم ہے جو آپکی روح کا مسکن و مدفن ہے جو آپ کی روح کی جائے رہائش بلکہ یوں کہیے کہ غریب خانہ ہے یہ ایک بڑی ہی سیدھی سی اور عام فہم بات ہے یہ امر حیران کن ہے کہ شعرائے کرام جسم انسانی کو قفس اور پنجرہ کہہ لیں اور روح کو پرندہ اور موت کے عمل کو طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا کہہ لیں تو آپ واہ واہ کر اٹھیں لیکن اگر خالق کائنات جسم انسانی کو قبر کہہ دے تو آپ سر کھجلانا شروع کر دیں ۔

جب آپ دنیا میں آئے تو احاطہ موت میں داخل ہو گئے جب آپ دنیا سے چلے گئے تو آپ کی قیامت ہو گئی ۔

یاد رکھیے ہم دنیا میں نہیں جیتے نہ ہی دنیا میں مرتے ہیں ہمارے جملہ امور اسی جسم کی سرزمین سے وابستہ ہیں یہ مصدر وجود جملہ افعال و اعمال کو جنم دیتا ہے ہم اسی ارض جسم میں جیتے ہیں اسی جسم میں مرتے ہیں اور اسی جسم کی سرزمین سے دوبارہ اٹھا کھڑا کیے جائیں گے لیکن کب! موت کے فوراً بعد فوراً سے بھی پہلے اس کے لیے آپ کو ہزاروں سال تک ویٹنگ لسٹ میں نہ رکھا جائے گا اور انتظار اس لیے نہ کرنا پڑے گا کہ آپ فی الوقت جسم کی قبر میں پڑے عالم برزخ سے گذر رہے ہیں اور عالم برزخ عالم آخرت کا حصہ ہے اور آپ کا آخری سانس ختم ہوا ادھر آپ کو دوسرا روحانی جسم عطا ہو گیا اور یہی آپ کی قیامت ہے ۔

یعنی ایک جسم مردہ سے دوسرا زندہ جسم خارج ہو گیا یہی آپ کا ہم سب کا یوم الخروج ہے اسے ہی قبروں سے نکلنے کا دن کہتے ہیں جو مر گیا اس کی قیامت ہو گئی۔ حدیث شریف کے الفاظ نوٹ کر لیجیے "وَاِنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قیامتہٗ" یہ مشکوٰۃ شریف کے باب القیامت کے صفحہ اول کا عنوان ہے یعنی جو مر گیا اس کی قیامت ہو گئی۔"

مصائب و تکالیف عذابِ قبر ہیں

اب آپ خود اپنی عقل و خرد سے اس عذاب قبر کا تعین کر لیجئے جو انسان پر مختلف النوع مصائب اور تکالیف کی صورت میں وارد ہوتا ہے یہ کوئی فلسفہ کی بات نہیں خدا نے قرآن حکیم میں ایک بار نہیں کئی بار دنیاوی مصائب کو عذاب دنیا قرار دیا ہے سورۂ توبہ آیت نمبر ۷۴ "اور اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر رُوگردانی کریں تو اللہ تعالےٰ انہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب دے گا۔ اور اپنے لیے روئے زمین پر کوئی دوست اور مددگار نہ پائیں گے" سورۃ الرعد آیت نمبر ۳۴ "ان کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی عذاب ہے سخت۔ اور سوائے اللہ کے ان کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے"

اس دنیا میں عذاب کی ہر ورائٹی موجود ہے

اس دنیا میں مصائب و تکالیف یعنی عذاب کی ہر ورائٹی موجود ہے اس حیات دنیا میں جسے خدا نے ہمارے سمجھانے کے لیے حیات دنیا کا نام دے رکھا ہے خدا کی نگاہ میں ملائکہ کی نگاہ عالم امر والوں کی نگاہ میں عالم برزخ ہے اسی برزخ کے بعد وہ آخری ساعت آئے گی جب آپکے موجودہ جسم سے ایک اور روحانی جسم خارج ہوگا اور آپ نومولود جسم کے ساتھ پرانے جسم سے فارغ ہو جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ اب آپ اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہونگے کہ یہی جسم خداداد قبر ہے جو ہر کہ ومہ کو بلا امتیاز ملتی ہے اور یہی وہ قبر ہے جس کا ذکر سورہ عبس میں مارنے کے بعد گاڑنے کا کہا گیا ہے نہ کہ اس قبر کا ذکر جو حضرت انسان نے زبردستی اپنے ذمہ لے رکھی ہے یہی وہ قبر ہے جس کے بارے میں سورۃ یٰس آیت نمبر ۵۵ میں ذکر کیا گیا ہے" اور جس وقت صور پھونکا جائے گا۔ یہ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی

طرف دوڑ پڑیں گے اور کہیں گے اے ہے! ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے جگا دیا
نفخ صور کی مکمل وضاحت باب الصور میں تفصیلاً بیان کر دی گئی ہے۔

یاد رہے ہماری روح ہمارے اجسام میں محوِ خواب ہے یہ جسم اس کی خواب گاہ بھی ہے آرام گاہ بھی۔ مدفن بھی۔ قبر بھی۔ برزخ بھی۔ یہ جسم روح کا ایک نقاب ہے ایک حجاب ہے ایک برزخ ہے پس پردہ کوئی بول رہا ہو، تو پردہ تو مصروف کار نہیں ہوتا۔ ہاں جب بولنے والا پردے سے باہر آجائے تو سب کو اس حقیقت کا علم ہو جاتا ہے کہ یہ برزخ کا پردہ تو محض ایک بہانہ تھا۔ اصل بات تو کچھ اور تھی۔

جسم انسانی کے مختلف نام

قرآن حکیم میں اس برزخ کے کئی نام یعنی اس جسم انسانی کے کئی نام ہیں۔ کتاب۔ کتاب اللہ۔ قرآن۔ ارض۔ شجر۔ مکان قریب۔ میت۔ موتیٰ۔ قبر۔ قبور۔ سفینہ۔ قریہ مرقد۔ اجداث۔ حرث۔ بلد۔ بلد الامین۔ یہ الفاظ عام معنوں میں بھی مستعمل ہیں۔

سورہ یٰسین آیت نمبر ۱۲ "تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں موتیٰ کو۔ اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال جن کو یہ لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال جو اپنے پیچھے چھوڑتے جاتے ہیں اور ہم نے سب کچھ واضح کتاب میں لکھ رکھا ہے" سورہ حج آٹھواں رکوع: "اور یہ کہ قیامت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اٹھاتا ہے قبر میں پڑوں کو" سورہ انفطار ساتواں رکوع "جب قبریں اٹھائی جائیں یعنی جسم انسانی میں مقید پڑی روح کو دوسرا جسم دے کر باہر نکالا جائے۔

ہمیں پروانہ موت جاری ہو چکا ہے اسلیئے ہم موتیٰ کہلانے کے مستحق ہیں

حاصل کلام یہ کہ ہمیں جہاں جانا ہے وہ وہی جگہ ہے جہاں سے ہم نے جسم سفلی میں نزول کیا اور دنیا میں اسفل السافلین کہلائے۔ ہماری اس دنیاوی زندگی

کی اوسط ساٹھ پینسٹھ سال ہے لیکن ہمارا وہ اصلی وطن جہاں سے ہمیں جلاوطن کیا گیا ہے وہاں ابدی زندگی ہے جو سینکڑوں نہیں ہزاروں لاکھوں سال پر محیط ہو سکتی ہے اس غیر مختصر دور حیات اُخروی کے مقابلہ میں ہماری یہ عالم اجسام کی زندگی کیا وقعت اور کیا حقیقت رکھتی ہے لفظ میت کو جو ہم نے سمجھا ہے کہ جب جان ہوا ہو گئی تو ہم میت ہو گئے لیکن عالم امر والوں کی نگاہ میں ہم ان قیدیوں کی مانند ہیں جن کی سب اپیلیں نامنظور ہو کر پروانہ موت جاری کر دیا گیا ہو۔ تاریخ اور وقت کا تعین بھی ہو گیا ہے۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے اور کورانہ تقلید نہ کی جائے نیز اسے اپنی انا کا مسئلہ نہ بننے دیا جائے اور اپنے محدود سے علم کو حجابِ اکبر سے محفوظ رکھا جائے تو سورۃ یٰس آیت نمبر ۱۲ میں لفظ موتیٰ ہم انسانوں پر منطبق ہوتا واضح نظر آتا ہے: "بے شک ہم مُردوں (موتیٰ) کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال جن کو یہ لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو یہ پیچھے چھوڑتے جاتے ہیں"۔ اس آیت کا اکثر حضرات نے یوں ترجمہ کیا ہے "بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے جاتے ہیں ان کے وہ اعمال جو وہ آگے بھیجتے اور وہ اعمال جو وہ پیچھے چھوڑتے ہیں"۔ حالانکہ مردوں کو زندہ کرنے کا کام آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہو گیا تھا۔

قبر یا قبور کا لفظ قرآن حکیم میں کن معنوں میں استعمال ہوا ہے

آیئے اب دیکھیں کہ لفظ قبر، قبور یا اجداث جو جدث کی جمع ہے جو قبر کے معنوں میں آتا ہے قرآن حکیم میں ان کا کہاں کہاں استعمال ہوا ہے قبر کا لفظ صرف ایک بار سورۃ توبہ میں آتا ہے یہ وہ سورت ہے جس میں منافقین سے انتہائی بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے بلکہ اس سورۃ کا آغاز ہی لفظ بیزاری سے کیا گیا ہے اس وقت منافقین صاحب ثروت اور تن آسان تھے جہاد میں شمولیت سے کسی نہ کسی بہانے

انکار کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو فرمایا کہ یہ لوگ اگر آپ کے ساتھ جہاد کے
لیے تیار بھی ہو جائیں تو ان کو ساتھ لے جانے سے قطعاً انکار کر دیں۔ بلکہ اگر ان میں
سے کسی کو موت آجائے تو نہ تو ان منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنا بلکہ ان کی قبر پر جاکر
کھڑے ہونے کی بھی اجازت نہیں۔ سورہ توبہ آیت نمبر ۸۳۔۸۴ "پھر اگر خدا تم کو ان
میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے نکلنے کی اجازت طلب کریں
تو کہہ دینا تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے۔ اور نہ میرے ساتھ (مددگار ہو کر) دشمن
کے ساتھ لڑائی کرو گے تم پہلی دفعہ بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے تو اب بھی پیچھے بیٹھے
رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اور اے پیغمبر اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس
کے جنازے پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جاکر کھڑے ہونا" اس آیت میں ں
عام قبر کا ذکر کیا گیا ہے جس میں انسان میت کو دفن کرتا ہے۔ ان آیات میں دو
مسائل بڑے واضح ہیں ایک تو یہ کہ منافقین کی نماز جنازہ سے پیغمبرؐ کو منع فرما دیا گیا ہے
دوسری بات جو بڑی نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ انسان کی بنائی قبر اس لحاظ سے بڑی
اہم ہے کہ ان پر کھڑے ہو کر یعنی ان کے پاس کھڑے ہو کر ارواح کو پڑھ کر بخشنا عالم
آخرت میں (برزخ میں نہیں کیونکہ وہ برزخ کا زمانہ تو خدا داد قبر میں گزار کر عالم
آخرت کو جاتے ہیں) ان کے لیے وجہ مسرت و سکون بنتا ہے اور باعث مغفرت
بھی۔ اس آیت میں تو اس قبر کا ذکر ہے جو انسان کی کھودی ہوئی ہے اور جو ہر کسی کو
کبھی نہیں ملتی۔ یہ قبر کسی کو ملے یا نہ ملے اس سے کافر و مومن کی کوئی وجہ پہچان
نہیں۔ ہو سکتا ہے جس کو یہ قبر نصیب نہ ہو وہ جنتی ہو اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ
جس کو مل جائے وہ جہنمی ہو۔ مومن و کافر اور جنتی و جہنمی کا تعلق اس کے اعمال اور
اقرار توحید و رسالت و آخرت پر ہے۔ نہ ہی یہ وہ قبر ہے جس سے انسان بروز
قیامت (جو ہر مرنے والے پر اسی وقت گزر جاتا ہے) اٹھایا جاتا ہے۔

جسم انسانی روح کا ایک شاندار مقبرہ ہے

آیئے اب ان قبور واجداث اور مرقد کا ذکر کریں جو اللہ تعالےٰ نے اپنی روح سے پھونکی ہوئی روح کو ایک شاندار مقبرہ کی صورت میں عطا کی ہے آپ کا جب کسی قبر پر سے گذر ہو خواہ وہ نہایت خستہ حالت میں ہو یا ایک عالی شان مزار کی صورت میں، آپ کو اس امر کا یقین کامل ہوجاتا ہے کہ اس میں ایک ایسا جسد بے روح دفن ہے جو بذات خود کبھی روح کا مدفن تھا اور یہ مزار یا قبر ایک نشان یادگار کے طور پر ہے ایسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر جب آپ کسی زندہ انسانی جسم کو دیکھیں خواہ وہ زندگی کے کسی درجہ میں ہو یعنی طفلِ شیر خوار سے عمر پیری تک پہنچا ہوا ہو۔ آپ اس جسم کو روح کی قبر یا مرقد سمجھیں۔ اور یقین کریں کہ یہ وہی مرقد یا قبر ہے جس سے ہمارا دوسرا روحانی جسم خارج ہوکر اس جسم کو ہمیشہ کے لیے فارغ کردے گا۔ اور اس میں روح کا دوبارہ داخلہ خدا تعالےٰ کے لفظوں میں ایک لغو اور بے ہودہ بات ہوگی۔ حکیم الامت مرحوم نے ایسی قیامت سے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے جو دوبارہ روح کو پھر وہی مادی جسم دے جس کا غلاف اور نقاب وہ ایک دفعہ ترک کرچکا ہے فرماتے ہیں۔

ہو روح پھر ایک بار سوارِ بدنِ زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

موت و قیامت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے

موت وحیات کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے خدا تعالیٰ کے نزدیک اور عالم امرداوں کے نزدیک انسانی موت کا آغاز پہلے

سانس سے ہی شروع ہوجاتا ہے اور انسان کے نزدیک آخری سانس کے خاتمہ کے ساتھ موت وقوع پذیر ہوتی ہے جس بنا پر باری تعالےٰ نے انسان کو میت میتون اور موتیٰ فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان پہلے سانس سے ہی مدت مرگ یا حلقہ موت میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کے لیے موت یقینی ولابدی ہوجاتی ہے اور آخری سانس کے خاتمے کے ساتھ ہی اس کا دوسرا روحانی جسم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سابقہ جسم کو فارغ کر دیتا ہے اور یہی قیامت ہے۔ پہلے سانس سے آخری سانس کا درمیانی زمانہ جسے ہم حیات دنیا کہتے ہیں دراصل عالم برزخ ہے کیونکہ ہم خدا کی طرف سے ثم اماتہٗ فاقبرہٗ کے تحت حوالہ موت ہوکر قبر میں خدا کی طرف سے گاڑے جاچکے۔ الحاصل ہم چونکہ اس دنیا میں پابند موت ہیں۔ پابند حیات نہیں اس لیے ہم موتیٰ، میت اور میتون قرار پائے (بقول حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

قرآنی آیات جن میں قبر، قبور، اجداث و مرقد کا استعمال ہے

آیئے اب وہ آیات لیں جو موتیٰ، اجداث قبور اور مرقد کی حامل ہیں۔

۱۔ الحج ۵ تا ۷! لوگو اگر تم کو (مرنے کے بعد) جی اٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو پہلی بار بھی پیدا کیا تھا۔ ابتدائی مٹی سے پھر اس سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی تاکہ تم پر اپنی خالقیت ظاہر کر دیں۔ اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض قبل از پیری مرجاتے ہیں اور بعض بڑھاپے کی نہایت خراب عمر کی طرف

لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہوجاتے ہیں (یاداشت کے لحاظ سے) (یہ تو جسم انسانی سے اگلا ہوا اب زمین کی نباتات کا ذکر شروع ہوتا ہے اور تو دیکھتا ہے کہ ایک وقت میں زمین خشک پڑی ہوئی ہے (رحم مادر کی طرح بالکل خالی) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں (رحم میں منی ٹپکانے کی مانند) تو وہ زرخیز ہوجاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے (قرار حل کے بعد پیٹ ابھرنا شروع ہوجاتا ہے) اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے (ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ) خدا ہی قادر مطلق ہے جو برحق ہے اور کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا سب لوگوں کو قبروں میں سے جلد اٹھائے گا۔"

۲۔ فاطر ۲۲ - ۲۹ "خدا جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے تم ان کو جو قبروں میں دفن ہیں نہیں سنا سکتے تم تو صرف ڈرانے والے ہو۔"

اس آیت میں قبروں میں دفن سے مراد جیساکہ واجب الاحترام، احسن اصلاحی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ قبروں میں ہیں سے مراد ان کی صلاحیتوں سے ہیں جو مردہ ہوچکی ہیں۔

۳۔ سورہ قمر ۲-۹ : اور جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش خبر (قیامت) کی طرف بلائے گا۔ تو آنکھیں نیچی کئے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں اس بلانے والے کی طرف مائل بہ پرواز ہونگے۔ کافر کہیں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔

ان آیات میں اس قبر کا ذکر ہے جس میں سے دوبارہ اٹھایا جائے گا اس میں اسی قبر خداداد کا ذکر ہے جس سے ان کا روحانی جسم خارج ہوکر خدا کے حضور پہنچے گا۔

۴۔ الممتحنۃ ۱۳:۱ "مومنو! ان لوگوں سے جن پر خدا غصہ ہوا ہے۔ دوستی نہ کرو کیونکہ جس طرح کافروں کو مردوں کے جی اٹھنے کی امید نہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت کی امید نہیں" مردوں کا دوبارہ جی اٹھنا اور عالم آخرت لازم ملزوم ہیں۔ ان آیات میں بھی انہی قبور کا ذکر ہے جو باری تعالےٰ نے بصورت جسم انسانی ہر شخص کو عطا کی ہے۔"

۵۔ المعارج: "اس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں (پوری رفتار سے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ذلت ان پر چھا رہی ہو گی۔ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے دوسرا روحانی جسم مائل بہ پرواز ہو کر عالم بالا کی طرف جائیں گے۔

۶ العادیات ۹ تا ۱۱: کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا۔ کہ جو مردے قبروں میں ہیں نکال لیے جائیں گے۔ اور جو بھید دلوں میں ہیں ظاہر کر دیئے جائیں گے" ان آیات میں بھی اسی قبر کا ذکر ہے یعنی جسم انسانی جس کی موت کے فوراً بعد اسے دوسرا جسم اس کے اعمال نامہ سمیت مل گیا اور یہی وہ ملائکہ کی وساطت سے خدا کے حضور لے کر پہنچے گا۔

۷ سورہ یسین ۴۹ تا ۵۲: "یہ تو ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو ان کو اس حال میں کہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے آن پکڑے گی۔ پھر نہ تو وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ ان گھر والوں میں واپس جا سکیں گے اور جس وقت صور پھونکا جائے گا۔ یہ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف چل پڑیں گے"۔ ان آیات میں بھی موت وحیات کا ذکر ہے اور قبروں سے مراد وہی خداداد قبر ہے جس سے دوسرا جسم روحانی خارج ہو گا۔

موت خواہ کسی صورت میں ہو روحانی جسم اپنے پہلے جسم سے الگ ہو جاتا ہے۔

موت خواہ کسی صورت میں ہو حادثاتی ہو یا بستر مرگ پر۔ خواہ امریکہ کے چیلنجر کے سات خلا بازوں کی طرح زمین سے دس میل اوپر فضا میں ان کے جسموں کا قیمہ بن کر فضا میں بکھر جائے ۔ موت کے واقع ہونے کے ساتھ ہی دوسرا جسم فی الفور جدا ہو جائے گا حقیقتاً یہ ایک نیچرل پراسس ہے جس کا مذہب غیر مذہب گورے کالے اچھے، بُرے موحد و ملحد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ فرق پڑتا ہے تو اس کے اعمال اور عقائد کا ۔ اس کی دوسری ابدی زندگی پر۔ الحاصل اس دنیا میں جو بھی مر جائے گا ۔ ساتھ ہی ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر موت پر ہمیشہ کے لیے فتح پا کر اٹھا جائے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ اسے ویٹنگ لسٹ میں قیامت کے انتظار میں رکھا جائے۔ خدا تعالیٰ حساب میں نیز تر ہے اس نے خود کو اسرع الحاسبین کہا ہے وہ ساتھ کے ساتھ اپنا کام بھگتاتا جاتا ہے ۔ اِدھر ایک پرانا جسم لیا تو اس کے بدلے ایک خوبصورت نیا جسم حوالے کر کے چلتا کیا اور یہی قیامت ہے۔

اپنے محبوبؐ کو عالم بالا کی سیر کرانے والا انہیں قیامت تک انسان کی کھودی قبر میں نہیں رکھ سکتا۔

حیرت اندر حیرت ہے کہ ایک طرف تو خالق کائنات اپنے حبیب کے ہجر و فراق میں جبرائیلؑ کو براق کی باگ تھما کر اپنے ہاں مدعو کرے۔ عالم بالا میں استقبال کی تیاریاں ہوں ۔ ملائکہ مقربین اور انبیاء کرام سے ملاقاتوں کا اہتمام کر دیا جائے۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نکل کر راز و نیاز کی باتیں ہوں۔ دوسری طرف جب خدا تعالیٰ اپنی تمام تر نعمتیں پوری کر کے اپنے اسی محبوب کو اپنے ہاں بلانے کی بجائے مدینہ شریف میں دفن کرا دے کہ اب تا قیامت

بری ملاقات کے لیے اس عالم برزخ میں پڑے انتظار جاری رکھو سو چیخیں نکل جاتی ہیں
بڑی عجیب وغریب دوستی ہے اور درجہ محبوبی کی بڑی اچھی لاج رکھی مولائے کل نے ۔
یہ باتیں میں نہیں آپ کا عقیدہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والا قیامت تک انسان کی کھودی ہوئی قبروں میں اپنا عالم برزخ گزارے گا اور پھر دوبارہ قیامت کے روز اپنے اسی سابقہ مادی جسم کے ساتھ زندہ ہو جائے گا۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے اس عقیدے سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں

ہو روح پھر اک بار سوارِ بدن زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

مطلب آپ کا یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ ان سے تو حضرت عیسٰی اچھے رہے کہ خدا انہیں زندہ آسمان پہ اٹھا لے اور اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم بالا کی سیر کرانے کے بعد پھر محبوس زندان گور کر دے۔ کہ قیامت کا انتظار کریں ۔ واہ۔ واہ۔
لیکن جو کچھ درحقیقت عمل میں آیا وہ یہ ہے کہ موت کے پل نے دوست کو دوست سے اور رفیق کو رفیق اعلےٰ سے فی الفور ملا دیا ۔ روح اس روح اعظم سے جا بغل گیر ہوئی مادی جسم مشک بار کو مدینہ شریف میں ہمیشہ کے لیے نشانِ منزل قرار دیا کہ امت مسلمہ یہاں آئے اور اس رابطہ اطہر سے سعادت دارین حاصل کرے۔
ہمارے عیسائی بھائی اس بات کو نوٹ کر لیں کہ فطرت اللہ یہ ہے کہ وہ مرنے والے کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیتا ہے۔ یہ صورت حال یسوع مسیح ہی نہیں بلا امتیاز سب کو پیش آئی ہے جس طرح ہر شخص مرتا ہے اسی طرح ہر شخص مرنے کے بعد زندہ آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔

بَابُ
اَلْقَیَامَتَہ

اے مردۂ صد سالہ تجھے کیا نہیں معلوم
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت

(اقبالؒ)

قیامت کا مطلب قرآن پاک کی روشنی میں اور قیامت کے مختلف نام

اب ہمیں قرآن حکیم کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ قیامت کیا ہے اور یہ کب آئے گی اور صور اسرافیل کسے کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے قیامت کا مطلب خدا کی دی ہوئی قبروں سے جی اٹھنا بتایا ہے۔

سورۃ الحج آیت نمبر ۷ : "اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت آنے والی ہے اللہ ان لوگوں کو اٹھائے گا جو بیچ قبروں کے ہیں"۔ ان کیفیات اور اثرات جو بروز قیامت انسان پر مختلف صورتوں میں اثر انداز ہونگے قیامت کے کئی نام رکھے گئے ہیں یوم الدین۔ یوم البعث۔ یوم الخروج۔ یوم القیامت۔ یوم التلاق یوم التغابن۔ یوم الآزفہ یعنی جزا کا دن۔ جی اٹھنے کا دن۔ قبروں سے نکلنے کا دن۔ اٹھ کھڑا ہونے کا دن۔ ملاقات کا دن۔ ہار جیت کا دن۔ قریب آنے کا دن۔ ان کے علاوہ اور بھی ایسے الفاظ ہیں۔ جو قیامت کے معنوں میں آتے ہیں۔ ساعت خاص کر قابل ذکر ہے اسے ہم اپنی زبان میں بھی استعمال کرتے ہیں جب وہ ساعت یا گھڑی آگئی تو وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

ہلاکت اور قیامت لازم ملزوم ہیں

ساعت سے مراد موت ہے بغیر موت کے قیامت ناممکن ہے ہلاکت اور قیامت لازم ملزوم ہیں بالکل ایسے ہی جیسے حمل ہوگا تو بچہ پیدا ہوگا۔ گویا موت قیامت کا مقدمہ اور پیش لفظ ہے لیکن ان دونو یعنی موت اور قیامت میں کوئی بُعد زمانی نہیں ہے سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۵۸ "اور کوئی بستی ایسی نہیں ہے جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کرلیں یا اسے سخت عذاب نہ دے لیں" یہاں بستی سے مراد انسان ہیں۔ عذاب یہ دنیا

ٹوں کو نہیں انسان کو ہوتا ہے۔

یامت ہمارے زمانے کے حاظ سے قریب تر ہے

موت دنیاوی زندگی کا انجام اور قیامت حیات آخروی کا آغاز ہے ان میں کوئی وقفہ نہیں ہے۔ موت کب آئے گی یا ست کب ہوگی ان کا مطلب ایک ہی ہے اور یہ بات یعنی کوئی انسان کب مرے سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ لیکن خدا نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ وہ موت اور قیامت کوئی دور کی بات نہیں۔ بالکل قریب ہے سورۃ النحل آیت نمبر ور آسمانوں اور زمینوں کا بھید اللہ ہی کے پاس ہے اور قیامت کا کام تو ایسا ہوگا۔ ے نگاہ کی ایک جھپک یا اس سے بھی قریب تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے ں ماؤں گے پیٹوں سے نکالا۔ اس وقت تم کو کسی چیز کا بھی علم نہ تھا پھر تم کو کان یں اور دل دیا تاکہ تم احسان مانو"

وحانی جسم سر کے ستے سے باہر آتا ہے

ان آیات یا انہیں کی ہم مفہوم آیات کی روشنی میں ہمارا یہ جزو ایمان ہونا چاہیے اور ہمیں ایک سچے مسلمان اور مومن نے کی حیثیت سے خدا کی اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ قیامت آنکھ کی جھپک اس سے بھی زیادہ قریب ہے اس کے ساتھ ہی ماؤں کے پیٹوں سے جو نکلنے کا لیا ہے وہ بالکل برمحل ہے اس سے ظاہر کرنا مقصود ہے کہ قیامت کا عمل بھی ا ہی ہے جیسا کہ تم اپنی پہلی پیدائش میں ماؤں کے پیٹوں سے باہر آئے۔ بالکل اسی ی دوسری پیدائش جسے قیامت کہتے ہیں تمہارے ان ہی اجسام کی قبروں سے ور پذیر ہوگی یعنی موت کا عمل مکمل ہوتے ہی روحانی جسم سر کے راستے سے باہر ی آتا ہے۔

جسم انسانی میں سمار سر کی حیثیت رکھتا ہے!

یاد رہے کہ سما جسے عام طور پر آسمان کے معنوں میں بولا جاتا ہے اسی لفظ کو ہر چیز کے بلند حصہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے سما کو چھت کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے اسی طرح جسم انسانی میں سر ایک سمار کی حیثیت رکھتا ہے جس طرح عالم امر عالم خلق کو کنٹرول کرتا ہے بالکل اسی طرح سر پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے جملہ احکامات سر سے صادر ہوتے ہیں۔ باقی اعضار ان احکامات کی پیروی کرتے ہیں تعجب ہے کہ انسان جو خالق کا شاہکار ہے اس کا سما۔ ارض، جبل انہار نہ ہو سب کچھ ہے اگرچہ یہ موضوع بالکل الگ تھلگ نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ قیامت اور موت کا اس موضوع سے گہرا رابطہ ہے۔

جسم انسانی میں سمار ارض جبل اور بحر موجود ہیں

جسم انسانی میں سمار ارض۔ جبل۔ بحر اپنی منفرد حیثیت رکھتے ہیں چونکہ موت اور قیامت کا تعلق اسی جسم انسانی سے ہے اس لیے قرآن حکیم کی مکی آیات جن میں قیامت کی نہائت عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے وہ اسی اسمار ارض اور جبل و بحور سے بھی متعلق ہیں یہ احقر اپنی دوسری کتاب "قرآن فہمی میں ہماری واضح فروگذاشتیں" میں بالتفصیل بیان کرے گا۔ انشاء اللہ اس میں ثابت کیا جائے گا کہ ہم نے کورانہ تقلید کر کے قرآن حکیم کے معانی کو کیا سے کیا سمجھ لیا ہے۔

قرب قیامت کی بات خدا نے ہمارے زمانے کے حساب سے کی ہے

بات قرب قیامت کی ہو رہی تھی کہ اللہ تعالےٰ نے قیامت کے کام کو نگاہ کی ایک جھپک بلکہ اس سے بھی قریب کہا ہے یعنی فوراً بلکہ فوراً سے بھی پہلے

تو خدا تعالیٰ نے یہ بات ہمارے زمانے کے حساب سے کی ہے کیونکہ عالم امر کا زمانہ غیر محدود ہے اس کے مقابلہ میں ہمارا زمانہ آنکھ کی جھپک یا اس سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اور کیا ہے۔ خدا انسانوں سے مخاطب ہے زمانہ بھی وہ انسانوں کا ہی لے گا

ہمارا سال اور اسکے
رہ مہینے خدا کے مقرر کردہ
ہیں

ہمارے سال کے بارہ مہینے بھی تو خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ سورۃ توبہ آیت نمبر ۳۶ "خدا کے نزدیک مہینوں کا شمار خدا کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ بارہ مہینے ہیں ان میں چار مہینے ادب کے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے" قیامت اور موت کے قریب تر ہونے کا اصول حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ا آتا ہے اور قیامت کبریٰ تک چلے گا۔ جس میں یہ پوری کائنات تہس نہس ہو جائے ۔ اور جو لوگ اس دن مریں گے وہ سب کے سب اسی وقت زندہ اٹھا کھڑے ے جائینگے۔ کیونکہ وہ اپنا برزخ جسم کی قبر میں گذار چکے۔

جینے کے لیے مرنا شرط
ول ہے موت جسم
چھوڑنے کا نام ہے دنیا
چھوڑنے کا نہیں !

حقیقت یہ ہے کہ ہبوطِ آدم سے آجتک اور آج سے قیامت کبریٰ تک ہر مرنے والے پر قیامت گذر جاتی ہے۔ میں قیامت گذرنا محاورے کے طور پر استعمال نہیں کر رہا۔ اس کو انہی معنوں ستعمال کر رہا ہوں۔ قیامت نام ہے مر کر فوراً جی اٹھنے کا۔ اور یہ ایک مسلمہ اصول دانے بنا دیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہر شخص کو لامحالہ مرنا ہوگا جب تک وہ مر یں بچے گا اسے دوسری زندگی ملے گی نہیں جینے کیلئے مرنا شرط اول ہے قیامت نام ے روح کا اپنی جسمانی رہائش گاہ کو چھوڑ کر دوسرے غیر فانی جسم میں دوسری زندگی

کا آغاز کرنا۔ موت نام ہے جسم کو چھوڑ دینے کا۔ دنیا چھوڑ دینے کا نہیں۔

مرکر جی اٹھنے کے درمیان کوئی وقفہ نہیں!

ہم نے جو مرنے اور دوبارہ جی اٹھنے کے درمیان ایک طویل تر وقفہ زمانی ڈال رکھا ہے اس کا قرآن حکیم میں بالکل اور مطلق کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ چونکہ ہم نے اس قبر کو نہ سمجھا جس میں پڑے ہم برزخ جسے ہم حیات دنیا کے نام سے موسوم کرتے ہیں گذار رہے ہیں اس لیے ہم نے مردوں کو ایک لامنتہا زمانہ قبر دے ڈالا۔ اور عالم برزخ کے خاتمے کے انتظار میں خود ہم پر لاتعداد قیامتیں گذر گئیں۔

جو مرگیا اس کی قیامت ہو گئی ۔ حدیث شریف

مشکوٰۃ شریف کی حدیث کے الفاظ ہیں وَ اَنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ تحقیق جو مرگیا اس کی قیامت ہو چکی۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں (درمیانی اور شہادت) کی مانند بھیجے گئے ہیں جس طرح دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں موت اور قیامت بھی ساتھ ساتھ ہیں۔

فطرت اللہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم سے لاتعداد غلطیاں سرزد ہوئیں

یاد رکھیئے اگر ہم نے فطرت اللہ کو صحیح طور پر نہ سمجھا۔ تو اسرار و رموز دین سمجھنے میں ہم سے لاتعداد غلطیاں ہوں گی ہم روزانہ کئی بار یہ فقرہ استعمال کرتے ہیں کہ ایک دن سب نے مرنا ہے یا ایک دن سب نے اللہ کے پاس جانا ہے اب آپ خدارا بتائیں کہ اس فقرے یا فقرات میں مرنے کا وقت یا مرنے والوں کی تعداد کا ذکر کہاں ملتا ہے۔ بڑی موٹی سی بات ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آتا

گا وہ مرنے کے دن پورے کرے گا سب ہی مریں گے سب ہی مرکر خدا کے پاس جائیں گے کب جائیں گے کتنی تعداد میں جائیں گے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور نہ ہی وہ ہمیں بتائے گا۔ کہ فلاں فلاں شخص اتنے بجکر اتنے سیکنڈ پر فلاں فلاں روز اپنے جسم کا برزخ چھوڑ دے گا۔

انسان جسم کے برزخ میں موت کے دن پورے کرتا ہے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اس دنیا فانی میں آکر زندگی کے دن پورے کرتا ہے یا موت کے دن پورے کرتا ہے اس سوال کا حل یہ ہے کہ آپ سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ ان دونوں میں زیادہ یقینی موت ہے یا حیات دنیا؟ ظاہر ہے موت یقینی چیز ہے تو انسان اس جسم کے برزخ میں موت کے دن پورے کرتا ہے۔ وہ ابدی زندگی جس پر موت کا سایہ نہیں وہ تو عالم امر میں کھلے ہاتھوں ہماری چشم براہ ہے اور جب خدا ہمیں بلائے گا تو ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے اس کا جواب دیں گے۔ سورۃ بنی اسرائیل آئت نمبر ۵۲ "جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم دنیا میں بہت کم مدت رہے ہو" اس میں سب انسان ہی آجاتے ہیں۔ اس کو ماننے والے بھی اور نہ ماننے والے بھی۔ کیونکہ وہاں جا کر حقیقت حال یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا تو لازماً علم ہو جائے گا۔

خدا کے حضور سب انسان اکیلے اکیلے جائیں گے

الحاصل مرنا تو سب نے ہے کوئی آگے کوئی پیچھے۔ کوئی پہلے کوئی بعد۔ بستر مرگ پر ایک ایک کر کے مریں یا ایٹم بم کا شکار ہو کر لاکھوں کی تعداد میں مریں۔ ان کی انفرادیت برقرار رہے گی۔ سورۂ مریم آئت نمبر ۹۵: وہ سب کے سب قیامت کے دن اس کے پاس اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے" سورۂ مریم آیت نمبر ۸۰

اس کی چھوڑی ہوئیں چیزوں کے ہم مالک ہونگے اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔ اگر اس آیت سے مراد قیامت کبریٰ ہوتی تو چھوڑی ہوئی چیزیں کہاں اور کب باقی رہتیں۔

قیامت کا عمل جسم انسانی پر پھل دار درخت سے پھل کے باہر آنے یا ماں کے پیٹ سے بچہ باہر آنے سے مشابہ ہے

اب آیئے دیکھیں کہ قیامت کا عمل جسم انسانی پر کس عمل سے ملتا جلتا ہے۔ سورۃ حٰم السجدہ آئت نمبر ۸، قیامت کا علم خدا تعالےٰ کو ہی ہے اور نہیں نکلتے اپنے غلاف سے کوئی پھل اور نہیں رہتا حمل کسی مادہ کو اور نہ وہ ہے جس کی خبر خدا کو نہیں" بظاہر یہ ایک سادہ سی مفہوم کی حامل آئت ہے لیکن سیچی بات ہے کہ قیامت کے طریق کار کی اس سے زیادہ بہتر اور عمدہ وضاحت ممکن نہ تھی اور کیوں نہ ہو کلام خدا کا ہے۔ سورہ النساء ۸"۔ خدا وہ معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں قیامت کے دن تم سب کو وہ ضرور جمع کرے گا اور خدا سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے" قیامت کب ہوگی پھل دار درخت کے غلاف سے پھل کب نکلے گا۔ مادہ کب بچہ جنے گی، یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ ان باتوں کا علم خدا تعالےٰ اور صرف خدا تعالےٰ ہی کو ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا ہمیں علم نہیں۔

انسانی پیدائش اور دوبارہ جی اٹھنے کا عمل نیچرل پراسس (فطرتی تقاضا) ہے۔

اصل بات جو اللہ تعالےٰ انسان کو سمجھانا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کا عمل جسم انسانی پر بالکل اسی طرح ہے جس طرح ثمردار درخت سے پھل کا باہر آنا۔ یا ماں کے پیٹ سے بچے کا باہر نکلنا۔ بالکل اسی طرح موجودہ جسم انسانی میں جس میں فی الوقت وہ جسم موجود ہے جس کو ہمارے مر چکنے کے بعد فوراً ہی سر کے راستے باہر نکلنا ہے باہر نکل آئے گا اور یہی عمل قیامت کہلاتا ہے نہ تو کسی درخت ثمردار میں اس کا پھل پھنسا رہا، نہ ہی کسی مادہ

کے پیٹ میں بچہ پھنسا رہا۔ نہ ہی وہ دوسرا جسم اس جسم میں پھنسا رہے گا۔ آخر کار اسے باہر آنا ہے پھل درخت کا ہو یا انسان کا آخرکار اسے اس مقام مخصوص تک پہنچ کر باہر نکلنا ہے جو اس کے لیے مقرر کی گئی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا عمل ہی نیچرل پراسس کے تحت وقوع پذیر ہوتا ہے۔

یہی صورتحال قبر خدا داد یعنی جسم انسانی کی ہے جو قادر مطلق ہر ذی روح کو بوقت پیدائش موت کو ساتھ دے کر دنیا میں بھیجتا ہے اسی جسم کی قبر سے ایک معززہ مدت کے بعد روحانی جسم باہر آجائے گا اسی باہر آنے یا باہر نکلنے کی وجہ سے قیامت کو یوم الخروج کہا گیا ہے یہی قیامت ہے۔ گویا ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم کے ساتھ باہر آنے کا نام قیامت ہے

قیامت نام ہے طائر روح کا قفس عنصری سے پرواز کرنیکا

بالفاظ دیگر قیامت نام ہے طائر روح کا قفس عنصری سے پرواز کر جانے کا۔ موت و قیامت کا اطلاق اس جسم ظاہری پر ہوتا ہے لیکن اس کی معنویت یہ ہے کہ روح کا پرانی بستی چھوڑنا اور قیامت نام ہے روح کا نئی بستی میں منتقل ہونا۔ اس نئی بستی کو آباد کرنے اور پرانی بستی کو برباد کرنے میں کوئی وقفہ نہیں۔

ایک بات تو وہ ہے جو خدا نے ہمارے ماحول کے مطابق کہی ہے یہی دنیاوی زندگی جسے خدا نے ہماری سمجھ کے مطابق حیات دنیا کہا ہے اس کی نگاہ میں عالم امر والوں کی نگاہ میں عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس بنیاد پر ہے کہ ہم جسم کی قبر میں ہیں اور موت کے دن پورے کر رہے ہیں سمجھنے سمجھانے کا یہ اپنا اپنا معیار ہے قرآن حکیم میں ایسی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔ میں لاتعداد کا لفظ پوری ذمہ داری سے استعمال کر رہا ہوں۔

ہماری سمجھ اور عالم امر والوں کی سمجھ میں زمین و آسمان کا فرق ہے

ایک وہ زندگی ہے جسے ہم زندگی کہتے ہیں۔ ایک وہ زندگی ہے جسے خدا زندگی کہتا ہے۔ ایک وہ موت ہے جسے ہم موت سمجھتے ہیں ایک وہ موت ہے جسے وہ موت کہتا ہے ایک وہ ارض ہے جسے وہ ارض کہتا ہے ایک وہ ارض ہے جسے ہم ارض سمجھتے ہیں۔ ایک وہ جبل ہے جسے ہم جبل سمجھتے ہیں ایک وہ جبل ہے جسے وہ جبل کہتا ہے ایک وہ سماء ہے جسے ہم سماء سمجھتے ہیں ایک وہ سماء ہے جسے وہ سماء کہتا ہے۔ ایک وہ کتاب ہے جسے ہم کتاب سمجھتے ہیں ایک وہ کتاب ہے جسے وہ کتاب کہتا ہے ایک وہ جنّا ہے جسے ہم جنّا کہتے ہیں ایک وہ جنّا ہے جسے وہ جنّا کہتا ہے۔ الحاصل یہ لسٹ بڑی طویل ہے ان میں صرف چند ایک کا ذکر اس کتاب میں آئے گا۔

بچے کی بوقت ولادت مشیمہ سے علیحدگی جس میں اس نے پرورش پائی۔ ماہر آنے پر پہلی موت اور قیامت قرار پائی اور یہاں آکر دنیا وی زندگی کہلائی۔

انسان پیدائش کے ساتھ ہی مرنا شروع ہو جاتا ہے اور اسے موتیٰ سے شمار کیا جاتا ہے

اس دنیا وی زندگی میں بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی اسپر موت کا عمل دخل شروع ہوگیا۔ اور وہ موتیٰ کے زمرہ میں داخل ہوگیا۔ اب موت کا عمل مکمل ہو جانے کے بعد یہ جسم مشیمہ کی صورت اختیار کر گیا یعنی روح کے لیے بیکار ہوگیا اس لیے کہ اسے دوسرا روحانی جسم عطا ہوگیا اور وہ دوسرے ابدی زندگی کے دور میں داخل ہوگیا۔

دو ڈلیوریاں۔ ایک جسمانی اور دوسری روحانی ڈلیوری

قصہ مختصر یہ دو ڈلیوریاں ہوئیں۔ ایک جسمانی دوسری روحانی۔ ماں کے پیٹ سے باہر آنے کو جسمانی ڈلیوری کہہ لیں

اوراس قبر خدا وا دیعنی جسمانی قبر سے روح کا دوسرے جسم کے ساتھ جی اٹھنا روحانی ڈیلیوری کہلائے گا۔ فرق صرف یہ ہے کہ جسمانی ڈیلیوری کا انتظام بظاہر انسان کے ہاتھوں سرانجام پاتا ہے لیکن روحانی ڈیلیوری کا انصرام ملائکہ کے سپرد ہے یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ روح کے امین شہر یعنی جسم انسانی سے روح کو اپنے رولز اور ریگولیشنز کے تحت باہر نکالیں۔ یہ جو احقر نے پہلی دوسری پیدائش میں ڈیلیوری کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا استعمال قرآن حکیم میں سورۃ بلد آیات نمبر ۱ - ۴ میں واضح الفاظ میں کیا گیا ہے اب ضروری ہو گیا ہے کہ لفظ بلد یا بلد الامین کے لیے ایک علیحدہ باب لکھا جائے۔

پہلا سانس موت کا آغاز آخری سانس موت کا خاتمہ اور جی اٹھنے کا دن یعنی موت کی موت

ایک بات یاد رہے اور وہ یہ ہے کہ وہ موت جسے خدا موت سمجھتا ہے وہ اس دنیا میں پہلی سانس سے ہی شروع ہو جاتی ہے اور وہ موت جسے ہم موت سمجھتے ہیں وہ آخری سانس کے خاتمہ کے ساتھ واقع ہوتی ہے پہلا سانس موت کا آغاز آخری سانس موت کا خاتمہ درمیانی وقفہ عالم برزخ اس کے خاتمے کے ساتھ ہی قیامت یعنی جی اٹھنے کا دن یعنی موت و قیامت ساتھ ساتھ۔ درحقیقت۔ قیامت موت کا ایک زبردست تقاضا ہے۔ بقول حکیم الامت ؒ:

اے مردہ صد سالہ تجھے کیا نہیں معلوم
ہر موت کا پوشیدہ تقاضا ہے قیامت

یوم قیامت نام ہے جی اٹھنے کے دن کا اور یہ وہی دن بلکہ وہی وقت ہے جسے ہم مرنے کا دن کہتے ہیں لیکن یہ مفروضہ کہ قیامت کے دن روح کو دوبارہ وہی

مادی جسم عطا ہوگا جس میں اس نے اپنی جان دی خدا کے نزدیک بے ہودہ اور لایعنی ہے حکیم الامت فرماتے ہیں۔

ہو روح پھر ایک بار سوار بدن زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں میں

دوبارہ جی اٹھنے کے بعد جب گناہ گار سابقہ جسم کا تقاضا کریں گے تاکہ وہ اس سے اچھے کام کر سکیں تو اس کا جواب سورۃ روم آئت نمبر ۵۲۔ ۵۷ ملاحظہ فرمائیں

باب
البلد

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند

(اقبالؒ)

سورہ لیتین کی وضاحت

سورہ بلد آیات نمبرا تا ۴" میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (یعنی تیرے پاکیزہ جسم کی) کہ تو ہمیشہ کے لیے اس جسم کی قید میں نہیں رہے گا اور میں قسم کھاتا ہوں جننے والے کی) اور جو اس سے جنا اس کی. کہ تحقیق ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا یعنی ایک مرحلے سے دوسرے تخلیقی مرحلے میں داخل ہونا بڑا کٹھن اور صبر آزما مرحلہ ہے. میں نے بلد کا ترجمہ شہر مکہ نہیں کیا. اس کا جواب میں آگے چل کر دوں گا۔

سورۃ التین " قسم ہے مجھے انجیر و زیتون کی. کوہ طور کی. بلد الامین کی. کہ ہم نے انسان کو خوب سے خوب تر انداز میں پیدا کیا. ان ہر دو سورتوں یعنی سورۃ البلد اور سورۃ التین میں تخلیق انسانی کا ذکر مشترک ہے. اسے نظر انداز نہ کریں. مفسرین و مترجمین نے انجیر و زیتون سے مراد مولد و مبعث مسیح علیہ السلام اور طور سینین سے مراد مبعث موسیٰ علیہ السلام اور بلد الامین سے مراد مولد و مبعث حضور پاک خاتم النبیین رحمت للعالمین لیا ہے. یہ ترجمہ اور ہلکی سی وضاحت سطحی لحاظ سے درست سہی لیکن اگر آپ اس کی گہرائی میں اتریں تو صورتحال یوں ہوگی۔

بلد کے لغوی معنے قبر کے بھی ہیں

"قسم ہے مجھے تخلیق عالم نباتات کی. قسم ہے مجھے تخلیق عالم جمادات کی اور قسم ہے مجھے تخلیق عالم حیوانات کی. کہ ہم نے تخلیق انسانی کو دیگر جملہ تخلیقات سے بڑھ چڑھ کر عمدہ بنایا" بلد کا لغوی مطلب شہر ہی نہیں قبر بھی ہے جیسے ہم قبرستان کو شہر خموشاں کہتے ہیں. بلد سے مراد قبر بشری یعنی جسم انسانی ہے

سوال اب صرف ان دونوں حوالوں میں شہر مکہ کی قسم کے بارے میں رہ گیا ہے اس بات کا تفصیلی جائزہ ناگزیر ہو گیا ہے قرآن حکیم میں خالق کائنات نے پینسٹھ کے قریب قسمیں کھائی ہیں. میری انتہائی محتاط تحقیق کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیقات

کی قسم تو کھائی ہے لیکن تخلیقات انسانی خواہ وہ ان کی کتنی ہی اہمیت کیوں نہ ہو قسم نہیں کھائی جسم انسانی کی قسم کھائی ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم کھائی ہے اجرام فلکی کی قسم کھائی ہے مختلف النوع ہواؤں کی قسم کھائی ہے گھوڑوں تک کی قسم کھائی ہے مگر انسان کی کسی تیار کردہ یا تعمیر کردہ ایک شئے کی بھی قسم نہیں کھائی۔

خدا نے صرف اپنی تخلیقات کی ۶۵ قسمیں کھائی ہیں

برسبیل تذکرہ یہاں جملہ قسموں کا اختصار پیش کیا جاتا ہے یہ آپ کے پاس ایک ریکارڈ کی حیثیت سے محفوظ رہے گا

سب سے پہلی قسم جو ذات بابرکات نے قرآن میں کھائی ہے وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم کھائی ہے۔ سورہ الحجر آئت نمبر ۷۲ "قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں" یہ الفاظ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی مستی میں مدہوشی کے بارے میں کہے گئے ہیں چونکہ قرآن حکیم میں مخاطب آپ کی ذات مطہر ہے اس لیے یہ قسم آپ کی کھائی گئی ہے باقی تفصیل ذیل ہے۔

۱۔ قرآن مجید کی قسم ۲۔ قرآن پڑھنے والوں کی قسم
۳۔ نصیحت والے قرآن کی قسم ۴۔ روشن کتاب کی قسم
۵۔ واضح اور روشن کتاب کی قسم ۶۔ قرآن مجید کی قسم
۷۔ مختلف النوع ہواؤں کی قسم ۸۔ طوفان سمندر کی قسم
۹۔ کوہ طور کی قسم ۱۰۔ کشادہ ورقوں کی قسم
۱۱۔ قلم قدرت کی قسم ۱۲۔ اور جو کچھ اس سے لکھا جاتا ہے اس کی قسم۔
۱۳۔ بیت المعمور کی قسم ۱۴۔ اونچی چھت کی قسم
۱۵۔ ستارے کی قسم ۱۶۔ ستاروں کی منزلوں کی قسم
۱۷۔ قسم ہے ان کی جن کو تم دیکھتے ہو اور جن کو تم نہیں دیکھتے۔

مشرقوں اور مغربوں کی قسم ۱۹ چاند کی قسم
رات کی قسم جب جانے لگے ۲۱ صبح کی قسم
مختلف النوع ہواؤں کی قسم ۲۳ روز قیامت کی قسم
برائی سے ملامت کرنے والے جی کی قسم ۲۵ وحی لانے والے فرشتوں کی قسم
ملائکہ کی قسم ۲۷ ستاروں کی قسم
رات کی قسم ۲۹ صبح کی قسم
۳۰ شام کی سرخی کی قسم ۳۱ ڈھانپنے والی رات کی قسم
۳۲ پورے چاند کی قسم ۳۳ برجوں والے آسمان کی قسم
۳۴ وعدہ کے دن کی قسم ۳۵ شاہد اور مشہود کی قسم
۳۶ آسمان اور چمکنے والے ستارے کی قسم ۳۷ بارش برسانے والے آسمان کی قسم
۳۸ پھٹنے والی زمین کی قسم ۳۹ فجر کی قسم
۴۰ دس راتوں کی قسم ۴۱ جفت اور طاق کی قسم
۴۲ بلد کی قسم ۴۳ سورج کی قسم
۴۴ چاند کی قسم ۴۵ دن کی قسم
۴۶ رات کی قسم ۴۷ آسمان اور زمین کی قسم
۴۸ رات اور دن کی قسم ۴۹ نرمادہ بنانے والے کی قسم
۵۰ بہر دن چڑھے کی قسم ۵۱ رات کی قسم
۵۲ زمانہ کی قسم ۵۳ زیتون کی قسم
۵۴ انجیر کی قسم ۵۵ کوہ طور کی قسم
۵۶ انجیر کی قسم ۵۷ بلد الامین کی قسم
۵۸ مختلف النوع گھوڑوں کی قسم۔

قرآن حکیم کی کوئی قسم تخلیق انسانی کی نہیں

ان جملہ قسموں میں گھوڑوں اور ہواؤں کی علیحدہ علیحدہ قسموں کو احقر نے اکٹھا ہی کردیا ہے. کل تعداد پینسٹھ کے قریب ہے آپ ان سب کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں قرآن حکیم کھول کر اپنے پاس رکھ لیں پڑتال کے لیے دو چار مددگار ساتھ بٹھالیں. ممکن ہے مجھ سے کوئی قسم رہ گئی ہو. کامل توجہ سے دیکھیں کہ ان میں وہ کون سی قسم ہے جو انسانی تخلیق کے دائرہ کار میں آتی ہے صرف بلد اور بلد الامین دو قسمیں باقی رہ جاتی ہیں. مفسرین اور مترجمین حضرات نے ان سے مراد مکہ معظمہ لیا ہے احقر کی دانست میں یہ خلاف سنت باری تعالےٰ ہے باقی رہا بیت المعمور کی قسم. یہ وہ خانہ کعبہ ہے جو ساتویں آسمان پر ملائکہ کا تعمیر کردہ ہے اور ظاہر ہے کہ افعال ملائکہ افعال باری تعالےٰ سمجھے جاتے ہیں.

ہر شخص قرآن حکیم میں غور و فکر کی اہلیت نہیں رکھتا.

عربی زبان بڑی فصیح ہے ایک ایک لفظ کے متعدد معانی نکلتے ہیں. لیکن چونکہ قرآن حکیم جملہ انسانوں سے مخاطب ہے اس کا انداز بیان عام طور پر عمومی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسرار و رموز قرآن کے شائقین کو متعدد بار زوردار الفاظ میں کہا گیا کہ قرآن حکیم کی آیات میں غور و فکر کریں سورہ محمدؐ آیت نمبر ۲۴ : بھلا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے. کیا ان کے دلوں میں تالے لگ گئے ہیں ظاہر ہے عوام اس معیار پر پورا نہیں اتر سکتے. اس کے لیے علم و دانش درکار ہے جو ہمارے علماء کے پاس بمقدار وافر موجود ہے لیکن ذوق و جنوں کا کیا کریں جو مقدر سے ملتا ہے.

بلد کے معنی قبر اور قبرستان کے بھی ہیں

بلد کے لغوی معنی مکہ معظمہ کے علاوہ قبر. قبرستان. گھر. نشان. زمین اور

بھوؤں کے درمیان کشادگی کے بھی ہیں۔ احقر نے مکہ معظمہ کی بجائے قبر کے معنوں میں لیا ہے اور یہ تو ظاہر کہ قبر جسم انسانی ہے شاہ رفیع الدین صاحب نے اسے دیس کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے اللہ تعالے نے جیساکہ میں نے بیشتر عرض کیا تخلیقات انسانی کی قسم نہیں کھائی بیت المعمور کی قسم کھائی ہے لیکن یہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کا خانہ کعبہ ہے ظاہر ہے اس کی تعمیر ملائکہ کے ہاتھوں ہوئی اور افعال ملائکہ افعال خدا کہلاتے ہیں۔

بلدالامین یہ جسم انسانی ہے جو روح کا امین ہے

مطلب یہ کہ یہ بلدالامین جسم انسانی ہے یہ جسم انسانی امانت دار قبر بھی ہے۔ اور شہر بھی ہے کیونکہ قریہ کو بھی خدا تعالے نے کہیں کہیں بطور جسم انسانی استعمال کیا ہے۔ سورۂ ہود آئت نمبر ۲ "تیرا پروردگار بستیوں کو پکڑتا ہے تو ایسے پکڑتا ہے اور وہ ظالم ہوتی ہیں تحقیق اس کا پکڑنا سخت اذیت ناک ہے" یہاں بستی سے مراد مجموعی انسان ہیں وہ اس لیے کہ پتھر مٹی کے مکانات بچارے کیا ظلم ڈھائیں گے اور ان کو کیا اذیت ناک سزا ملے گی۔

جسم انسانی روح کی خوابگاہ ہے

خدا تعالے نے اس بلدالامین کو جہاں روح کی خوابگاہ یا جائے سکونت بنا دیا ہے۔ وہاں اسے اپنی جملہ تخلیقات میں سرفہرست رکھا ہے اور اسے کئی ناموں سے موسوم کیا ہے۔ کتاب۔ کتاب مبین۔ شجر۔ قریہ۔ میت۔ میتون۔ موتیٰ۔ حرث۔ ارض۔ قبر۔ قبور۔ بلد۔ بلدالامین۔ سفینہ۔ مرقد۔ اجداث۔ مکان قریب وغیرہ۔

ذکر اللہ کا مطلب

اپنے انداز میں قرآن فہمی کی چند نہائت چھوٹی مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ویسے ایک بڑی مثال جو اس کتاب کو معرض وجود میں لانے کا سبب بنی، پیش کرچکا ہوں یعنی سورہ عبس کی آیت ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ۔ پھر اسے مارا پس اسے قبر میں گاڑا۔ بڑی

معروف آئت ہے ولذکر اللہ اکبر جس کا عام مطلب تو بالکل درست ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد یا اس کا ذکر بڑی بات ہے لیکن اس کا ایک مطلب اور بھی ہے جو پہلے مطلب کی نسبت خود میں زیادہ جامعیت رکھتا ہے یعنی کیا وہ یاد یا ذکر جو انسان خدا کے لیے کرتا ہے یا وہ یاد یا ذکر جو خدا انسان کے لیے کرتا ہے کیونکہ اس کا فرمان یہ بھی تو ہے کہ فاذکرونی اذکرکم۔ تم میرا ذکر کرو گے تو میں تمہارا ذکر کروں گا اب یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ انسان لاکھ ذکر خدا کرے وہ اس ذکر کا قطعاً ہم پلہ نہیں ہو سکتا جو خدا بندوں کے لیے کرتا ہے

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کی وضاحت

دوسری آئت بھی بڑی معروف آئت ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ یہ ایک ایسی آئت ہے جسے ہر کہ دمہ روزمرہ استعمال میں لاتا ہے۔ مطلب اس کا سب نے ایک ہی بیان کیا ہے یعنی ہر انسان موت کا مزہ چکھنے والا ہے چکھنے والے کا تعلق ماضی سے بھی اتنا ہی ہے جتنا مستقبل سے ایک چکھنے والا تو وہ ہوتا ہے جسے مستقبل میں جا کر چکھنا ہے لیکن ایک چکھنے والا وہ ہوتا ہے جو چکھ چکا۔ بلکہ حقیقی ترجمہ وہ ہے جس کا ماضی سے تعلق ہے۔ قرآن حکیم چونکہ اعجاز عظیم ہے اس کے ایک ظاہر کے علاوہ متعدد بطن بھی ہیں۔ بلکہ بعض حضرات تو ستر بطن بتاتے ہیں، ہر شخص اپنی اپنی علمی کشفی یا القائی استعداد کے مطابق مطلب لیتا ہے، احقر کے نزدیک عام مطلب کے علاوہ اس کا خاص مطلب یہ بھی ہے کہ ہر شخص موت کا مزہ چکھ چکا۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔

میرے اس بیان کی بھرپور تائید سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۲۹ سے ہوتی ہے فرمایا اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو "اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ" یعنی اے میرے محبوب تو بھی فی الوقت میت ہے اور وہ بھی میت ہیں یعنی درحقیقت تم بھی اور وہ بھی اس وقت فنا

کی حالت میں ہو اسی آئت کا ترجمہ بعض حضرات نے یوں کیا ہے "تو بھی مرے گا اور وہ بھی مریں گے بعض نے لکھا ہے کہ تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں" ایک صاحب لکھتے ہیں تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں کیا اللہ تعالےٰ تو بھی مرے گا اور وہ بھی مرے گا کا عربی ترجمہ نعوذ باللہ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اسے ایسا کرنا مقصود ہوتا تو اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کی بجائے اِنَّكَ تَمُوْتُ وَاِنَّهُمْ يَمُوْتُوْنَ ہوتا۔ اس صورت میں آپ یہ ترجمہ بلا خوف وخطر کر سکتے کہ تو بھی مرے گا اور وہ بھی مریں گے لیکن اللہ تعالے نے ایسا نہیں فرمایا کیونکہ اسے وہ فرمانا مقصود نہ تھا۔ اس نے جو کچھ کہنا چاہا وہی کہا۔

انسان خدا کی جس بات کو سمجھ نہ سکا اس نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے۔

افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مفسرین حضرت یا مترجمین حضرات خدا کی جس بات کو سمجھ نہ پائے وہاں انہوں نے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے اور اتنا خلا پیدا کر دیا جو صدیوں تک پُر نہ ہو سکا اور یہی رونا حکیم الامت نے رویا۔ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

زمن با صوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

یعنی میں صوفی و ملا (علمائے ظاہر) کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے خدا کا پیغام ہمیں سنایا لیکن قرآن کی جو تاویلیں ان لوگوں نے گھڑ گھڑ کر سنائیں۔ خدا۔ جبرائیل اور نبی کریم حیران وششدر رہ گئے۔ قرآن

حکیم میں میت کے معنی مرے گا کہیں نہیں آیا اب اس معمولی سی فروگذاشت کو قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھنا پڑے گا یعنی یہ کہ قرآن حکیم میں میت کا لفظ کتنی بار آیا ہے اور کن معنوں میں آیا ہے۔

لفظ میت سے متعلق قرآنی آیات کا ترجمہ

میت کا لفظ قرآن حکیم میں بارہ مرتبہ آیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ آل عمران آئت نمبر ۲۷ : وہ رات کو دن سے اور دن کو رات سے اور زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالتا ہے اور جس کو جی چاہے بے حساب رزق دیتا ہے (میت کا لفظ دو بار مردے کے معنوں میں) (۲) الانعام آئت نمبر ۹۹ : تحقیق اللہ تعالے گٹھلیوں اور دانوں کو پھاڑنے والا ہے ا زندے کو مردے سے اور مردے کو زندے سے نکالنے والا ہے یہی تو اللہ ہے تم کیوں پھیرے جاتے ہو۔ (میت کا لفظ دو بار مردے کے معنوں میں) (۳) الاعراف آئت نمبر ۵۷ : اور وہی ہواؤں کو خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجتا ہے باران رحمت سے پہلے یہاں تک کہ جب اس بھاری بادل کو اٹھاتی ہیں ہوائیں، ہم اس کو مردہ شہر کی طرف ہانک لے جاتے ہیں بس ہم اس سے پانی اتارتے ہیں اور ہم اس میں سے ہر طرح کے میوے نکالتے ہیں اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو۔ تاکہ تم نصیحت پکڑو (میت کا لفظ دو بار مردہ کے معنوں میں)

۴۔ یونس آیت نمبر ۳۱ : کون تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے کون ہے جو سننے اور دیکھنے کا مالک ہے اور کون ہے جو زندے کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے (میت کا لفظ دو بار مردہ کے معنوں میں) ۵ : ابراہیم آئت نمبر ۱۷ : اور آ گئے ہے اس کے

جہنم پلایا جائے گا پانی کہ وہ پیپ ہے ایک ایک گھونٹ پئے گا اور اس کے گلے سے آسانی سے نہیں اترے گا لیکن وہ مرہی نہیں چکتا (دوبار مرچکنے کے معنوں میں)(۶) الردم آئت نمبر۹ نکالتا ہے زندے کو مردے سے اور نکالتا ہے مردے کو زندے سے اور وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کی موت کے بعد اسی طرح تم نکالے جاتے ہو (میت کا لفظ دوبار مردے کے معنوں میں)
(۷) فاطر آئت نمبر۹ : وہ اللہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پس اڑاتی ہیں بادلوں کو، پس ہانک لاتے ہیں ہم اس کو شہر مردہ کی طرف۔ پس زندہ کیا ہم نے زمین کو اس کے مرنے کے بعد اسی طرح قبروں سے نکلنا ہے (دوبار مردہ کے معنوں میں) (۸) الزمر آئت نمبر۳۰ : تحقیق تو بھی میت ہے اور وہ بھی میت ہیں۔

لفظ میت قرآن میں بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے

آیات بالا میں بارہ مرتبہ میت کا لفظ استعمال ہوا ہے ان میں دس مرتبہ جملہ مترجمین نے اسے مردہ کے معنوں میں استعمال کیا ہے سوائے آخری الزمر کی آئت نمبر۳۰ کے۔ اور ہمارا اسی پر ایمان ہونا چاہیے کہ لفظ میت انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں باقی آیات۔ یعنی مردہ کے معنوں میں۔ یہ لفظ استعمال کر کے اللہ تعالےٰ نے ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھا دیا ہے اور وہ راز یہ ہے کہ اس دنیا میں کل بنی نوع انسان مرنے کے پابند ہیں اور یہی وہ موتیٰ ہیں جنہیں ان کی جسم کی قبروں سے مرتے ہی زندہ اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اور کل مخلوق حالت فنا میں ہے بقا کا آغاز تو وہاں ہوگا جہاں جینے کی پابندی ہے۔ ڈاکٹر مرحوم کا یہ شعر کس نے

نہیں سنا.

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

اس دنیا میں ہر انسان مرنے کا پابند ہے حیات دنیا اصل میں ہے کیا شے؟

اب آیئے اس سے آگے بڑھتے ہیں اور قرآن حکیم کی روشنی میں یہ دیکھتے ہیں کہ حیات دنیا اصل میں ہے کیا شے؛ میں اس وضاحت کے لیے سورہ النازعات کی پہلی آئت کے صرف دو الفاظ زیر بحث لاؤں گا اس کی حسب ہدایت وضاحت کے بعد یقین ہے آپ میت اور حیات زندگی کے درمیانی فاصلہ کو سمجھ جائیں گے

جان کندنی میں سختی نرمی مومن و کافر کی پہچان کا معیار نہیں

اللہ تعالےٰ نے فرمایا سورہ والنزعت کے آغاز میں ہی فرمایا" والنٰزعٰتِ غرقاً" اس کا ترجمہ سب مترجمین نے ایک سا کیا ہے یعنی قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی غوطہ لگا کر یا قسم ہے ڈوب ڈوب کر کھینچنے والوں کی۔ اکثر حضرات نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ یہ آئت ان فرشتوں سے متعلق ہے جو کفار کی جان نکالتے ہیں۔ اس حقیقت سے تو انکار نہیں کہ حُبّ دنیا میں غرق بدنصیبوں کی جان نکلنے کا نام نہیں لیتی۔ لیکن یہ فارمولا یا کافر اور مومن کا ذریعہ پہچان نہیں کہ کفار کی جان بڑی مشکل سے نکلتی ہے اور مومن کے لیے بڑی آسانیاں ہیں۔ وہ اس لیے کہ اصحاب شمال یعنی روسی اور چینی جو منکر آخرت اور دہریئے ہیں وہ بھی مرتے ہیں قدرتی موت کے علاوہ

حرکتِ قلب بند ہونے یا بجلی کے جھٹکے کے علاوہ حادثاتی موتیں ان کے ہاں بھی ہوتی ہیں۔

نزع اور غرق کا مفہوم

اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں کفار کی جان کندنی کے مناظر بڑے دلدوز انداز میں پیش کیے گیے ہیں اور ملائکہ کا ان پر سختی کا ذکر بھی ہے با ایں ہمہ جان کے جلد از جلد نکلنے یا مہینوں سالوں تک نہ نکلنے کا یہ منظر مومن کا ایمان یا کافر کا کفر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس آئت میں صرف دو الفاظ ہیں نزع اور غرق۔ جو دونوں نزعٌ اور غرقٌ کے مصادر سے لیے گئے ہیں ہر دو متضادات میں سے ہیں یعنی معنوی لحاظ سے ایک دوسرے کے بالکل الٹ نزع کا مطلب ہے کسی شے کو اندر سے باہر نکالنا جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے نَزَعَ یَدَہٗ یعنی اس نے اپنا ہاتھ بغل سے باہر نکالا جنت میں دلوں سے کینہ و کدورت نکالنے کے لیے بھی نزع کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے برخلاف غرق کا مطلب ہے کسی شے کو دور اندر تک لے جانا۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا کہکر دراصل اللہ تعالےٰ نے ان ملائیکہ کی قسم کھائی ہے جو نظام تنفس کو کنٹرول کرتے ہیں

احقر کی دانست کے مطابق قادر مطلق اور خالق کائنات نے وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا فرماکر درحقیقت ان ملائکہ کی قسم کھائی ہے جو انسانی نظام تنفس کو کنٹرول کرتے ہیں کیونکہ انسان توکیا کسی بھی جاندار کا اپنے نظام تنفس پر کنٹرول نہیں۔ اسے اپنی مرضی سے دیر تک روکا نہیں جاسکتا۔ سانس کو باہر نکالنے اور پھر اسے دوبارہ واپس پھیپھڑوں میں دور اندر تک لے جانے کا کام بظاہر ہم کرتے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت

یہ ڈیوٹی ملائکہ سرانجام دیتے ہیں۔

انسان پیدا ہوتے ہی مرنا شروع ہو جاتا ہے

سانس کا نزع اور غرق کا یہ عمل بچّے کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اس صورت میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر نومولود اپنے پہلے سانس کے ساتھ ہی جو نزع اور غرق کی متضاد حرکتوں پر مشتمل ہوتا ہے مرنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی حیات دنیا جتنی بھی ہے پہلے سانس کے ساتھ ہی گھٹنا شروع ہو جاتی ہے پہلے سانس کے ساتھ ہی اس کی مجموعی زندگی کا ایک سانس کم ہو گیا علیٰ ہذالقیاس۔ اس کا ہر سانس اس کی دنیاوی زندگی کو کم سے کم تر کرتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اس کے وہ سانس جو اس کے مقدر میں تھے اختتام پذیر ہوتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص پورا ہو گیا۔ یا گذر گیا۔ نزع اور غرق کا تعلق نفخ روح اور نفخ صور کے ساتھ کیا ہے۔ اس کی وضاحت باب الصور میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیات دنیا۔ عالم قبر اور عالم برزخ کا مطلب ایک ہی ہے نام مختلف ہیں

یہ حیات دنیا جو نام ہے عالم برزخ کا۔ عالم قبر کا۔ اس کی اوسط آج کل ساٹھ پینسٹھ سے زیادہ نہیں دراصل یہ ساٹھ پینسٹھ سال کا وہی پیریڈ ہے جسے آپ انسان کی کھودی ہوئی قبر میں میت کو رکھنے کے بعد قیامت کے غیر محدود عرصہ تک دوبارہ جی اٹھنے کا انتظار کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے سب مردے قبروں میں پڑے قیامت کی راہ تک رہے ہیں کہ کب قیامت ہو اور ہم دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں لیکن خدا اور اس کے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں نہیں۔ خدا کہتا ہے موت اور قیامت ساتھ ساتھ ہیں۔ نبی کریمؐ نے واضح الفاظ

ہیں فرمایا ہے وَاِذَا مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ. جو مر گیا اس کی قیامت ہوئی یعنی وہ آخر سانس کے خاتمہ کے ساتھ ہی دوسرا جسم لے کر پرواز کر گیا اور وہ ملائکہ کی ہمراہی میں خدا کے حضور پہنچ گیا. ظاہر ہے ملائکہ اس روح کو عالم بالا تک لے جائیں گے تو وہ زمین پر تو نہیں آسمان کی طرف قدم بڑھائیں گے یہی وہ کھلا میدان ہے.

سورہ النزعٰت میں ساھرۃ کا مفہوم کیا ہے!

سورۃ النزعٰت میں ساھرہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے سورہ النزعٰت آئت نمبر ۱۳ - ۱۴ : سوو تو بس ایک ڈانٹ ہوگی پھر وہ یکایک کھلے میدان میں ہونگے بعض حضرات نے ساھرۃ کے معنی خواب سے بیدار ہونے کے لیے ہیں بہرحال یہ دونوں معنی بیک وقت اکٹھا بھی استعمال ہوسکتے ہیں ان امور کی مزید تشریح انشاء اللہ آگے آئے گی جو آپ کی تسلی کردے گی.

ہماری سوچ اور ملائکہ کی سوچ میں زمین و آسمان کا فرق ہے

میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہماری سوچ بچار اور ملائکہ کی سوچ بچار میں زمین و آسمان کا فرق ہے قرآن حکیم میں وہ اکثر باتیں تو ہماری سوچ بچار کے تحت کرتے ہیں لیکن ایسی باتوں کی بھی کمی نہیں جو وہ ان لوگوں کو کلام مرموز میں پیش کرتے ہیں جنہیں آیات قرآنی میں کرید کا عشق ہے وہ ہر حالت میں سوتے، جاگتے، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان آیات کا تعاقب کرتے رہتے ہیں جو ان کی نظر میں حامل اسرار و رموز ہیں۔ اور آخرکار قادر مطلق اپنے رحم و کرم سے ایسے سائلوں کی جھولیاں بھر دیتے ہیں۔

اصل زندگی وہ ہے جہاں موت کا گذر نہیں!

موت وحیات کی یہ گتھی آسانی سے سلجھ جائے گی اگر ہم یہ جان لیں اور جان لینے کے بعد اس پر کامل ایمان بھی لے آئیں کہ خدا کی نگاہ میں، ملائکہ کی نگاہ میں زندہ کون ہے؟ زندوں کا اتہ پتہ مل گیا تو مردے خود بخود شناخت ہو جائیں گے سب سے پہلے تو آپ خدا ہی کو لیجیئے وہ حی لاموت ہے ایسا زندہ جسے موت نہیں اسی اصول کے تحت اصل زندگی وہ ہے جہاں موت کا گذر نہیں۔ جہاں پروانۂ موت جاری ہو چکا ہو اور موت کا سایہ سر پر منڈلا رہا ہو کہ ابھی آئی کہ آئی۔ اسے زندگی نہیں کہہ سکتے۔ خدا نے اس نہائت قلیل وقفہ کو ہمارے سمجھانے کی خاطر حیات دنیا کہا ہے آخر عوام کو سمجھانے کے لیے اس وقفہ کو کوئی نام بھی تو دیا جانا تھا اصل چیز وہی ہے یعنی عالم برزخ۔ اور قیامت کا انتظار۔ اور یہ وقفہ بھی ناچنے ناپنے کے لیے نہیں دیا حالانکہ خداتعالیٰ نے اس امر کی توضیح بھی کر دی ہے۔

حیات اخروی ایک نعمت ہے قابل شکر!

سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۴: "اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور ہمیشہ کی زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ سمجھتے" تو خداتعالےٰ کے نزدیک وہ لوگ بے سمجھ اور بے وقوف ہیں جو صرف حیات دنیا کی ظاہریت پر نگاہیں گاڑے بیٹھے ہیں اللہ تعالےٰ نے حیات اُخروی کو ایک بڑی نعمت قرار دیا ہے اور بار بار انسان کو آگاہ کیا ہے وہ زندگی جو تمہیں ملنے والی ہے ایک نعمت ہے تم کس طرح ناشکری کر سکتے ہو۔ سورۃ بقرہ آئت نمبر ۲۸: تم اللہ کی کیسی ناشکری کرتے ہو۔ اور تم مردہ تھے اس نے تم کو زندہ کیا پھر تم کو مارتا ہے اور پھر تم کو جلاتا ہے پھر تم اس

کے پاس چلے جاتے ہو یا لے جائے جاتے ہو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ زندگی بڑی نعمت اور قابل تشکر شے ہے۔

خدا نے انسان کو کیوں موتیٰ کہا ہے مُوتُوا قبل انت مُوتُوا کا مطلب

خدا تعالیٰ نے جو انسان کو موتیٰ اور میتون کہا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں دار فانی میں مرنے کی پابندی ہے حیات اخروی کی ابدی زندگی جو ہزاروں نہیں لاکھوں سال یا شاید اس سے بھی زیادہ تک چل سکتی ہے اس کے مقابلہ میں یہاں کی پچاس ساٹھ سالہ زندگی ایک مذاق نہیں تو اور کیا ہے مذاق سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں زمانہ کی نسبت سے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ سلسلہ قادریہ میں ایک شغل کراتے ہیں جسے مُوتُوا قبل اَن تموتوا کہتے ہیں مطلب تو ہے کہ انسان کو مرنے سے پہلے مر جانا چاہیے۔ مراد اس سے ترک خواہشات ہے لیکن دراصل اس تصور کو بندھاتے اور پختہ کراتے ہیں کہ سالک ہر وقت اپنے آپ کو ایک مردہ تصور کرے اور جسم کو اپنی ذاتی شعور سے بالکل الگ تھلگ سمجھے پھر کہیں آخر میں جا کر اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ تم تصور کا تکلف نہ بھی کرو۔ تمہاری اصل حیثیت ہی مردہ کی ہے۔

خدا کن لوگوں کو زندہ سمجھتا ہے

خدا تعالیٰ جن لوگوں کو زندہ سمجھتا ہے وہ یہ لوگ ہیں سورۂ آل عمران ۱۶۹۔۱۷ وہ لوگ جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو (اپنے جیسا) مردہ مت خیال کرو۔ بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں اور وہی انہیں رزق دیتا ہے اور وہ اس چیز سے خوش ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی اور ان کی طرف سے جو ان کے پیچھے ہیں

اور اب تک ان میں نہیں ملے خوش خبری لیتے ہیں یہ کہ نہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ ان کو کچھ غم. وہ خدا کی طرف سے نعمت اور فضل سے خوش وقت ہیں اور اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا.

ملائکہ اور خدا کی نگاہ میں مردہ کون ہے اور زندہ کون؟

اب آپ بتائیں کہ اصل مردہ کون لوگ ہیں ہم یا وہ. اور زندہ کون لوگ ہیں وہ جنہیں ہم زندہ کہتے ہیں یا وہ
جنہیں ملائکہ اور خدا زندہ کہتے ہیں. یہاں جو حوادثات زمانہ ہمارے لیے عذاب قبر بن گئے ہیں ان سے چھٹکارا صرف ان لوگوں کو ہے جو وہاں جا کر خدا کے مقربین میں شامل ہو جاتے ہیں اور جو وہاں کا کھانا پینا ہے اس کے مزے لیتے ہیں اور ایسی خوشی زندگی گزارتے ہیں سورہ الحج آئت نمبر ۶۶ : وہی خدا جس نے تمہیں زندہ کیا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرتا ہے بے شک انسان ناشکرا ہے اس میں بھی حیات اخروی کو ایک قابل شکر نعمت قرار دیا ہے.

وہ لوگ احمق ہیں جو دنیا کے جینے کو جینا سمجھتے ہیں.

(قرآن کی آیت)

سورہ اعلیٰ آئت نمبر ۱۶۔۱۷ "تم انسان حیات دنیا کو ترجیح دیتے ہو. حالانکہ حیات اخروی خیر و برکت والی اور باقی رہنے والی ہے". العنکبوت آئت نمبر ۶۴: "یہ دنیا کا جینا تو محض جی بہلانا اور کھیل تماشہ ہے اصل زندگی تو دار الآخرت کی زندگی ہے اگر ان لوگوں کو عقل ہوتی": ان آیات میں واضح الفاظ میں بے عقلوں یعنی بے وقوفوں اور احمقوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے کہ دنیا کے جینے کو جینا سمجھنے والے اور اسے حیات اخروی پر ترجیح دینے والے کم عقل لوگ ہیں.

خداتعالیٰ روح کی قبر یعنی جسم کا ذکر کرتا ہے یہ لوگ جسدِ خاکی کی قبر کو لیے پھرتے ہیں

اب اس سے بڑی تصدیق آپ کیا چاہتے ہیں کہ خداتعالیٰ اور ملائکہ اور عالم امر والوں کی نظر میں مردہ کون لوگ ہیں اور زندہ کون؛ اب آپ خود ہی خود سے سوال کریں کہ کیا ہم مردہ ان زندوں سے جو اس دنیا کو چھوڑ کر جا چکے ہیں بہتر ہیں یا نہیں۔ اس مختصر سی وضاحت کے بعد آپ اس ٹھوس حقیقت سے کماحقہٗ آگاہ ہو چکے ہونگے کہ ہم ہی موتی ہیں چونکہ موتی قبروں میں مدفون ہوتے ہیں چنانچہ اس اسرع الحاسبین نے اپنے سچے کلام اور پکے وعدہ کے مطابق ثمّ اماتهٗ فاقبرهٗ کے تحت ہمیں حوالہ موت کر کے جسم انسانی کی قبر میں روح کو دفن کر کے بھیجا۔

ہم موتیٰ ہیں جسم کی قبر میں پڑے قیامت کے منتظر ہیں

موت مل چکی، قبر میں گاڑا جا چکا تو زمانہ برزخ کا آغاز ہو گیا۔ عالم قبر کا آغاز ہو گیا اور یہ ساٹھ پینسٹھ سال جو اس قبر کی قید میں گذر رہے خدا نے اسے ہمارے سمجھانے کی خاطر حیات دنیا قرار دیا کہ اس عالم برزخ کا نام تم اپنے طور پر حیات دنیا رکھ لو۔ اس عالم قبر میں پڑے کبھی دائیں ہاتھ والی کھڑکی یعنی اعمال صالحہ کے بدلے میں ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لیتے ہیں راحت و آرام سے گذر بسر ہوتی ہے اور کبھی ہم اعمالِ خبیثہ کی وجہ سے جسے استعارتاً بائیں کھڑکی کہا گیا ہے مصائب و آلام اور حوادث روزگار کے جہنمی شعلوں میں جلتے بھنتے ہیں۔

قبر کی دائیں کھڑکی کھلنے سے راحت یعنی اعمال صالحہ کا حاصل ہے بائیں کھڑکی کا کھلنا اور مصائب جھیلنا اعمال بد کا حاصل ہے

الحاصل حیات دنیا۔ عالم قبر۔ عالم برزخ تینوں ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں نام خواہ ہزاروں ہوں اس کی معنویت تو نہیں بدل جاتی۔ ورنہ یہ صورت حال کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جو انسان اس دنیا سے چلے گئے ہیں قیامت تک (جس سے مراد وہ غیر محدود عرصہ لیتے ہیں) قبروں میں دوبارہ جی اٹھنے کے لیے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں بعید از فہم اور ناممکن العمل ہے۔

گناہ گار سائل کی خدا کے حضور واپس دنیا میں آنے کی درخواست

اب آیئے اس بات پر خدا کی گواہی بھی لیں۔ کیونکہ سورۃ النساء آیت نمبر ۸۷" باتوں میں اللہ سے زیادہ سچا کون ہے" سورۃ المومنون آیت نمبر ۹۹ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ یہ ترجمہ شیخ الاسلام حضرت مولٰنا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے" یہاں تک کہ جب پہنچی ان میں سے کسی کو موت تو کہے گا میرے رب مجھ کو پھر بھیج دو شائد میں کچھ بھلا کام کروں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا یہ ایک بے وزن بات ہے جو وہ کہتا ہے یعنی انہونی بات ان کے پیچھے برزخ ہے یوم البعث یعنی دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک تو پھر جب پھونک ماریں صور میں نہ اس دن قرابتیں ہیں اور نہ کوئی ایک دوسرے کا پرسان حال ہوگا۔

ان آیات میں سائل خدا کے حضور بقائمی عقل و شعور درخواست کی ہے

کہ اسے پہلا جسم دے کر دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ اعمال صالحہ کر سکے لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کی جواب میں اس قسم کے سب سائلوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تمہاری اس درخواست میں مطلق کوئی وزن نہیں اور یہ بات بالکل انہونی ہے کہ دوبارہ پھر تمہیں وہی مادی جسم دے کر بھیجے گا جس کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو مادی دنیا میں بھیجا جائے۔ وہ اس لیے کہ تم دنیا میں اپنے بدن کی قبر میں عالم برزخ سے یوم بعث یعنی دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک کا زمانہ ایک بار طے کر کے یہاں آچکے ہو۔ دوبارہ جی اٹھنے کا دن جو نفخ صور کا ایک حصہ ہے تم وہ بھی گزار چکے ہو اور اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارے عزیز و اقارب اس سلسلہ میں تمہاری مدد کریں گے تو وہ تمہیں اس دن کی مصیبت سے نہ بچا سکے جس دن آدمی بھائی سے بھاگتا ہے اور اپنی ماں اور باپ سے اور اپنے بیوی بچوں سے جدا ہو جاتا ہے کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوتا۔ تو اب ان سے کس بات کی امید رکھتے ہو۔ اب یہ ممکن نہیں کہ تمہیں سابقہ جسم میں لوٹایا جائے۔ جو تمہاری اصلی خواہش ہے۔

خدا کا سائل کی واپسی کی درخواست کا جواب اور اس کی وضاحت!

ان آیات میں خدا تعالےٰ نے اس بات کا اظہار بھی کیا ہے کہ اعمال کی قدر و قیمت وہاں جا کر ہوتی ہے۔ وہاں جا کر سائل کی جو بالمشافہ بات چیت ہوتی ہے خدا تعالےٰ اسے آگاہ کرتا ہے کہ تمہیں یہاں آکر اس حقیقت کا علم ہوا کہ دنیاوی زندگی میں اعمال صالحہ کی کیا قدر و قیمت ہے یہی تمہارا تحریری ٹیسٹ تھا جو تمہارے خدا داد قلم یعنی جسم انسانی سے دنیا میں وقوع پذیر ہوا۔ اور جس میں تم بُری طرح ناکام ہوئے یہ ہیں تمہاری جوابات کی کاپیاں۔

بتاؤ اس میں تمہارے ساتھ کیا زیادتی ہوئی تم نے جو کچھ لکھا اتنے ہی تمہیں نمبر ملے۔ پرچہ ہی کورے کا کورا ہوا۔ پوچھے گئے سوالوں سے ہٹ کر ادھر ادھر کی لاحاصل اور لایعنی باتوں سے پرچے کو بالکل سیاہ کر دیا جائے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔

میری مہربانی اور شفقت کا تو یہ عالم تھا کہ تم جو ایک نیکی کر گزرتے تھے اس کے بدلے میں تمہیں دس نیکیوں کا اجر مل جاتا تھا اور اگر تم صرف ایک نیکی کا خیال ہی دل میں لاتے تھے تو میرا ماتحت عملہ اسے بھی درج کر لیتا تھا۔ اس کے برعکس تم ایک برائی کرتے تھے تو صرف ایک ہی بدی لکھی جاتی، اور اگر تم اپنے جی میں کوئی گندے سے گندا خیال بھی لاتے تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ بلکہ تمہارے ارتکاب گناہ کے باوجود میرا عملہ تمہاری توبہ کا منتظر رہتا۔

حافظ فرمان علی مرحوم کا ان آیات کا ترجمہ

مولانا فرمان علی رحمتہ اللہ علیہ جو مومنین حضرات کے جید عالم گزرے ہیں انہوں نے ان آیات کا ترجمہ یوں کیا ہے" ان میں سے جب کسی کو موت آئی۔ تو کہنے لگے کہ اے پروردگار تو مجھے ایک بار پھر اس مقام (دنیا) میں جسے میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں پھر واپس کر دے تاکہ میں اب کی دفعہ اچھے اچھے کام کروں جواب دیا جائے گا ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ ایک لغو بات ہے جسے وہ بک رہا ہے ان کے بعد عالم برزخ ہے جہاں اس دن تک کہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے رہنا ہوگا۔ پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا تو پھر اس دن نہ لوگوں میں قرابت داریاں ہونگی اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے۔

عربی میں ایک لفظ کے کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں کَانَ، ماضی، حال، مستقبل اور مضارع کے معنوں میں

عربی زبان بڑی فصیح ہے ایک ایک لفظ کے متعدد معنی ہیں اور بعض معنی ایک دوسرے کے بالکل الٹ۔ اور یہ فہرست کافی طویل ہے لفظ کان ماضی حال مستقبل تینوں معنوں میں مستعمل ہے مضارع حال و مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے

سورہ المومنون آیات نمبر ۹۹ میں ایک لفظ وراءٔ آیا ہے قرآن حکیم میں مترجمین نے اسے چار معنوں میں استعمال کیا ہے ۱ آگے ۔ ۲ ۔ پیچھے ۔ ۳ ۔ ماسوا ۔ ۴ ۔ آگے اور پیچھے دونوں کے لیے ۔ اخقر کی دانست میں اس لفظ وراء کا زیادہ تر استعمال پیچھے کے معنوں میں ہوا ہے آئیے اب پھر قرآن حکیم کا رخ کرتے ہیں اور اس بات کا پتہ لگاتے ہیں کہ لفظ وراء قرآن حکیم میں کتنی مرتبہ آیا ہے اور مفسرین و مترجمین نے اپنے اپنے طور پر کن معنوں میں لیا ہے ان حوالہ جات کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمیں قرآن حکیم کی روشنی میں یہ دیکھنا ہے کہ برزخ سائل اپنے پیچھے چھوڑ آیا اور یہ کہ کیا فطرت اللہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ شدید قسم کے عذاب کے بعد اسے پھر برزخ کی راہ دکھائی جائے ۔

لفظ وراء پیچھے کے معنوں میں

میں سورہ المومنون کی آیات ۹۹ تا ۱۱۴ تک کو مکمل بامعنی پیش کرتا ہوں تاکہ آپ خدا تعالے کے سائل کے ساتھ مکمل سوالات و جوابات اور سیاق و سباق اچھی طرح سمجھ سکیں ۔ اس کے بعد وہ حوالے پیش کیئے جائیں گے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ یعنی وہ آیات جن میں وراء آیا ہے ترجمہ سورہ المومنون آیات نمبر ۹۹ ۔ ۱۱۴ " یہاں تک کہ جب ان میں

سے کس کو موت آجائے تو کہے گا اے پروردگار تو مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج دے
تاکہ میں اس میں جسے میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک
ایسی بات ہے جو ناممکن العمل ہے۔ اور ان کے پیچھے برزخ ہے۔ اس دن تک کہ
جب مردے اٹھائے جائیں گے وہ رہے گا۔ صور پھونکے جانے کے بعد نہ تو ان
میں قرابت داریاں رہتی ہیں اور نہ ایک دوسرے کے پرسان حال ہونگے۔ تو
جن کے اعمال کے بوجھ بھاری ہونگے۔ وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جن کے
بوجھ ہلکے ہونگے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا ہمیشہ
دوزخ میں رہیں گے۔ آگ ان کے مونہوں کو جھلس دے گی۔ اور وہ اس میں
تیوری چڑھائے ہونگے۔ کیا تم کو میری آئتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں تم ان کو
سنتے تھے اور جھٹلاتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر ہماری کم بختی غالب ہوگئی
اور ہم راستے سے بھٹک گئے۔ اے پروردگار ہم کو اس میں سے نکال دے۔
اگر ہم پھر ایسے کام کریں تو ظالم ہونگے۔ خدا فرمائے گا اسی ذلت کے ساتھ پڑے رہو
اور مجھ سے بات نہ کرو۔ میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو دعا کیا کرتا تھا۔ کہ ہمارے
پروردگار ہم ایمان لائے۔ تو ہم کو بخشش دے اور تو ہم پر رحم کر۔ تو سب سے
بہتر رحم کرنے والا ہے۔ تو تم ان سے تمسخر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ تم نے میری
یاد تک بھلادی۔ اور تم ہمیشہ ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ آج میں نے ان کو صبر
کا بدلہ دے دیا کہ وہ کامیاب ہو گئے۔

سورۃ المومنون آیات نمبر ۹۹ تا ۱۱۴ کی وضاحت کے بعد ٹھوس حقائق کا تعین

آیات بالا کا ترجمہ پڑھنے کے بعد چند
واضح حقائق مندرجہ ذیل امور کی یقین
دہانی کراتے ہیں۔

۱۔ گناہ گار سائل مرنے کے فوراً بعد ملائکہ

کی وساطت سے خدا کے حضور لے جایا جاتا ہے اور وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے۔
۲۔ وہاں جا کر سائل کو اعمال صالحہ کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔
۳۔ سائل خدا کے حضور درخواست گذار ہے کہ اسے اعمال صالحہ کرنے کے لیے ایک بار پھر واپسی کا موقع دیا جائے۔
۴۔ یہ گفتگو اس دنیا میں نہیں دور کہیں عالم بالا میں ہوئی۔
۵۔ صرف دنیا میں جانا سائل کا اصل مقصد نہیں۔
۶۔ اعمال صالحہ کرنے کے لیے گناہ گار سائل اپنا سابقہ مادی جسم مانگتا ہے جو وہ پیچھے چھوڑ آیا جس کے بغیر اعمال صالحہ ممکن نہیں۔
۷۔ دنیا میں تو وہ کسی وقت بھی موجودہ روحانی جسم کے ساتھ کھلے بندوں جاسکتا ہے۔
۸۔ خدا سائل کے اس مطالبہ کو لغو، بے بنیاد اور ناممکن العمل قرار دیتا ہے
۹۔ خدا تعالیٰ گنہ گار سائل کو آگاہ کرتا ہے کہ وہ اپنا عالم برزخ، نفخ صور اور یوم البعث کے تمام مراحل اپنے پیچھے چھوڑ کر اپنے دوسرے نئے جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر اس کے حضور پہنچا ہے۔
۱۰۔ اللہ تعالیٰ اسے یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے اپنے تمام اعزہ اقرباء اور جملہ قرابت داریاں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ جو دنیا میں اس کو موت کے منہ میں جانے سے نہ بچا سکے۔ اب اسے کیا فائدہ دیں گے۔
۱۱۔ جزا سزا کا معاملہ خدا کے حضور حاضر ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔
۱۲۔ وہ اس لیے کہ سائل عالم قبر و برزخ، نفخ صور، یوم البعث یعنی قیامت کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد ملائکہ کی وساطت سے خدا کے حضور پہنچا ہے اور اب صرف جزا و سزا کا مرحلہ ہی باقی رہ گیا ہے جو شروع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ یہ اس لیے کہ سائل نے پچھتاوے کے عذاب میں مبتلا ہو کر اعمال صالحہ کے لیے واپسی کی درخواست کی۔

۱۴۔ گنہگار سائل کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ بھاری تولوں والے یہاں آکر کامیاب اور بامراد ہوتے ہیں۔

۱۵۔ گناہ گار سائل کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ ہلکی تولوں والے یہاں آکر ناکام اور نامراد ہوتے ہیں۔

۱۶۔ سائل کو اس حقیقت سے باخبر کیا جاتا ہے کہ تمہارے عذاب کا سب سے بڑا سبب میری آیات کو جھٹلانا ہے۔

۱۷۔ سائل کو اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ یہ آیات تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں لیکن تم مذاق اڑاتے تھے۔

۱۸۔ مجرم اقرار کرتا ہے کہ اس کی بدبختی نے اسے گھیر لیا اور وہ گمراہ ہوگیا

۱۹۔ گناہ گار دوبارہ خدا سے عرض کرتا ہے کہ اسے ایک بار جہنم سے نکالے۔

۲۰۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہ گار عذاب الیم میں مبتلا ہے۔

۲۱۔ مجرم دوبارہ کفر نہ کرنے کا حتمی وعدہ کرتا ہے۔

۲۲۔ گناہ گار اس امر کا بھی وعدہ کرتا ہے کہ اگر وہ اب کے دنیا میں جاکر کفر و شرک کا ارتکاب کرے تو پھر بے شک اسے گناہ گار قرار دے کر واقعی سزا دی جائے۔

۲۳۔ خدا تعالےٰ اس کی تمام منت و سماجت کو قابلِ غور نہیں سمجھتا اور اسے جہنم میں پھٹکارے ہوئے پڑا رہنے کو کہتا ہے۔

۲۴۔ خدا تعالےٰ گناہ گار مجرم کو سختی سے کہتا ہے کہ اب وہ میرے ساتھ

مزید بات چیت نہ کرے۔

۲۵۔ اللہ تعالٰے بتاتا ہے کہ میرے ہاں صرف صاحب ایمان لوگ جو میری بخشش کے طالب ہوتے ہیں بامراد ہوتے ہیں۔

۲۶۔ اور یہ کہ صاحب ایمان لوگوں نے اپنے اِس صبر کا بدلہ پایا جو تم ان پر تمسخر کا عذاب نازل کرتے تھے۔

۲۷۔ اور تم ان کے تمسخر اور مذاق میں ان کے پیچھے اس حد تک پڑ گئے کہ تم میرا نام زبان تک لانا بھول گئے۔

حضرات! اب آپ پورے انصاف سے کہیئے کہ کیا یہ سب مراحل طے ہونے کے بعد جزا و سزا کا زمانہ شروع ہونے کے بعد اللہ سائل کو ریورس گیر لگا کر واپس لوٹائے گا۔ اور اگر وہ ایک کو دوبارہ مادی جسم دے کر اس دنیا میں اعمال صالحہ کی خاطر لوٹائے گا۔ تو باقی جہنمیوں نے کیا بگاڑا ہے۔ وہ بھی واپسی کا مطالبہ کریں گے۔

لفظ وراء کا استعمال قرآن حکیم میں زیادہ تر پیچھے کے معنوں میں ہوا ہے۔

اب میں ان آیات کو پیش کرتا ہوں جس میں لفظ وراء کو استعمال کیا گیا ہے تاکہ اس امر کا فیصلہ ہو سکے کہ سائل گنہگار اللہ تعالٰے سے ہمکلام ہونے سے پہلے عالم برزخ اپنے پیچھے چھوڑ کر آیا ہے یا برزخ ابھی اس کے آگے ہے۔ سب سے پہلے وہ بڑی ہی مشہور آیت پیش کیجاتی ہے جو جاہل سے جاہل بھی جانتا ہے۔

1۔ سورۃ انشقاق آیت نمبر ۱۰: اور جسے دیا گیا اعمال نامہ پیٹھ پیچھے سے (من وراء ظهره هم) وہ موت کو پکارے گا اور دوزخ میں جائیگا

وہ اپنے اہل وعیال میں خوش وقت تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ ہرگز خدا کی طرف نہ لوٹے گا۔

۲۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱: پس چاہیے کہ کھڑی ہو جاوے ایک جماعت تیرے ساتھ ان میں سے، اور چاہیئے کہ اپنے ہتھیار لیویں پس جس وقت سجدہ کر لیویں پس چاہیئے کہ وہ ہو جاویں تمہارے پیچھے۔ اور چاہیے کہ ایک اور جماعت آجاوے۔

۳۔ الشوریٰ آیت نمبر ۵۱: اور نہیں طاقت کسی آدمی کی کہ بات کرے اس سے اللہ مگر جی میں ڈال کر یا پردے کے پیچھے یا بھیج دے فرشتہ۔

۴۔ الدھر آیت نمبر ۲۷: تحقیق یہ لوگ دوست رکھتے ہیں دنیا کو اور چھوڑ دیتے ہیں اپنے پیچھے ایک بھاری دن۔

۵۔ ابراہیم آیت نمبر ۱۶:۔ اور آوے اس کو موت ہر جگہ سے اور نہیں وہ مرنے والا (کیونکہ ایک بار مر چکا) اور آگے جہنم میں ہے اس کو گاڑھا عذاب۔

۶۔ البروج آیت نمبر ۲۰۔ اور اللہ تعالےٰ ان کافروں کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ حضرات اب یہ فیصلہ آپ خود کریں کہ برزخ ان کے پیچھے ہے یا آگے؟

ایک بار مر چکنے اور دوبارہ جی اٹھنے کے بعد برزخ، موت اور قیامت کا کوئی مسئلہ نہیں

ان سب آیات کا حوالہ دے کر خدا تعالےٰ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ سائل جملہ مراحل طے کر کے خدا کے حضور ملائکہ کی وساطت سے عالم بالا میں پہنچا۔ اور یہ تمام تر گفتگو اور باہمی سوال وجواب دوبارہ زندہ جی اٹھنے کے بعد نئے روحانی جسم سے ہوئے۔ اور یہ کہ وہ اب ابدی زندگی کے دور میں داخل ہو کر اپنی سزا جزا کا دور شروع

کرچکا ہے اور یہ کہ اب وہ قبر و برزخ۔ نفخ۔ صور اور قیامت کے دور سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گذر چکا۔ اور سب سے اہم اور سب سے ضروری نکتہ یہ ہے کہ یہ اس قسم کی گفتگو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت کبریٰ تک گناہ گار کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے اور یہ کہ گناہ گار اور نیکوکار۔ مومن و کافر اس وقت بھی جزا و سزا کے دور سے گذر رہے ہیں اور گذرتے رہیں گے اب آیئے لفظ صور کی جامع وضاحت قرآن حکیم کی روشنی میں باب الصور میں کرتے ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰہ۔

برزخ کے بارے میں ایک اہم نقطہ مت بھولیے اور وہ یہ ہے کہ برزخ نام ہے پردے کا جس چیز پر پردہ ڈالا جائے وہ چھپ جاتی ہے وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے یہ جسم روح کا برزخ یعنی پردہ ہے روح نظر نہیں آتی جسم نظر آتا ہے برزخ راستے سے ہٹے یہ پردہ آگے سے دور ہو تو روح کھل کر سامنے آئے یہ ہے خداداد قبر۔ آپ جس کو قبر کا نام دیتے ہیں یعنی مٹی کا ڈھیر جس کے اندر مردہ دفن ہے وہ مٹی کا ڈھیر بھی برزخ ہے لیکن وہ برزخ ہے اس مردے کا جو اس کے اندر دفن ہے یعنی مٹی کے ڈھیر میں اس مردہ جسم کو اپنے اندر چھپا رکھا ہے مٹی کا ڈھیر راستے سے ہٹے تو ظاہر ہے مردہ نظر آئے گا۔ خداداد قبر کے مردے میں کام کرنے کی صلاحیت ہے خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے۔ لیکن وہ مردہ جو آپ کی بنائی ہوئی قبر میں دفن ہے وہ دنیا میں اپنے کام ختم کر چکا۔ یہ مٹی کا ڈھیر تو محض جسد خاکی کو چھپانے کا ایک طریقہ ہے سورۃ الملک آیت نمبر ۲ ۞ الذی خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملا اس آیت میں عمل موت و حیات دونوں میں مشترک ہے یعنی ایسی موت ایسا مردہ جو خدا کی نگاہ میں بھی میت بھی

ہو اور کام کاج بھی کرتا پھرے۔ یہی وہ موتی ہیں جنہیں خدا تعالےٰ دوبارہ اسی جسم سے آخری سانس کے خاتمے کے ساتھ ہی پہلے جسم سے فارغ کر کے دوسرا روحانی جسم عطا کر دے گا۔ اور اس کا نام قیامت ہے تو قیامت نام ہے شئے پوشیدہ کا پردے سے باہر آنے کا۔

بَاب

الصُّورْ

فطرت کے تقاضوں سے ہوا حشر پہ مجبور!
وہ مردہ کہ بانگِ سرافیل کا محتاج

(اقبالؒ)

قرآن حکیم میں لفظ صور کا استعمال دس بار ہوا ہے

صور اسرافیل یا نفخ صور کی وضاحت قرآن حکیم کی روشنی میں لازمی ہے. تاکہ آپ کو اس کی حقیقت کا علم ہو سکے. لفظ صور قرآن حکیم میں دس مرتبہ آیا ہے. لیکن اسرافیلؑ کا نام ایک بار بھی نہیں آیا. لفظ جبرئیل تین مرتبہ اور لفظ میکال (میکائیل) صرف ایک مرتبہ آیا ہے. اب وہ آیات سنیئے جن میں صور کا استعمال ہوا ہے.

قرآن حکیم میں لفظ صور کا استعمال آیات قرآنی کی روشنی میں!

۱:۔ الکھف آئت نمبر ۱۰۰:۔ اور پھونکا جائے گا بیچ صور کے پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے اکٹھا کریں گے.

۲:۔ الانعام آیت نمبر ۷۳: اور جس دن صور کے بیچ پھونکا جائے گا اس دن بادشاہی اسی کی ہے.

۳۔ المومنون آئت نمبر ۱۰۱:۔ پس جب صور کے بیچ پھونکا جائے گا پس ان کے درمیان کوئی رشتہ ناطہ نہیں.

۴۔ النحل آئت نمبر ۸۷ جس دن پھونکا جائے گا بیچ صور کے پس جو کوئی بیچ آسمانوں اور زمینوں کے ہے ڈر جائے گا مگر جس کو اللہ چاہے.

۵:۔ یٰسین آیت نمبر ۵۱:۔ اور پھونکا جائے گا بیچ صور کے پس وہ اچانک اپنے رب کی طرف تیزی سے روانہ ہوں گے (پرواز کریں گے) اور کہیں گے کہ ہماری خواب گاہ سے کس نے جگایا.

۶:۔ الزمر آئت نمبر ۶۸: پس پھونکا جائے گا بیچ صور کے پس بے

بےہوش ہوجائیں گے جو کچھ بیچ آسمانوں اور جو کچھ بیچ زمین کے ہے۔ مگر جس کو اللہ چاہے۔ پھر پھونکا جائے گا بیچ اس کے آخری بار پس وہ ناگہاں کھڑے دیکھتے ہوں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔

۷۔ الحاقہ آیت نمبر ۱۴:۔ اور پھونکا جائے گا بیچ صور کے پھونکنا ایک بار۔

۸۔ ق آیت نمبر ۲۱:۔ اور پھونکا جائے گا بیچ صور کے۔ یہ دن ہے وعدہ عذاب کا اور ہر جی کے ساتھ ایک ہانکنے والا (سائق) اور دوسرا گواہی دینے والا (شہید)۔

۹۔ بے شک جدائی کا ایک دن مقرر ہے جس دن کہ پھونکا جائے گا بیچ صور کے۔ پس آؤ گے تم فوج در فوج۔ اور کھولا جاوے گا آسمان اور ہو جاویں گے دروازے۔

۱۰۔ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۲۔۱۰۳: جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم گربہ چشم گنہگاروں کو اکٹھا کریں گے۔ تو چند کہتے ہوں گے نہیں رہے ہم مگر دس دن۔

نفخ صور کے مسئلہ کے حل کی چابی لفظ مکان قریب کی وضاحت میں ہے

اب سورۂ ق کی آیات نمبر ۴۱-۴۲ ملاحظہ فرمائیں۔ جو نفخ صور کے مسئلہ کی چابی ہے "اور سنو۔ اس دن پکارے گا پکارنے والا، مکان نزدیک سے یا نزدیک کی جگہ سے۔ جس دن سنیں گے آواز تند (نفخ صور) ساتھ حق کے۔ یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔ ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم تک ہی ہے تم سب کو پہنچنا۔ جس دن

زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے۔ اکٹھا کرنا ہم کو آسان ہے
یہ ترجمہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

یہی ترجمہ حافظ فرمان علی صاحب کی نظر میں

اب یہی ترجمہ حافظ فرمان علی رحمۃ اللہ علیہ جو مومنین حضرات کے عالم ہو گزرے ہیں۔ ان کی زبانی سنیئے" اور کان لگا کر سن رکھو جس دن پکارنے والا نزدیک ہی کی جگہ سے آواز دے گا۔ (کہ اٹھو) جس دن لوگ ایک چیخ کو بخوبی سن سکیں گے۔ یہ ہی ان لوگوں کا قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔ بے شک ہم ہی لوگوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اور ہم ہی لوگوں کو مارتے ہیں۔ اور ہماری ہی طرف پھر کر آنا ہے جس دن زمین ان کے اوپر سے پھٹ جائے گی۔ اور جھٹ پٹ نکل کھڑے ہونگے۔ یہ ہے اٹھانا اور جمع کرنا جو ہم پر بہت آسان ہے رقد نیند کو کہتے ہیں اور یہ مصدر بھی ہے جس کا مطلب ہے سو جانا۔ مرقد ظرف مکان ہے یعنی سونے کی جگہ۔ مراد جسم انسانی ہے۔

یہی ترجمہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نظر میں!

یہی ترجمہ حضرت مولنا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے۔" اور کان لگا کر سنو جس دن پکارنے والا پکارے گا۔ ایک پاس جگہ سے۔ جس دن چنگھاڑ سنیں گے ساتھ حق کے۔ یہ دن ہے قبروں سے باہر آنے کا۔ بے شک ہم جلائیں اور ہم ماریں اور ہماری طرف پھر آنا ہے جس دن زمین ان سے پھٹے گی تو جلدی کرتے ہوئے نکلیں گے یہ حشر ہے

ہم کو آسان۔

یہی ترجمہ شاہ رفیع الدّین صاحب کی نظر میں

اب یہی ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولنا اشرف علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنیں "اور سنو اس دن کہ پکارے گا پکارنے والا۔ پاس ہی سے اس دن کہ سنیں گے آواز تند ساتھ حق کے۔ یہ ہے دن نکلنے کا (قبروں سے) تحقیق ہم جلاتے ہیں اور ہم مارتے ہیں۔ اور طرف ہماری ہے پھر آنا۔ اس دن کہ پھٹ جائے گی زمین ان سے۔ جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے۔ یہ اکٹھا کرنا ہمارے اوپر آسان ہے"

ان چاروں مترجمین کی نظر میں مکان قریب کا مطلب

ان چاروں تراجم کے علاوہ دیگر تراجم بھی ملتے جلتے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ نے نزدیک کی جگہ سے بیت المقدس کا پتھر لیا ہے۔ اس لیے نزدیک کہا کہ اس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی۔ اور سب کو یکساں سنائی دے گی۔ اس آواز سے ظاہر مطلب نفخ صور ہے۔

حافظ فرمان علی رحمتہ اللہ علیہ نے نزدیک کی جگہ سے مراد ایسی جگہ لی ہے جیسے کسی نے نزدیک سے پکارا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مکان نزدیک سے مراد وہ جگہ لی ہے جو آسمان کی طرف سے زمین کا سب سے قریبی مقام ہے اور مولنا کی سمجھ کے مطابق وہ بیت المقدس کا پتھر ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب اور مولنا اشرف علی صاحب نے مکان نزدیک سے مراد وہ آوازلی ہے۔ جو بلا تکلف سب کو پہنچے گی۔

نفخ صور کے اثرات و نتائج قرآن حکیم کی روشنی میں

پس نفخ صور کے اثرات وکیفیات کی وضاحت خدا تعالےٰ نے اوپر کی دس آیات کی روشنی میں یوں کی ہے۔

۱۔ خدا تعالےٰ نے خبردار کیا ہے کہ اچھی طرح کان کھول کر سن لو۔ کہ وہ آواز (صور اسرافیل) نزدیک کی جگہ سے پیدا ہوگی۔

۲۔ وہ آواز انتہائی تیز چیخ دار یا ڈانٹ یا جھڑکی یا چنگھاڑ کی مانند ہوگی

۳۔ آواز کے خاتمے کے ساتھ ہی دوبارہ جی اٹھنا ہوگا۔

۴۔ دوبارہ جی اٹھنے کے بعد دو ملائکہ کی راہنمائی میں خدا کے حضور پہنچنا ہے۔

۵۔ اس دن بادشاہی خدا کی ہوگی۔

۶۔ کوئی رشتہ ناطہ کام نہ آئے گا (جو موت سے بچا سکے)

۷۔ سب کو اکیلا اکیلا اکٹھا کیا جائے گا۔

۸۔ اس آواز سے لوگ یکساں متاثر نہ ہونگے۔

۹۔ اکثر اس آواز تند سے گھبرا جائیں گے

۱۰۔ اس تند آواز یا جھڑکی یا چنگھاڑ یا ڈانٹ کے ساتھ ہی انسان جسم کی قبر سے اٹھ کھڑا ہوگا اور اپنے نئے روحانی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف مائل بہ پرواز ہوجائے گا۔

۱۱۔ وہ اس حقیقت سے کلی طور پر آگاہ ہوجائے گا کہ جسم انسانی اسکی خواب گاہ رہا ہے۔

۱۲۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ ہو جائے گا کہ حیاتِ دنیا یا عالم برزخ خواب کی مانند گزر گیا۔

۱۳۔ اس آواز سے اکثر لوگ بے ہوش ہو جائیں گے لیکن سب نہیں۔

۱۴۔ آخری بار صور پھونکنے پر وہ اچانک دوسرے جسم میں اٹھ کھڑے ہونگے

۱۵۔ صرف ایک بار صور پھونکنے سے وہ اپنے پہلے جسم سے الگ ہوکر دوسرے جسم میں آجائیں گے۔

۱۶۔ صور پھونکنے کا دن سخت مصیبت کا دن ہو گا۔

۱۷۔ روحانی جسم عطا ہونے کے بعد آنکھوں کے آگے سے پردہ ہٹ جائے گا اور نگاہ تیز ہو جائے گی

۱۸۔ یہ اپنے عزیز و اقارب سے جدائی کا دن ہو گا۔

۱۹۔ آپ فوج در فوج ہوکر اپنے ہلکے پھلکے جسم کے ساتھ آسمان (عالم ملکوت کی طرف پرواز کر جائیں گے)

۲۰۔ آسمانی دروازے کھول دیئے جائیں گے اور خوش آمدید کہا جائے گا۔

۲۱۔ آسمانی دروازوں میں سے گذرنے کے لیے ظاہر ہے وہ چل کر نہیں پرواز کر کے پہنچیں گے۔

۲۲۔ گناہ گار نیلی آنکھوں والے ہوں گے۔

۲۳۔ یہ آواز اس دنیا کی آخری آواز ہو گی جو قوت سماعت کے مرکز سے ہی داخلی طور پر پیدا ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا جسم پہلے جسم سے سر کے راستے باہر آجائے گا۔

یہ وہ کیفیات اور تاثرات ہیں جو صور پھونکتے ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

نظام سماعت کے کنٹرولر اسرافیل علیہ السلام ہیں باقی سب ان کا ماتحت عملہ ہے

ایک بات نوٹ کرلیں کہ جس طرح احقر نے سابقہ اوراق میں لکھا ہے کہ انسانی نظام تنفس کو کنٹرول کرنے والے فرشتے ہیں، اسی طرح دو فرشتے جو نظام سماعت کو کنٹرول کرتے ہیں وہ نائبین اسرافیل کہلاتے ہیں۔ جس طرح وحی لانے والے صرف جبرئیل علیہ السلام ہی نہیں اور بھی وحی لانے والے ہیں جن کی رب کریم نے قسم کھائی ہے۔ اسی طرح نظام سماعت کے کنٹرولر اعلیٰ تو اسرافیل علیہ السلام ہیں باقی سب ان کے ماتحت عملہ ہیں۔

مکان قریب سے آنیوالی آواز کوئی خارجی آواز نہ ہوگی یہ انسان کے اپنے مرکز سماعت سے آئیگی۔

تو یہ ہیں وہ کیفیات اور اثرات جو صور پھونکتے ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں سب سے پہلے اس امر کی وضاحت نہائت ضروری ہے کہ مکان قریب سے کیا مراد ہے مکان قریب کے متعلق بنیادی بات یہ ہے کہ یہ آواز کوئی خارجی آواز نہیں ہے یہ آواز ہر زیر مرگ کو اپنے پاس ہی سے اپنے کانوں کے اندر سے آئے گی۔ جسے وہ خود ہی سن سکے گا کوئی دوسرا جو مرتے ہوئے انسان کے پاس بیٹھا ہوگا۔ وہ اس آواز کو قطعاً نہ سن سکے گا۔ جیسے کسی کے کان سے شوں شوں یا سیٹی کی سی آواز آتی ہے جسے کان بجنا کہتے ہیں۔ بالکل یہی آواز ہر مرنے والے خصوصاً بستر مرگ پر مرنے والے کے کان میں اس وقت آنا شروع ہوجاتی ہے جب اسپر نیم بے ہوشی جسے سکرات الموت کہا جاتا ہے، طاری ہوجاتی ہے

قوت سماعت ہی وہ واحد حس ہے جو شکم مادر سے ہی کام کرنا شروع کر دیتی ہے

حواس خمسہ میں سے صرف قوت سماعت ہی وہ واحد حس ہے جو شکم مادر سے ہی اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچہ بیرونی دھماکہ سے متاثر ہو جاتا ہے اور یہی وہ قوت سماعت ہی ہے جو بوقت موت ہی انسان کا پیچھا چھوڑتی ہے قوت سماعت کے اس بتدریج خاتمے جو عام طور پر عالم بے ہوشی میں ہوتا ہے۔ ایک باریک سی سیٹی کی آواز بالکل ایسی ہی جیسے کسی سٹیشن کے کھلنے سے ٹی۔ وی یا ریڈیو پر آتی ہے، آنی شروع ہو جاتی ہے اگر اس ایک آواز کے دوران بے ہوشی غالب رہے تو اس صورت میں ہی مرنے والے کا آخری وقت پورا ہو جاتا ہے

قوت سماعت کا خاتمہ ایک آخری زبردست اندرونی دھماکہ سے ہوتا ہے

لیکن اگر سکرات الموت اس قدر غالب نہ ہو اور سماعت بھی بتدریج ختم ہوتی رہے تو سماعت کا آخری رابطہ ٹوٹنے کے فوراً ہی بعد بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ رابطہ ٹوٹنے کے ساتھ ہی ایک تیز و تند دھماکہ سنائی دیتا ہے اور یہ دھماکہ اس دھماکہ کے بالکل مشابہ ہوتا ہے جو سپر سانک طیارہ ساؤنڈ بیریر توڑ کر پیدا کرتا ہے۔

اس دھماکہ کے ساتھ ہی ان کا دوسرا جسم پہلے جسم سے

آپ یقیناً خیال کریں گے اور آپ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی ہونگے کہ یہ شخص ایسی باتیں کرتا ہے جیسے

علیحدہ ہو جاتا ہے

یہ حادثہ اس پر ہو گذرا ہے۔ مجھ پر یہ حادثہ ہو گذرتا تو میں آج یہ چند سطور لکھنے میں منہمک نہ ہوتا۔ کہیں دور اوپر اپنے ہلکے پھلکے منور جسم سے عالم ملکوت کے مزے لے رہا ہوتا۔ سورۂ الزمر آئت نمبر ۶۸ "پھر صور پھونکا جائے گا پیچ اس کے آخری بار بس وہ ناگہاں کھڑے دیکھتے ہوں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی" صور ایک بار ہی پھونکا جائے گا آخری بار اس لیے کہا کہ پھر وہ اسے دوبارہ نہ سن سکے گا۔

بوقت مرگ سو سے زائد بستر مرگ پر پڑے لوگوں کا مشاہدہ

اس احقر نے یہ حادثہ دوسروں پر گذرتے دیکھا ہے سنا نہیں ہے۔ سو سے زائد سکرات الموت کے عالم سے گذرنے والے لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ پہلے بے ہوش یا نیم بیہوشی کی حالت میں پڑے تھے۔ نبضوں کی ترتیب میں تعدیل نہ رہی۔ چہروں پر زردی کھینڈ گئی تھی۔ ناک کا بانسا ٹیڑھا نظر آ رہا تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ تیز و تند آواز سن چکا ہے مگر اچانک وہ چونک کر اس اندرونی دھماکہ سے شدید متاثر ہو کر آنکھیں کھول دیتا ہے اور ساتھ ہی اس دھماکہ کے خوف سے آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔

وہ اس طرح چونک کر ختم ہو نگے جیسے ایک تیز چنگاری روشنی کے بعد ختم ہو جاتی ہے

اور ساتھ ہی سر ایک طرف ڈھلک جاتا ہے جیسے کوئلے کی ایک چنگاری بتدریج اپنی روشنی کم کرتی جائے اور انجام کار ایک تیز سفید روشنی دے کر راکھ

میں بدل جائے. سورۂ یٰس آئت نمبر ۲۹: "وہ تو صرف ایک تیز و تند دھماکہ ہے اس کے بعد وہ بجھ کر رہ گئے"۔ سورۂ یٰس آئت نمبر ۵۳: "وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی. پھر وہ فوراً ہی ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے"۔ سورۂ الصفت آئت نمبر ۱۹: "قیامت تو بس ایک ڈانٹ ہوگی بس ناگہاں ان کو دوسری ہی دنیا نظر آنے لگے گی"۔

جسمانی ڈلیوری جائے مخصوصہ اور روحانی ڈلیوری سر سما کے راستے ہوتی ہے جو جسم انسانی میں سما کی حیثیت رکھتا ہے

اس ڈانٹ یا دھماکہ کے بعد ہوتا یہ ہے کہ اسی جسمانی قبر خدا داد میں سے دوسرا روحانی جسم سر کے راستے باہر آ جاتا ہے. اور یہی روحانی ڈلیوری ہے جسے ملائکہ اپنے قوانین وضوابط کے تحت نکالتے ہیں یہ روحانی ڈلیوری سر کے راستے ہوتی ہے. سر چوں کہ جسم انسانی میں سما کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے دوبارہ جی اٹھنے یعنی قیامت کی توضیح" اذا السماء انفطرت یعنی جب آسمان چیر جائے گا" میں خدا نے کر دی ہے یہ ایک علیحدہ موضوع ہے جسے یہ احقر انشاء اللہ العزیز اپنی دوسری کتاب" قرآن فہمی میں ہماری واضح فروگذاشتیں" میں بالتفصیل بیان کرے گا۔

دوسرا جسم پہلے سے فارغ ہونے کے بعد اپنی تیز نگاہ سے سب کچھ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے

جب دوسرا جسم پہلے جسم کو فارغ کر دیتا ہے جس طرح اپنی پہلی پیدائش میں اسی جسم نے رحم مادر اور مشیمہ جس میں اس نے نو ماہ یا کم و بیش پرورش پائی تھی. فارغ کر دیا تھا تو

وہ پہلے جسم سے علیحدہ ہوکر اسے دیکھتا ہے اپنے عزیز واقارب کو روتے دھوتے دیکھتا ہے جو اس کے کسی کام نہ آسکے۔ وہ ملائکہ کو دیکھتا ہے وہ اپنے عزیزوں واقارب کو بھی دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس ابدی زندگی میں داخل ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب گناہ گار اور نیکوکار سب کی نگاہوں سے پردے اٹھ جائیں گے۔ سورۂ ق آئت نمبر ۲۲: "ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا۔ سو آج تیری نگاہ تیز ہے" لیکن ملائکہ کو دیکھنے کے بعد گناہ گاروں کا بُرا حال ہوگا وہ چھپتے پھریں گے یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جن میں سے ایک اسے بلاکر رہنمائی کرنے والا اور دوسرا اس کے عملوں کی گواہی دینے والا ہوگا۔

ہم انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں!

یہ کاروائی مرنے کے فوراً ہی بعد شروع ہوجائے گی۔ سورہ ق آئت نمبر ۱۵ نمبر ۲۵: "کیا ہم پہلی بار پیدا کرکے تھک گئے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ از سر نو پیدا کرنے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گذرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں

دو ملائکہ انسان کا ہر عمل لکھتے جاتے ہیں

جب وہ کوئی کام کرتا ہے تو دو لکھنے والے جو اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اسکی زبان پر نہیں آتی۔ مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔ اور موت کی بے ہوشی (سکرات الموت)

حقیقت کھولنے کو طاری ہو گئی۔ اے انسان یہی وہ حالت ہے جس سے تو
بھاگتا تھا۔ اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی (عذاب کی) وعید کا دن ہے۔ اور ہر
شخص ہمارے سامنے آئے گا۔ ایک فرشتہ اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا۔
ایک اس کے عملوں کی گواہی دینے والا۔ یہ وہ دن ہے جس سے تو غافل ہو
رہا تھا۔ اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا۔ تو آج تیری نگاہ تیز ہے اور اس
کا ساتھی فرشتہ کہے گا کہ یہ اعمال نامہ میرے پاس حاضر ہے حکم ہوگا۔ ہر سرکش
ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو۔ جو مال میں بخل کرنے والا حد سے بڑھنے
والا اور تہمتیں اور شبہے ڈالنے والا تھا۔ جس نے خدا کے ساتھ اور معبود
مقرر کر رکھے تھے تو اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا شیطان
ساتھی کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار میں نے اسکو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ
یہ آپ ہی راستے سے دور بھٹکا ہوا تھا۔ خدا کہے گا کہ ہمارے حضور رد وکد نہ
کرو۔ ہم تمہارے پاس پہلے ہی عذاب کی وعید بھیج چکے تھے ہمارے ہاں بات
بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔ اس دن ہم دوزخ سے
پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی۔ وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے۔ اور بہشت پرہیزگاروں
کے قریب کر دی جائے گی۔ یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔
یعنی ہر رجوع لانے والے اور حفاظت کرنے والے کی۔ جو خدا سے ڈرتا رہا۔
اور رجوع لانے والا دل لے کر آیا۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ
یہی ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ وہاں جو چاہیں گے ان کے لیے حاضر ہے اور
ہمارے ہاں اور بھی بہت کچھ ہے"۔

گناہگار دوسرا جسم ملنے کے بعد ملائکہ کو دیکھ کر گھبرا جائیں گے

گناہگار جب ملائکہ کو دیکھنے کے قابل ہو جائیں گے تو اس وقت ان کی یہ

حالت ہوگی سورۂ فرقان آئت نمبر ۲۲: "جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کو خوشی نہ ہوگی اور کہیں گے کہ کوئی آڑ ہو جائے اور ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے پھر ہم ان کو اڑتا ہوا گرد و غبار کر دیں گے۔

نفخ صور سے متاثر ہونا یا نہ ہونا کافر و مومن کا ذریعہ پہچان ہرگز نہیں

وہ لوگ جو نفخ صور سے بہت کم یا بالکل متاثر نہیں ہوں گے۔ ان میں اچانک جان دینے والے، حادثات کا شکار ہونے والے، بجلی کے جھٹکے سے مرنے والے، حرکت قلب بند ہونے والے لوگ ہوں گے۔ نفخ صور سے گھبرا جانے والے لوگوں کے علاوہ وہ لوگ جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سب گھبرا جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اس ضمن میں آنے والے یہی لوگ ہونگے لیکن ایسے خدا دوست مومنین کی کمی بھی نہیں ہوگی۔ جو بڑی خندہ روئی سے جان جانِ آفریں کے سپرد کریں گے۔ خواہ ان پر عالم جانکندنی کتنا سخت ہی کیوں نہ ہو۔ ڈاکٹر مرحوم و مغفور کا ایک شعر ہے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

بہرحال جس طرح جان کندنی کی نرمی سختی کافر و مومن کی وجہ امتیاز نہیں بالکل اسی طرح نفخ صور کی گھبراہٹ یا سکون کافر و مومن کی وجہ امتیاز نہیں۔ خود محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ خاتم النبین و سید المرسلین رحمتہ اللعالمین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جان کندنی کا وقت بڑا کڑا تھا۔

تیز و تند آخری آواز آخری سانس کا خاتمہ اور روح کا نئے جسم سے باہر آنا ملائکہ سے بیک وقت عمل پذیر ہوتے ہیں

الحاصل اس عالم برزخ میں جسے ہم لوگ خدا کے سمجھانے پر حیات دنیا کہتے ہیں دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک جسے قیامت کا دن یا دوبارہ جی اٹھنے کا دن کہتے ہیں مطلق وقت کا کوئی قلیل سا قلیل وقفہ نہیں ہے تیز و تند آخری آواز آخری سانس کا خاتمہ اور روح کا دوسرے جسم کے ساتھ ہی جسم کو ہمیشہ کیلئے فارغ کر دینا تینوں کام ملائکہ سے بیک وقت عمل پذیر ہوتے ہیں اور یہی قیامت کہلاتا ہے اسے جزا کا دن کہہ لیجئے بدلے کا دن کہہ لیجئے ہار جیت کا دن کہہ لیجئے ملاقات کا دن کہہ لیجئے سائبان کا دن کہہ لیجئے بات ایک ہی ہے۔ موت اور قیامت جیسا کہ محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ۔

وَاَنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ "تحقیق جو مر گیا اس کے لیے قیامت ہو چکی" یعنی جو مر گیا وہ اسی وقت دوبارہ دوسرے جسم کے ساتھ زندہ اٹھ کھڑا ہوا"۔ یہ دراصل ایک ہی فعل کے دو نام ہیں موت آغاز قیامت انجام ہے ۔ موت کب ہوگی قیامت کب ہوگی ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے اور اس کا علم صرف باری تعالے کو ہے اور کسی کو نہیں

خدا کے حضور حاضر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ جب روحانی جسم کو عالم بالا میں جہاں لیجائیں گے خدا وہاں موجود ہوگا

روح اپنے نئے جسم کے ساتھ جو منور اور روشن ہوگا۔ ان دو ملائکہ کی زیر نگرانی جن کا ذکر تفصیلی اوپر سورۂ ق میں دیا جا چکا ہے۔ خدا کے حضور حاضر ہوتے ہیں خدا کے حضور حاضر

ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ خدا کسی خاص مقام پر کچہری لگائے بیٹھا ہوگا یہ بات نہیں۔ چونکہ ملائکہ کا کوئی بھی فعل ان کا ذاتی فعل نہیں ہوتا۔ افعال ملائکہ افعال خدا کہلاتے ہیں۔ فرشتے اگر یہ کہیں کہ ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہمارے پاس ہی تم سب کو آنا ہے تو ان الفاظ کو خدا کے الفاظ سمجھیں۔ اور ان اعمال و افعال کو بھی افعال خدا سمجھیں۔"

قصہ مختصر ملائکہ اپنے قوانین و ضوابط کے تحت بحکم خدا جہاں بھی ان نومولود ارواح کو لے جائیں گے وہاں خدا تعالےٰ موجود ہوگا۔

نفخ روح اور نفخ صور دونو مل کر ایک کام مکمل ہوتا ہے نزع اور غرق حیات دنیا کا سبب نفخ روح اور نفخ صور حیات اُخروی کا سبب!

نفخ صور کے ساتھ اگر نفخ روح کی بات نہ کی جائے تو بات بالکل ہی ادھوری رہ جائے گی۔ اسی بات کا میں نے پیچھے حوالہ بھی دیا ہے کہ نزع اور غرق کا نفخ روح اور نفخ صور کے ساتھ کیا تعلق ہے اسے باب الصور میں ملاحظہ کریں۔ چنانچہ وہ تعلق حاضر ہے۔ یاد رہے کہ نفخ روح اور نفخ صور دونوں مل کر ایک کام مکمل ہوتا ہے۔ بالکل ایسا ہی جیسا نزع اور غرق کے بارے میں کہا تھا کہ یہ دونوں حرکات یعنی سانس کا اندر جانا اور پھر اسے کھینچ کر باہر لانا ایک سانس کہلاتا ہے سانس کا اندر جانا جسے غرق کہا گیا ہے متماثل ہے نفخ روح کے۔ اور سانس کا باہر آنا جس کو نزع کہا جاتا ہے مشابہ ہے نفخ صور کے مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ملائکہ کے نزدیک عالم امر والوں کے نزدیک ہماری ساٹھ پینسٹھ سال کی اوسط زندگی عالم آخرت کے ایک سانس کی مدت کا درجہ رکھتی

ہے۔ جس طرح نزع اور غرق کا عمل حیات دنیا کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح نفخ روح اور نفخ صور کا عمل حیات اُخروی کا موجب قرار پاتا ہے ہماری دنیاوی زندگی خواہ ہزار سال کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ عالم آخرت کا ایک سانس ہی ہوگا۔

نفخ روح کا قرآن حکیم میں صرف پانچ مرتبہ ذکر ہے

آپ کی دلچسپی کے لیے نفخ روح کی حامل آیات کا حوالہ بھی بہتر رہے گا نفخ صور قرآن حکیم میں دس مرتبہ آیا ہے لیکن نفخ روح کی حامل آیات میں نفخ روح کا صرف پانچ مرتبہ۔ یہ اعداد و شمار سطحی نہ خیال کریں کہ یہ ایک دو کی نسبت کیوں رکھی گئی ہے یہ ایک خاص راز ہے جو کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

۱۔ السجدہ آئت نمبر ۹: پھر ان کے اعضا درست کیے اور اس میں اپنی روح پھونکی اسے سنتا دیکھتا کر دیا اور دل دیا۔

۲۔ الحجر آئت نمبر ۲۹: پس جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں پس اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑو۔

۳۔ سورہ ص آئت نمبر ۷۲: پس جب میں اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں پس اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑو۔

۴۔ الانبیاء آئت نمبر ۹۱: محافظت کی اس (مریمؑ) نے اپنی شرمگاہ کی پس ہم نے اس کے بیچ اپنی روح پھونک دی۔ اور اس کو اور اُس کے بیٹے کو عالموں کے واسطے نشان کر دیا۔

۵۔ مریم آئت نمبر ۱۲: اور مریم عمران کی بیٹی جس نے اپنی شرمگاہ کی

محافظت کی پس پھونکا ہم نے بیچ اس کے روح اپنی کو اور وہ اپنے پروردگار کی باتوں کو مانتی تھی اور وہ فرمانبرداروں میں تھی۔

نفخ روح اور نفخ صور میں نفخ (پھونکنا) مشترک ہے

ان میں تین آیات تو حضرت آدم علیہ السلام اور دو حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں ہیں۔ آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے اور مریم علیہا السلام نے بغیر خاوند کے بچے (مسیحؑ) کو جنم دیا۔

نفخ صور اور نفخ روح میں ایک لفظ مشترک ہے نفخ۔ نفخ کے معنی ہیں پھونک مارنا۔ پھونک سے ہم انسان دو متضاد کام لیتے ہیں یعنی پھونک سے آگ کو بھڑکایا بھی جا سکتا ہے اور پھونک سے آگ کو بجھایا بھی جا سکتا ہے یہی نفخ کا عمل جسم انسانی پر بھی دوہرا عمل کرتا ہے یعنی زندہ کرنا اور مارنا۔

بابُ ۳
القُرآنُ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن !
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

(اقبالؒ)

کتاب اللہ میں رہائش کا مسئلہ

اب مجھے لفظ کتاب اللہ کی وضاحت محض اس خاطر کرنا ہے کہ انسان بلکہ ہر جاندار کے رہنے کی جگہ (اصل جگہ) خدا اور ملائکہ کے نزدیک ان کے اجسام ہوتے ہیں ہم خواہ ملتان کے کسی مکان میں رہائش پذیر ہوں یا کراچی کے ساحل سمندر کے کسی جھونپڑے میں. خدا کے نزدیک یہ جواب غلط ہوگا. خدا کے نزدیک انسان کی اصلی رہائش گاہ اس کا جسم ہے جس میں اس کی روح رہائش پذیر ہے جس میں وہ قیام کرتا ہے. سوتا ہے جاگتا ہے انہی اجسام میں ہم جیتے ہیں انہی اجسام میں ہم مرتے ہیں اور مرنے کے ساتھ ہی انہی اجسام سے ہم دوبارہ نئے روحانی جسم کے ساتھ جی اٹھیں گے.

دہریہ حضرات سے ملاقات کا قصہ

مجھے ایک واقعہ یاد آگیا. چند دنوں کی بات ہے مجھے چند ایک دہریہ حضرات سے گفتگو کا موقع ملا۔ ملاقات تقریباً پینتالیس منٹ جاری رہی۔ ان کی گفتگو میں دو الفاظ کی خصوصاً تکرار رہی. ایک سماج اور دوسرا بائی چانس۔ موضوع یہی حیات بعد الممات کا تھا. یہ لوگ منکرین آخرت تھے منکرین آخرت خدا کو کب مانتے ہیں. یہ لوگ روح کے قائل بھی نہیں. جسم انسانی کو کل پرزوں کی بنی مشینری سمجھتے ہیں جب مشین بند ہوگئی کھیل ختم ہوگیا. کیسی روح کہاں کا جنت جہنم۔

آخر کار میں نے بصد ادب عرض کیا. کہ حیرت ہے ایک مادی اور بظاہر بے جان جسم کے ایٹم میں جو ہل چل مچی ہے اور پھر مادے کی ایٹمی ساخت

ہیں جو فرق رکھا گیا ہے سب سے ہلکی گیس ہائیڈروجن جس کا صرف ایک الیکٹرون ایک پروٹون ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ سو سے اوپر عناصر کے الیکٹرون اور پروٹون اور نیوٹرون کے عددی فرق پر تو آپ آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئیں۔ اور وہ بھی ایمان بالغیب، نہ آپ نے الیکٹرون کو دیکھا نہ پروٹون کی زیارت کی اور نہ نیوٹرون سے ملاقات کا موقع ملا۔ مگر آپ اپنی ذات کو جو مرکز کائنات ہے۔ اس کے اندر کی وہ روح آپ کو دکھائی نہ دی جو جسم کو اڑائے پھرتی ہے کتنی کوتاہ بینی اور کج نظری ہے آپ کی گھوڑا تو نظر آ جائے لیکن اس کا سوار آپ کو عقل کی آنکھ سے دکھائی نہ دے۔

حضرات! یہ روح ہے جس کے نتیجہ میں آپ اور ہم، میں میں اور تو تو، کرتے پھرتے ہیں۔ بے جان مادے سے اٹامک انرجی جنم لے سکتی ہے۔ بے جان اور بے شعور مادے سے انسان کیلکولیٹر ایجاد کر کے سیکنڈوں میں جمع تفریق ضرب تقسیم کے سوالوں کے علاوہ ریاضی کے پیچیدہ ترین سوالات کے جوابات آن واحد میں لکھ سکتا ہے اور خود انسان جو بے شعور مادے کو اپنی عقل خداداد کے بل بوتے پر شعور کی حد تک لے جائے لیکن خود اپنی ذات میں اتنا شعور بھی نہ رکھے کہ آخر انسانی کیلکولیٹر کا موجد کون ہے؟

ایک جسم سے دوسرے جسم کا پیدا ہونا ایک نیچرل پراسیس ہے

بھائی انسان خدا کا بنایا ہوا ایٹمی ری ایکٹر ہے جس میں یورینیم ۹۲ کی جگہ روح نام کی ایک چیز کنٹرول سنبھالے بیٹھی ہے۔ اور پھر آپ اس بات کی چھاپ لگا کر بیٹھے ہیں کہ سب کچھ بائی چانس بن گیا۔ کیسی انہونی بات آپ کرتے ہیں۔ آپ لوگ جو شکم مادر سے بائی چانس باہر آگئے ہیں۔ اس میں

آپ کو اتنا تو یاد ہوگا کہ آپ کی پیدائش میں آپ کی رضامندی کا مطلق عمل دخل نہ تھا اور دوسری پیدائش میں بھی آپ کی رضامندی نہ لی جائے گی کہ آپ کا کب مرنے کا ارادہ ہے۔ نہ آپ کے عقائد اور خیالات آپ کے دوسرے جنم کو روک سکیں گے۔ وہ تو بھائی ایک نیچرل پراسیس ہے جب آپ کا وقت پورا ہو گیا۔ آپ کی روح دوسرا جسم لیے اس طرح آپ کے اس جسم سے نکلے گی۔ جس طرح انڈے سے چوزا۔ یا درخت سے پھل یا ماں کے پیٹ سے بچہ۔ چلئے خدا کا نام نہ لیجیئے نیچر ہی کہہ لیجیئے کہ ہر اگنے والے بیج کی جبلت ہے کہ وہ مناسب ماحول میں ضرور اگے گا۔ اگرچہ یہ بھی بائی چانس ہے۔ کہ اس جسم کی کارکردگی کے خاتمہ پر جسے ہم موت کہتے ہیں۔ دوسرا جسم خودبخود جنم لے لے کیوں لے؟ کیسے لے؟ کب لے؟ یہ آپ کا مسئلہ نہیں۔ جب آپ کی زندگی بائی چانس ختم ہو گئی۔ یعنی بقول آپ گھڑی کی چابی ختم ہو گئی اور گھڑی بند گئی۔ اور گھڑی کا ٹائم لمٹ پورا ہو گیا۔ تو خدا صرف اتنا کام کرے گا کہ روحانی جسم کو نئی چابی دے کر باہر لے آئے گا۔ اور اس طرح دوسری پیدائش کا حادثہ وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔ یہ کسی صورت میں بھی رک نہیں سکتا۔ خواہ آپ کتنی ہی وِل پاور (WILL POWER) استعمال کریں۔ جس طرح یسوع مسیح زندہ اٹھائے گئے تھے۔ اسی طرح سب زندہ اٹھائے جاتے ہیں۔ میں ذکر کر رہا تھا کتاب اللہ کا۔

کتاب اللہ میں پیدائش کا مسئلہ صرف صاحب علم و ایمان ہی جانتے ہیں

سورۃ الروم آیت نمبر ۵۲، ۵۷ "وہ اللہ جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے بعد زور۔ پھر دے گا زور کے بعد کمزوری اور سفید بال۔ تخلیق

کرتا ہے اللہ جو کچھ چاہے (یعنی اس تخلیق کے بعد پھر تخلیق ہوگی دوسری زندگی کی صورت میں) اللہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔ گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ ہم دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ اسی طرح بے عقلی کی باتیں وہ کرتے آئے ہیں لیکن وہ جن کو علم اور ایمان ملا ہے۔ وہ کہیں گے تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں یوم البعث یعنی جی اٹھنے کے دن تک۔ سو یہ ہے یوم البعث یعنی جی اٹھنے کا دن۔ پر تم جانتے نہ تھے۔ سو اس دن کام نہ آئے گا گناہ گاروں کا قصور بخشوانا۔ اور نہ ہی ان سے توبہ طلب کی جائے گی (کیونکہ وہ وقت توبہ گذار چکے۔)

ہمارا اوّل ٹھکانا ہمارے اجسام میں ہے

حضرات! ان پانچوں آیات کا مفہوم یہ ہے کہ انسان بچپنا، جوانی اس کے بعد بڑھاپا۔ انسان یہ سب ادوار یکے بعد دیگرے گذارتا ہے۔ پہلے کمزوری، پھر طاقت، پھر کمزوری۔ ظاہر ہے اس کمزوری کے بعد پھر طاقت ملے گی اور وہ طاقت اس دوسرے جسم کو ملے گی۔ لیکن گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ ہم تو دنیا میں رہے ہی بہت تھوڑا عرصہ۔ اس قلیل عرصہ میں ہم وہاں کیا کرتے۔ لیکن قرآن کے الفاظ ہیں کہ وہاں صاحب علم اور صاحب ایمان لوگ ان مجرم گنہگاروں کو سمجھائیں گے کہ میاں تمہارا اصلی ٹھکانا اور رہائش گاہ تو تمہارا اپنا جسم تھا جو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

انسان دنیا کو پہچاننے کی بجائے اپنی ذات کو پہچانتا تو خدا

تم نے دنیا کو پہچاننے میں پوری زندگی صرف کر دی اپنی ذات کو پہچاننے پر غور نہ کیا۔ اگر تم دنیا کو پہچاننے کی

کو پہچان لیتا۔

بجائے اپنی ذات کو پہچانتے کہ میں کیا ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں کہاں رہ رہا ہوں اور آخرکار مجھے کہاں جانا ہے۔ اور یہاں رہ کر مجھے کیا کرنا ہے۔ میری پیدائش بے فائدہ نہیں ہوئی اس کا ضرور کوئی سبب ہے کوئی وجہ ہے۔ اس طرح تم اپنی ذات کو پہچانتے تو خدا کو پہچان لیتے۔ اس کے رسولوں کو اس کے ملائکہ کو اس کی کتابوں کو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یوم آخرت کو پہچان لیتے اس کے رسولوں کو اس کے ملائکہ کو اس کی کتابوں کو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یوم آخرت کو پہچان لیتے۔ اور ظاہر ہے اس عرفان کے بعد تم ان اچھے برے اعمال کی اہمیت کو جان جاتے۔ جو تمہارے اس جسم سے سرزد ہوتے۔ تم اعمال صالحہ کے حریص بن جاتے۔ تم ڈالروں اور پونڈوں کو سمیٹ سمیٹ کر اپنی تجوریاں بھرنے کی بجائے اصل دولت اچھے اعمال کو سمجھتے تو آج تمہارا اس عالم آخرت کے بنک میں معقول بیلنس ہوتا۔ اب وہ بھی تو تمہارے بھائی بندہی ہیں جو کہتے ہیں سورۂ المومنون آئت نمبر ۹۹ : یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے تو کہتے ہیں اے میرے رب مجھ کو پھر بھیج دو دنیا میں شائد میں کچھ بھلا کام کر گزروں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا (یعنی جسم جو دنیا میں رہ گیا) یہ ایک بے وزن بات ہے جو وہ کہتا ہے یعنی ان ہونی بات' وہ اپنا عالم برزخ تو مر کر دوبارہ جی اٹھنے تک تو وہ گذار آیا۔ (یہ سب مرحلے طے کر کے تو وہ میرے پاس پہنچا)۔

ہاں جاکر سابقہ مادی جسم
مطالبہ ایک لغویات ہے

خدا نے اس گناہ گار کے اس مطالبہ کو لغو۔ بے ہودہ۔ ناممکن العمل اور انہونا کیوں کہا۔ وہ اس لیے کہ انڈے سے نکلا ہوا چوزہ۔ پھل دار درخت سے نکلا ہوا پھل، ماں کے پیٹ سے نکلا ہوا بچہ، اس جسم انسانی سے دوسرا نکلا ہوا روحانی جسم واپس اپنی پہلی حالت میں کیسے پلٹ سکتے ہیں یہ سب باتیں کوئی پاگل اور سر پھرا ہی کر سکتا ہے۔

لفظ بعث قرآنی آیات میں

اب ہمیں سورۃ الروم کی آیات نمبر ۵۲ تا ۵۷ میں کتاب اللہ کے اس لفظ پر غور کرنا ہے کہ وہ کونسی کتاب اللہ ہے جس میں انسان اپنی دوسری زندگی مر کر جی اٹھنے یعنی یوم البعث تک رہتا ہے قرآن کریم کے الفاظ ہیں، "وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اس آیت میں ایک لفظ آیا ہے "لبثتم"، ہمیں اس آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے اس لفظ "لبثتم" کو قرآن حکیم کی روشنی میں بنظر غائر تحقیق دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم میں اس لفظ کو کہاں کہاں، کن کن معنوں میں اور کتنی بار استعمال کیا ہے۔ اس سے ہمیں اس کے صحیح مفہوم میں پوری پوری مدد ملے گی۔ اور ہم اس طرح اس کو اسی معنوں میں استعمال کر سکیں گے جس کو خدا نے استعمال کیا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم ایک لفظ کا مطلب نہ سمجھ پائیں اور اپنی ناقص عقل کے گھوڑے دوڑائیں اور

مطالب و مفہوم کو غارت کر دیں۔

مفسّرین ایک دوسرے کی کورانہ تقلید کرتے ہیں

ایسی ایک نہیں اکثر ایسی مثالیں ہیں
کہ مترجمین و مفسّرین حضرات نے
اندھا دھند کورانہ تقلید کی اور مکھی
پر مکھی مارتے چلے گئے۔ ایک مفسّ
اٹھتا ہے جتنی تفسیریں وہ اکٹھی کر سکتا ہے اکٹھی کر لیتا ہے۔ پھر معنی و
لیتا ہے جو وہ لیتے ہیں لفظی جامہ اپنا پہنا لیتا ہے میں پوچھتا ہوں کیا عوا
کو اس بات کا حق پہنچتا ہے یا نہیں کہ وہ اپنے اپنے علماء کی جواب طلبی کریں

ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ کی تفسیر کے لیے مفسّرین کا فرض تھا کہ وہ اس قبر کی تلاش کرتے جس میں خدا نے گاڑا۔

آیت نمبر ۱۷ تا ۲۲ میں آمدہ آیت
ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ میں
پھر اس کو قبر میں گڑوا دیا۔ کیوں کہ
اس ترجمہ میں ہیرا پھیری کا انہیں
کیا حق پہنچتا تھا۔ ان کا فرض تھا کہ
علماء سر جوڑ کر بیٹھتے اور اس کے
ترجمہ میں الٹ پلٹ کرنے کی بجائے
وہ قبر تلاش کرتے جو قادرِ مطلق نے موت کے ساتھ ہی سب کو دے کر یعنی
عالم برزخ جسے آپ حیاتِ دنیا کہتے ہیں میں بھیجا ہے لیکن افسوس سے
کہنا پڑتا ہے کسی نے غور نہیں کیا اور جو اس کو سمجھ گئے انہوں نے اسے
عوام تک پہنچانے میں کیوں بخل سے کام لیا۔ غالباً انہوں نے یہ سمجھا کہ انسان
اپنے اعمال میں بے خوف ہو جائے گا۔ جب اسے حقیقت کا علم ہو گا کہ
دراصل عالم برزخ سے تو ہم اب گذر رہے ہیں اس کے بعد موت اور

مت یک وقت گذر جائیں گے لوگوں کے دلوں سے قیامت کا خوف
ل جائے گا. خدا کا خوف بڑی اچھی چیز ہے لیکن اس کی رحمتوں سے مایوس
نا شیطان کا کام بھی ہے کہیئے تو قرآن کی آیات پیش کروں.

علمائے کرام کو فقہی بحثیں
راس نہ آئیں !

اب اسی آئت "لقد لبثتم
فی کتاب اللہ کا ترجمہ جو ان
حضرات نے کہا ہے وہ بھی سن
لیں۔ میرے پاس صرف مولانا
ودی مرحوم کی تفسیر کی پہلی دوسری اور آخری کل تین جلدیں ہیں پہلی
جلدیں ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے موقع پر میرے سٹاف نے بطور
فہ پیش کیں۔ آخری جلد میرے ایک عزیز نے مجھے دی۔ اس کے علاوہ مولانا
ین احسن اصلاحی کی صرف ایک جلد پنجم میرے پاس ہے۔ ایک مومن
ائی سے حافظ فرمان علی صاحب کا مترجم قرآن حکیم مستعار لیا۔ مولانا شبیر احمد
احب مولانا اشرف علی صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
یہم اجمعین کے تراجم میرے پاس موجود ہیں۔ یہ ہے میری کل کائنات اگر
رے پاس آج تک لکھی گئی جملہ تفاسیر کا ڈھیر بھی ہوتا۔ اس سے کوئی فرق
ڑتا کیونکہ مجھے یقین ہے جو ایک نے لکھا وہ سب نے لکھا۔ علما حضرات
ے حد واجب الاحترام ہیں۔ انہوں نے بہت کچھ مذہبی کاوش کی لیکن
ن میں فقہی بحثیں ان کی فطرت ثانیہ بن کر رہ گئیں۔ اختلافی مسائل کو سیٹ
ر کرا در دل کھول کر ہوا دی۔ ایک مخصوص عقائد کا نمازی دوسری مسجد
یں قدم تک نہیں رکھ سکتا ایک نمازی دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھنا
ذہب کی توہین سمجھتا ہے۔

قرآنی آیات میں ریسرچ علماء کا فرض اولین ہے

یہ تو ہے ہمارے علماء کا حال. کاش اے کاش یہ لوگ قرآنی آیات کی ریسرچ کرتے اس میں ڈھیروں خزانے ان کو مل جاتے. کون سی حکمت اور دانائی اس کلام میں نہیں ہے. کوئی ادھر آئے تو. کوئی اس میں اپنی جان کھپائے تو. یہ میری ایک دکھتی رگ ہے. کاش اس دکھ کا کوئی مداوا کرتا.

بات کتاب اللہ میں رہنے کی ہو رہی تھی. رہنے کے لیے اس میں لُبث مصدر لیا گیا ہے. لبث کے لغوی معنی ہیں، دیر کرنا. قیام کرنا ٹھہرنا. رہنا. توفقد لبثتم فی کتاب اللّٰہ الیٰ یوم البعث کا لفظی مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ کی کتاب میں دوبارہ جی اٹھنے یعنی یوم البعث تک رہے ہو. یہ الفاظ ان صاحب علم وایمان کے ہیں اور ان گناہگاروں کو آگاہ کر رہے ہیں کہ تمہارا اصل ٹھکانا دنیا میں نہیں بلکہ کتاب اللہ میں تھا. بہرحال آئیے اب مختلف حضرات کے تراجم سے مستفید ہوں. سب سے پہلے حضرت مولنا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور حاشیہ کا نوٹ ملاحظہ فرمائیں. ترجمہ یہ ہے.

ان آیات کا ترجمہ اور تشریح مولانا شبیر احمد عثمانی کی مرحوم کی نظر میں!

سورۃ الروم آیات نمبر ۵۲ تا ۵۷

"اور جس دن قائم ہو گی قیامت، گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ (مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ) اسی طرح

تھے الٹے جاتے اور کہیں گے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین (اوتوا العلم والایمان) تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن، پر تم نہیں جانتے تھے"۔

حاشیہ میں فرماتے ہیں یعنی جیسے اس وقت یہ کتنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھ لو دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ مومنین اور ملائکہ اس وقت ان کی تردید کریں گے۔ کہ تم جھوٹ بکتے ہو۔ یا دھوکے میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتے کے مطابق قیامت کے دن تک ٹھہرے ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے مطابق وہ دن آپہنچا اب وہ دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی سرزمین دیکھ کر کہتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ بڑے انتظار اور اشتیاق کے بعد آیا جیسا کہ مومنین سمجھتے ہیں۔

یہی ترجمہ مولنا احمد رضا خان بریلوی مرحوم کی نظر میں

اب یہی ترجمہ حضرت مولنا احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی سنیں "جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم کھائیں گے کہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی۔ وہ ایسے ہی اوندھے ہو جاتے تھے اور بولے جن کو علم اور ایمان ملا۔ بے شک تم رہے اللہ کے لکھے ہوئے میں اٹھنے کے دن تک۔ تو یہ ہے وہ اٹھنے کا دن۔ لیکن تم نہ جانتے تھے"۔ حاشیہ میں مولنا

رقم طراز ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں غلط اور باطل باتوں پر لگ کر ۔ آخرت کو دیکھ کر اس کو دنیا یا قبر میں رہنے کی مدت بہت تھوڑی معلوم ہو گی اس لیے وہ اس موت کو ایک گھڑی سے تعبیر کریں گے۔ ان ہی غلط باتوں پر جمتے اور حق سے پھرتے تھے جیسے کہ اب قبر یا دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کو قسم کھا کر ایک گھڑی بتا رہے ہیں ان کی اس قسم سے اللہ تعالیٰ انہیں اہل محشر کے سامنے رسوا کرے گا اور سب دیکھیں گے کہ ایسے مجمع عام میں قسم کھا کر ایسا صریح جھوٹ بول رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے سابق علم میں لوح محفوظ میں لکھا ہے اسی کے مطابق تم قبروں میں رہے۔

اب یہی ترجمہ جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی زبانی سماعت فرمائیں

"اور جس دن قیامت واقع ہو گی مجرم قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے اس طرح ان کی عقلیں اوندھی ہو جاتی رہی ہیں اور جن کو علم و ایمان عطا ہوا وہ کہیں گے اللہ کے رجسٹر کی رو سے تو تم قیامت تک رہے ہو سو یہ حشر کا دن ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔

مولانا اصلاحی صاحب نے ایک آیت میں بیٹ کے دو مختلف ترجمے کیے ہیں

تفسیر میں فرماتے ہیں "یہ دوسری تنبیہ ہے کہ دنیا کی زندگی کو بہت طویل نہیں خیال کرنا چاہیے قیامت کے دن جب مجرم لوگ اٹھیں گے تو قسم کھا کر آپس میں کہیں گے کہ ہمارا یہ زمانہ جو گذرا ہے۔ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ہے مطلب یہ کہ آج تو بے نچنت ہیں کہ اگر قیامت ہے بھی تو اس کے ظہور میں زندگی و موت برزخ اور حشر نشر کے بہت سے طویل مراحل حائل ہیں۔ ابھی سے اس کے لیے فکر مند ہونے کی اور اپنا عیش

کر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس دن یہ اٹھیں گے
و اس دن ان کا احساس یہ ہوگا کہ یہ سارے مراحل پلک جھپکتے گذر گئے یعنی
ن نادانوں کو اصل حقائق کا اندازہ کرنے کی توفیق کبھی نہیں ہوئی۔ قیامت
ے دن انہیں اپنا سارا ماضی پلک جھپکتے ختم ہوتا نظر آئے گا۔ لیکن جب تک
نیا میں رہے۔ ان کو زندگی موت اور حشر و نشر کے مراحل اتنے طویل نظر آئے
ھے کہ اس کے لیے انہوں نے فکر مند ہونے کی ضرورت کبھی محسوس نہ کی۔
وتوا العلم والایمان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عقل اس دنیا میں
یدھی رہی اور ان کو اللہ کی آیات کا علم اور خدا و آخرت کا ایمان نصیب ہوا۔
ہ ان لوگوں کی اس بدحواسی پر ٹوکیں گے تمہارا یہ اندازہ بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالٰی
ی کتاب کی رُو سے تم قیامت تک رہے ہو۔ اور آج یہ قیامت کا دن ہے
و تمہارے سامنے ہے لیکن تم اسکو جانتے نہیں رہے ہو۔ کتاب اللہ سے
راد اللہ تعالٰی کا وہ دفتر ہے جس میں ساری باتیں مندرج ہیں وَلٰکِنَّکُمْ
کنتم لَا تَعلَمُونَ۔ سے مقصد یہ ہے کہ تم اس کو محض ایک خیالی چیز
سمجھتے رہے ہو۔ اس کو تم نے کوئی اہمیت نہ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو
لوگ اپنی زندگی کی قدر و قیمت پہچانتے اور اس کو آخرت کے نصب العین
کے تحت گذارتے ہیں ان پر روز حشر کوئی بدحواسی طاری نہ ہوگی۔ بلکہ وہ
یہ محسوس کریں گے کہ زندگی کا جو سفر انہوں نے شروع کیا تھا۔ اللہ تعالٰی
کے مقرر کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اس سفر کی آخری منزل پر وہ پہنچ گئے

ان آیات میں عام گناہگار نہیں منکرین آخرت مخاطب ہیں

جناب امین احسن اصلاحی صاحب
نے بڑا زور مار کر یہ چند سطور رقم
فرمائی ہیں لیکن مولانا یہ بھول گئے کہ

یہ عام قسم کے گناہگار نہ تھے بلکہ مشرکین اور منکرینِ آخرت تھے۔ یہ لوگ برزخ حشر نشر، قیامت کے نام تک کو نہ جانتے تھے نہ مانتے تھے۔ ان آیات کا سیاق وسباق ملاحظہ فرمائیں اور سورۃ الروم کی آئت نمبر ۳۱ سے اسے پڑھنا شروع کریں۔ قرآنِ حکیم میں اس قماش کے لوگوں کو آئیت نمبر ۳۱ سے لے کر مسلسل سمجھانے کے بعد انجام کار انہیں زمین مردہ کو زندہ کرنے اور پھر انسان کو پیدا کرنے کمزوری کی حالت سے قوت کی حالت تک لانے، اس طاقت کے بعد پھر کمزوری اور بڑھاپا پھر یہ کہ اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ دوسری پیدائش کا صریحًا اشارہ ہے اور وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ایک ٹھوس حقیقت ہے یعنی وہ لوگ ان باتوں کو جانتے ہی نہ تھے۔ اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے تو وہ سرے سے قائل نہ تھے۔ ان کو حشر و نشر کے مراحل سے فکر مند ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انہی آیات میں لفظ لبث دوبار استعمال ہوا ہے پہلی بار (مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ) یعنی تم ایک گھڑی سے زیادہ نہ رہے دوسری بار (لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ) یہاں ترجمے مختلف ہو گئے ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ نے لکھا تھا، "تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک" مفہوم کے قریب قریب ہے۔ حضرت مولٰنا احمد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دونوں جگہ "رہنا" ترجمہ کیا ہے۔

کتاب اللہ میں "رہنا" اور کتاب اللہ کی رُو سے رہنا دو مختلف معانی کے حامل ہیں۔

مولٰنا امین احسن اصلاحی صاحب نے پہلے لبثو کا ترجمہ "رہے" کیا۔ لیکن دوسرے کا ترجمہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں "رہنے" کی بجائے اللہ

کے رجسٹر کی رو سے گزر دیا۔ رجسٹر کی رو سے رہنا اور بات ہے اور اللہ کی کتاب میں رہنا دوسری بات۔ لیکن مولانا چونکہ اللہ کی کتاب کا مفہوم اپنے انداز میں لے گئے اس لیے انہیں لامحالہ یہی کرنا تھا۔

ایمانداری کی بات ہے کہ مفسرین و مترجمین کی انسان کی کھودی ہوئی قبروں سے اٹھانے کی تشریح اس سے بہتر الفاظ میں ممکن نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے اور یہ ایمان کی بات ہے کہ انہوں نے ان بزرگوں نے، جن کی خاکِ پا سے بھی کم تر ہوں اپنی طرف سے جو کچھ لکھا اس سے بہتر اس کی تفسیر ممکن نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے تفسیر اس قبر کو ذہن میں رکھ کر کی جو انسان کی کھودی ہوئی ہیں اس گنا ہگار نے اس قبر کی نشاندہی کی جو خالق کائنات حی لاموت سے ہر انسان کو موت کے حوالہ کر کے قبر میں گاڑ کر بھیجا ہے۔ اگر یہ جملہ واجب الاحترام مترجمین ومفسرین اسی مفہوم کے تحت وضاحت فرماتے تو ان کی تحریریں بڑی بلند پایہ ہوتیں۔ یہ راقم ان کی تحریروں کی گرد کو بھی نہ پا سکتا۔ اور اگر مجھے انسان کی کھودی ہوئی قبر سے مردوں کو اٹھانا ہوتا اور ان کو ایک طول طویل مدت کے لیے زمانہ برزخ کے حوالہ کرنا ہوتا اور پھر ان کو قیامت کو قبروں سے اٹھانا ہوتا تو بھائی میرا تو عقل و شعور جواب دے جاتے کہ میں کیا لکھوں۔

لفظ بعث کی حامل قرآنی آیات کا ترجمہ!

علم اور ایمان حاصل کرنے کا ایک بنیادی طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم سب کتاب اللہ میں رہنے کا مطلب معلوم کریں۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ

اللہ تعالےٰ نے لبث کو قرآن حکیم میں کن کن معنوں میں لیا ہے۔

۱۔ سورہ ہود آئت نمبر۶۹ : وہ (حضرت ابراہیمؑ) بولا سلام ہے پھر ذرا نہ ٹھہرا۔ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آیا۔

۲۔ سورہ یوسف آئت نمبر۴۲ : سو شیطان نے ذکر کرنا بھلا دیا۔ اپنے مالک سے کئی برس۔ اور یوسف کئی برس جیل خانے میں ہی رہے۔

۳۔ عنکبوت آئت نمبر۱۴ : اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا ان میں پچاس برس کم ہزار برس۔

۴ بقرہ ۲۵۹ : کہا تو کتنی دیر یہاں رہا۔ بولا میں رہا ایک دن یا اس سے کچھ کم۔ کہا تو نہیں رہا لیکن ایک سو برس۔ بس دیکھ اپنا کھانا اور پینا وہ سڑ نہیں گیا۔

۵۔ یونس آئت نمبر۱۶ : کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا تم پر نہیں سوچتے۔

۶۔ طٰہٰ ۴۰ : پھر تو کئی برس مدین والوں میں رہا۔

۷۔ الشعراء ۱۸ : اور بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا اور رہا تو ہم میں اپنی عمر سے کئی برس۔

۸۔ والصفت ۱۴۴ : تو رہتا اس کے پیٹ میں اپنے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک" اس آیت کی وضاحت مجھے باب القیامت میں کرنی چاہیئے تھی یہ آیت حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں ہے جب مچھلی نے انہیں نگل لیا تھا۔ اور پھر زندہ ہی اگل دیا چونکہ ابھی آپ کا وقت آخر پورا نہ ہوا تھا اور ابھی آپ نے دنیا میں اور سانس لینا تھے۔ آپ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی تسبیحات و تہلیلات کا وِرد شروع کر دیا اور باری تعالےٰ نے آخر کار آپ کو اس قید

زنداں سے نجات دی اور مچھلی نے آپکو لبِ ساحل پر اگل دیا۔ اس سے پہلے آئت نمبر ۱۴۲ اور ۱۴۳ کو ملا کر پڑھیں تو ترجمہ یوں ہوگا "پھر اگر وہ خدا کی پاکی بیان نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کیئے جائیں گے یا کئے جاتے ہیں وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

یونس علیہ السلام اگر مچھلی کے پیٹ میں تسبیح و تہلیل نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے اس کی وضاحت۔

جملہ حضرات نے جن کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے اس مفہوم کا ترجمہ کیا ہے یعنی اگر حضرت تسبیح و تہلیل کے ذریعے سے اپنے گناہوں کی معافی نہ مانگتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ سب سے پہلے ہم اس قیامت کو لیتے ہیں جو آپ حضرات لیتے ہیں یعنی انسان کی کھودی ہوئی قبروں میں سے یا جہاں انسان نے جان دی ہے وہاں بروز قیامت (جس کے زمانہ کا کوئی تعین نہیں اور جو حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک آئی ہی نہیں) اٹھ کھڑے ہونگے۔ یعنی دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں "لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ" "تو مچھلی کے بطن یعنی پیٹ میں قیامت کے دن تک رہتا"۔ حضرات خدا کے لیے آپ اسے وہی اہمیت دیں جو خدا کے کلام کو دینی چاہیئے۔ خدا کہتا ہے کہ تو مچھلی کے پیٹ میں دوبارہ جی اٹھنے کے دن (قیامت) تک رہے گا۔ تو آپ کے عقیدہ کی رُو سے یہ ثابت ہوا کہ مچھلی کا پیٹ بھی اور حضرت بھی یعنی دونو قیامت تک صحیح سالم رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آئے گی اور مچھلی کے پیٹ سے حضرت دوبارہ جی اٹھیں گے۔ وہ کون سی مچھلی کی قسم ہے جو ہزار

یا ہزار سال تک ایک جسم کو اپنے جسم میں زندہ یا مردہ لیے پھرے گی۔ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات خلاف عقل و مشاہدہ ہے۔

نمبر ۲: اگر عام مشاہدے کے مطابق مچھلی حضرت کے جسمانی مادی گوشت پوست کو ہضم کر جاتی ہے اور خود مچھلی بھی فرض کر لیجیے سو سال تک مزید زندہ رہتی ہے۔ خدا معلوم اس مچھلی کی عمر طبعی کتنی ہو گی۔ چلیئے سو نہیں پانچ سو سال کر لیجئے تو حضرت تو زیادہ سے زیادہ بہتر گھنٹوں میں ہضم ہو گئے ہوتے، اور ہزار سال کے بعد مچھلی بھی مر کھپ گئی ہوتی۔

اب ذرا سوچیئے کہ صورت حال کیا بنے گی۔ قیامت جس کو آپ قیامت کہتے ہیں اس کا تو دور دور تک پتہ نہیں اور ابھی نہ جانے کتنے ہزار سال اور گذریں گے۔

فرض کر لیجئے آج ہی قیامت آجاتی ہے اللہ تعالے کیا کرے گا۔ کیا پہلے مچھلی کو زندہ کرے گا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مچھیروں نے اسے جان سے مار کر قابو میں کر لیا ہو اور کئی گاؤں کے باسی اسے بھون کر کھا گئے ہوں اگر بقول آپ کے، حضرت کو مچھلی کے پیٹ سے زندہ کرنا ہے تو بھائی مچھلی کا بھی تو زندہ ہونا ضروری ہے۔ زندہ مچھلی ہو گی تو اس کے پیٹ سے حضرت دوبارہ جی اٹھیں گے۔

> ہو روح پھر اک بار سوار بدن زار
> ایسی ہے قیامت تو خرید ار نہیں میں

لیکن یہاں ایک اور افتاد پڑے گی۔ وہ لوگ جو مچھلی بھون کر یا شوربہ بنا کر کھا پی چکے ہیں انہیں بھی تو زندہ کرنا ہو گا وہ زندہ ہو گئے تو کیا ان کے مونہوں سے مچھلی کی ایک ایک بوٹی نکلوائی جائے گی پھر جب اس کا تمام

وجود مکمل ہو گیا تو اس مچھلی کے وہ نظام ہاضمہ سے متعلقہ حصے جن میں حضرت ہضم ہوئے۔ ان کو خدا معلوم کس طرح واپس کر کے حضرت کو مجسم صورت دے کر پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ یہ تو ہے طریق کار اس قیامت کا جو آپ اپنے عقائد کا جزو سمجھتے ہیں۔ اس قیامت سے ڈاکٹر صاحب نے صاف انکار کیا ہے کہ روح پھر اسی مادی جسم میں لوٹائی جائے گی۔ فرماتے ہیں

ہو روح پھر ایکبار سوار بدن زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں ہیں

حضرت یونس اگر مچھلی کے پیٹ میں آخری سانس پورا کرتے تو ان کا دوسرا روحانی جسم مچھلی کے جسم سے باہر آجاتا۔

لیکن وہ قبر اور وہ قیامت جو قرآن حکیم کی رو سے خالق کائنات کی رُو سے ہے یعنی یہی جسم انسانی جس میں آپ کی روح قبر بشری میں پڑی ہے اگر حضرت تسبیح و تہلیل کے وسیلہ سے زندہ نہ اگلے جاتے تو پھر وہ مچھلی کے وجود میں ہی اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دیتے اور ان کا طائر روح قفس سے (جو مچھلی کے پیٹ میں پڑا ہے) پرواز کر جاتا۔ اور بھائی میرے یہی ان کا یوم البعث ہوتا یہی ان کا دوبارہ جی اٹھنے کا دن ہوتا یہی ان کا یوم الخروج یعنی قبر سے نکلنے کا دن ہوتا۔ حضرت یونس علیہ السلام ہنستے کھیلتے عالم ملائکہ میں خدا کے حضور حاضری دیتے۔ اور مچھلی دم ہلاتی اپنے بال بچوں کے پاس جا دم لیتی۔

اللہ معلوم مچھلی کا یوم البعث حضرت کے یوم البعث کے کتنے سالوں
ہوا۔ لیکن ہوا یہ کہ حضرت اس حی لایموت کی کرم نوازی سے زندہ ہی لب
ساحل اگل دیئے گئے اور نہ حضرت کو موت آئی اور نہ ہی حضرت قیامت
سے گذرے۔

اب آگے چلیئے بعث سے متعلق آیت سنیئے
سورہ بنی اسرائیل آئت نمبر ۵۲: جس دن تم کو پکارے گا۔ پھر چلے آؤ گے اس
کی تعریف کرتے ہوئے۔ اور گمان کرو گے کہ تم تھوڑی دیر رہے ہو۔

لفظ بعث کی حامل دیگر آیات !

سورۃ الکھف آئت نمبر ۱۹: ایک
بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے رہے
تم۔ تم ٹھہرے رہے ایک دن یا
دن سے کچھ کم۔ بولا تمہارا رب ہی
خوب جانتا ہے جتنی دیر تم رہے۔

طٰہٰ ۱۰۲ ۔ ۱۰۴: جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم بلی کے آنکھوں
والے گناہگاروں کو اکٹھا کریں گے۔ یہ مجرم چپکے چپکے آپس میں کہتے ہوں
گے تم دنیا میں دس دن رہے ہو۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہتے ہیں جب
بولے گا ان میں اچھی راہ روش والا۔ تم نہیں رہے مگر ایک دن۔
المومنون ۱۱۲ ۔ ۱۱۵: فرمایا تم گنتی سے کتنی دیر زمین میں رہے بولے
ہم رہے ایک دن یا دن سے کچھ کم۔ پوچھ لو گنتی والوں سے۔ فرمایا تم اس
میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو۔ اگر تم جانتے ہوتے۔ سو کیا تم خیال کرتے
ہو۔ کہ ہم نے تم کو بے فائدہ بنایا اور تم ہمارے پاس پھر نہ آؤ گے۔
الروم ۵۵ ۔ ۵۶: قیامت کے دن گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ ہم دنیا

میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ سو اس طرح تم دنیا میں بہکے ہوئے تھے لیکن جن کو علم اور ایمان ملا ہے وہ کہیں گے تم اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک رہے ہے۔ سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن لیکن تم جانتے نہ تھے۔

الکھف ۲۵ - ۲۶ اور وہ اپنے غار میں ۳۰۹ برس رہے تو۔ کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت رہے۔

الکھف ۱۲ : پھر ہم نے اٹھایا ان کو کہ معلوم کریں کہ دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے۔

الانبیاء ۱۴: پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنہوں نے کہ اگر خبر رکھتے غیب کی، نہ رہتے ذلت کے عذاب میں۔

النبیاء ۲۱۔ ۲۲ :۔ بے شک دوزخ سرکشوں کی تاک میں ہے وہ اس میں قرنہا قرن رہیں گے۔

یونس ۴۵ :۔ اور جس دن ان کو جمع کرے گا۔ گویا وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن کی۔ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔

الاحقاف ۳۵ :۔ پس تو عالی ہمت رسولوں کی طرح صبر سے کام لے اور ان کے لیے جلدی نہ کر اور جس دن وہ لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا دن سے وعدہ کیا گیا ہے تو ایسے ہو جائیں گے کہ گویا وہ سوائے دن کی ایک گھڑی کے دنیا میں نہیں رہے تھے یہ پہنچا دینا ہے پس ہلاک ہوں گے وہ لوگ جو نافرمان ہیں۔

النزعات ۴۶ :۔ جس دن قیامت کو دیکھیں گے ایسے ہوں گے گویا وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہ رہے تھے۔

بنی اسرائیل ۷ : وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تم کو اس سرزمین سے تاکہ

نکال دیں تم کو یہاں سے اور اس وقت وہ نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا۔

لفظ لبث ۳۱ بار قرآن حکیم میں آیا ہے

آیات بالا میں ۳۱ بار لفظ لبث کا کسی نہ کسی صورت میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ذرا نہ ٹھہرے اور تلا ہوا بچھڑا لے آئے حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں رہے۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے۔ اصحاب کہف غار میں رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں رہے۔ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے۔

رہنے کا مسئلہ وقت کا تعین نہیں جگہ کا تعین ہے دنیا یا جسم !

قیامت کے روز مجرم جو یہ کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے اس آیت میں دنیا کا کوئی ذکر نہیں اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجرم جگہ کا نہیں وقت کا تعین کر رہے ہیں کہ ہم کتنا عرصہ رہے اگر ان کا رہنے سے مراد گھڑی دو گھڑی کا رہنا ہوتا تو وہ لوگ جو صاحب علم و ایمان ہیں ان کو اس بات پر نہ ٹوکتے کہ سوال گھڑی دو گھڑی رہنے کا ہرگز نہیں بلکہ اصل مسئلہ اس جگہ کا تعین ہے کہ تم کہاں رہے۔ دنیا میں یا کتاب اللہ میں۔ تو تم اللہ کی کتاب یعنی جسم میں خود اپنے جسم میں جسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اور جس جسم سے تمہارا یہ روحانی جسم خارج ہوا ہے اپنی دنیا دی زندگی گزار دی ہے۔

ہر ذی روح اپنے جسم میں رہتا ہے اسی میں جیتا ہے اسی میں مرتا ہے اور اس سے ہی اسے نکال باہر کھڑا کیا جاتا ہے

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہر ذی روح جس میں انسان سرفہرست ہے دنیا میں رہتا کہاں ہے ہر ذی روح ہوا میں اڑنے والا ہو۔ زمین پر چلنے والا ہو۔ پانی میں رہنے والا ہو۔ رہے گا اپنے جسم میں۔ اسی جسم میں وہ جئے گا اسی جسم میں وہ مرے گا یعنی مرنے کے دن پورے کرے گا۔ اور اسی جسم سے دوبارہ زندہ نکالا جائے گا کیونکہ جب تک انڈہ نہیں ٹوٹے گا چوزہ برآمد نہیں ہوگا۔ جب تک زمین شق نہ ہوگی بیج پھوٹ کر باہر نہ نکلے گا جب تک درخت ثمر دار پھل کو نکلنے کی راہ نہ دے گا اور جب تک مادہ اپنے پھل کو باہر نکلنے کا راستہ وا شگاف نہ کرے گی بچہ پیدا نہ ہوگا۔

جو شخص اس بات کو نہ سمجھ سکا وہ اپنے آپ کو نہ سمجھ سکا۔

قرآن حکیم یعنی قادر مطلق کے کلام پاک کی رو سے ہر وہ شخص جو اس عام سی بات کو اس دنیا میں نہ سمجھ سکا اور اپنے آپ کو زندگی بھر نہ پہچان سکا۔ وہ خدا کو کب پہچان پائے گا۔ حدیث پاک " مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ " جس نے خود کو پہچان لیا اپنے رب کو پہچان لیا۔ اب آپ خود سوچیں کہ خدا شناسی کوئی معمولی بات ہے۔ اسی میں تو فلاح دارین ہے تو ایسے لوگوں

کو خدا نے علم و ایمان سے خارج قرار دیا ہے۔ جو مرد خود آگاہ نہیں۔

مجرموں کا لوحِ محفوظ میں رہنا کوئی انوکھی بات نہیں جو اس مسئلہ کو حل کرتی

وہ حضرات جنہوں نے کتاب اللہ میں رہنے کا مفہوم خدا کے رجسٹر یا لوحِ محفوظ یعنی خدا کے علم کی تحریر میں رہے ہیں کا لیا ہے تو اس رجسٹر یا لوحِ محفوظ سے مراد انسان کا جسم ہے جو خدا کی ایک بے مثل تحریر ہے تو پھر تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر وہ لوحِ محفوظ یعنی خدا کے علم میں رہے ہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں خدا کے علم میں سب کچھ ہے یہ بھی ہے کہ مجرم خصوصاً منکرین آخرت اس قسم کی واہیات باتیں کریں گے۔ کوئی اعمال صالحہ کرنے کے لیے خدا تعالیٰ سے اپنے سابقہ جسم کا بمنت مطالبہ کریں گے کہ ایک بار وہ جسم ہمیں دے دو جو ہم دنیا میں چھوڑ آئے ہیں تاکہ ہم اعمال صالحہ کر سکیں۔

علم آخرت سے ناواقف (منکرین آخرت) وہاں بھی اندھے ہوں گے

کچھ بدبخت وہاں جاکر بھی اندھے رہیں گے۔ اور یہ وہ لوگ ہونگے سورۃ النمل آئت نمبر ۶۶ - ۶۸: "بلکہ ان کا علم آخرت کے بارے میں تھک ہار کر رہ گیا۔ بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں۔ بلکہ وہ اندھے ہیں اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی یا ہمارے باپ دادے کیا ہم نکالے جائیں گے؟"

ملائکہ انسانی صورت سے نہیں اس کی روح سے مخاطب ہوتے ہیں

ملائکہ جب انسان کو مخاطب کرتے ہیں تو اس کی صورت کو نہیں اس کے معنی یعنی روح انسانی کو مخاطب کرتے ہیں۔ ہماری اصلی رہائش جو خواب گاہ بھی ہے آرام گاہ بھی وہ ہمارا یہی جسم ہے جیسے کتاب اللہ کہا گیا ہے۔ اصل علم یہ ہے کہ انسان صورت اور معنی میں فرق معلوم کرے۔ مادی نکتہ نگاہ سے صورت اور معنی میں فرق معلوم کرے گا تو اسے ریسرچ کا نام دیں گے۔ اسی ریسرچ سے اسے نظریاتی علم ملے گا اور یہی علم عملی صورت اختیار کر کے ایک بہت بڑی ایجاد بن کر سامنے آجائے گا۔ الیکٹرانک آلات کے حواس خمسہ تو نہیں ہیں لیکن حضرت انسان جو حواس ظاہری اور باطنی سے مزین ہے اس نے اس بے جان مادے کی صورت میں اس کی معنوی صورت کو سمجھ کر وہ کام لیئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

صورت اور معنی میں بڑا فرق ہے

کہاں اشیاء کی صورت کہاں ان کے معنی، کہاں قرآن کی صورت کہاں قرآن کے معنی، کہاں انسان کی صورت کہاں انسان کے معنی۔ اگر انسان دنیا میں ہی اس بیّن فرق کو سمجھ جائے تو یہ صورت حال نہ رہے اس نے دنیا کی ہر شے کی صورت ہی کو لیا۔ زندگی بھر وہ صورت گری، صورت نوازی، صورت نیازی صورت پرستی میں گذار دیئے صاحب علم و ایمان اس نکتہ کو سمجھتا ہے۔ کہ ہمارے اعمال جو ہم سے سرزد

ہوتے ہیں وہ ہماری تحریریں ہیں۔ سورۃ قلم آیت نمبر ا "قسم ہے قلم کی اور جو کچھ لکھتے ہیں اس کی قسم" اس آیت میں ہمیں خدا کی تحریریں قرار دیا گیا ہے اور ہمارے اعمال کو ہماری تحریریں۔ ہم الفاظ ہیں معانی ہمارے اندر پوشیدہ ہیں نظر نہیں آتے۔ معانی کے اظہار کے لیے الفاظ کی قربانی ناگزیر ہوتی ہے اور جب معانی کا اظہار ہو چکتا ہے تو الفاظ بے کار ہو جاتے ہیں۔

کتاب اللہ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تصریحات!

باب القرآن میں لفظ بت کی وضاحت ناگزیر تھی۔ آیئے اب کتاب اللہ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیالات کا جائزہ لیں۔ آپ نے اپنے فرزندوں کو جو تعلیم فرمائی ان کا ترجمہ آپکی دلچسپی کے لیے حاضر ہے:

"اے میرے لخت جگر اپنی ذات میں تمہاری سوچ بچار کافی ہے اس لیے کوئی شے تم سے باہر نہیں ہے۔ تیرا درد بھی تیرے اندر ہے اور تیرا علاج اور دوا بھی تیرے اندر ہے۔ پر تو دیکھتا نہیں۔ تو خود یہ سمجھتا ہے کہ تو بالفعل چھوٹا ہے تیرا جسم بڑا مختصر ہے حقیقت یہ ہے کہ تو ایک عالم اکبر اٹھائے پھرتا ہے اے بیٹے! تو ایک ایسی ام الکتاب ہے کہ اپنے حرفوں سے دل کی بات جانتا ہے۔ اے میرے بیٹے تو وہ ام الکتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، تو کتاب بھی ہے اور علم الکتاب بھی۔ تیرا علم اپنی ذات کا علم الکتاب ہے سب عالم تجھ میں موجود ہیں۔ کتاب مبین تو ہی ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبالؒ کا عرفان ذات کا حامل ایک بے نظیر شعر۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ایک بار قرآن مجید کو دیکھ کر فرمایا تھا یہ خاموش قرآن ہے اور میں بولتا قرآن ہوں۔ ڈاکٹر مرحوم کی عرفان ذات کا حامل ایک مشہور شعر ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب۔

صاحبو! قرآن حکیم میں وہ کتاب اللہ جس میں انسان عالم برزخ (حیات دنیا) سے یوم البعث (قیامت یا دوبارہ جی اٹھنے کے دن) تک رہتا ہے وہ یہی جسم انسانی ہے یہی وہ قبر خدا داد ہے جس کو واضح الفاظ میں ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ میں بیان کر دیا ہے یعنی انسان کو مار ایسی قبر میں گاڑا۔ یہی وہ قبر خدا داد ہے جو بلا امتیاز نیک و بد۔ مومن۔ کافر۔ رنگ و نسل سب کو عطا کر دی ہے اس کی فطرت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جس طرح اس سے پہلی پیدائش میں ایک ہی طریق کار کو اپنایا وہ خلق جدید یعنی نئی پیدائش میں بھی اسی اصول کو مد نظر رکھے۔ اور اس نے اسی پر عمل کیا۔ اور بطریق احسن کیا۔ یہی جسم انسانی جسے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے کتاب مبین کہا ہے یہ کوئی معمولی ڈھیر نہیں یہ قبر بھی ہے یہ میت بھی ہے یہ برزخ بھی ہے یہ قلم بھی ہے یہ تحریر بھی ہے

یہ قرآن بھی ہے۔ یہ لوح محفوظ بھی ہے یہ سما بھی ہے یہ ارض بھی ہے۔
اس ایک انسان میں اٹھارہ ہزار عالم بستے ہیں بقول حکیم الامت سے

محکوم ہے سالک تو یہی اس کا ہمہ اوست
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگ مفاجات

انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے اس لیے خدا اس کا بوجھ ہلکا کرتا ہے!

ان اٹھارہ ہزار عالموں کے باوجود انسان ضعیف اور کمزور پیدا کیا گیا ہے النساء آئت نمبر ۲۸: "اللہ جانتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اس لیے کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے"۔ اب یہ خدا معلوم کہ وہ اس کمزور انسان کا کون کون سا بوجھ کس کس طرح ہلکا کرتا رہتا ہے کہ ہمیں اس کا علم ہی نہیں ہو پاتا۔ ایک بوجھ تو یہی شیطان اور نفس امارہ کا ہے رحمٰن اور شیطان کے باہمی معاہدے تک شیطان نے جو چیلنج کیا تھا کہ میں انسان کو ہر طرف سے مار ماروں گا وہ اور اس کا ماتحت عملہ اپنی سی بھرپور کوشش کر رہا ہے اور ہمہ وقت مصروف کار ہے ۔ جیسا بالمقابل دیکھتے ہیں ویسا ہی داؤ استعمال کر جاتے ہیں حتےٰ کہ ہمارے خوابوں خیالوں اور تصورات تک پران کا ہمہ وقتی کنٹرول رہتا ہے۔

سب سے مضبوط رشتہ اللہ اور بندے کا ہے

لیکن اللہ تعالےٰ کی شان کریمی کے صدقے جائیں کہ اللہ تعالےٰ نے اگر اپنے کلام پاک میں نار جہنم سے ڈرایا ہے تو مغفرت کی

خوش خبری بھی دی ہے الزمر آئت نمبر ۵۳ "خدا کی رحمت سے مایوس مت ہونا. خدا تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے" سچی بات یہ ہے کہ انسان کو اس کے عزیز واقارب اس کے والدین، بہن بھائی دوست احباب سب کے سب چھوڑ سکتے ہیں لیکن وہ رب العزت کسی حال میں بھی انسان کو نہیں چھوڑتا. سب سے مستحکم سب سے پختہ اور مضبوط رشتہ اللہ اور بندے کا ہے باقی سب رشتے اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اس لیے ہمارا یہ اولین فرض ہے کہ ہم ایسے خدا کو کسی حال میں نہ چھوڑیں پھر ایسا خدا جہاں ہمیں جا کر اسے اپنا منہ بھی دکھانا ہے.

سورۃ لیٰسین آئت نمبر ۲۲ "مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں ایسے خدا کی عبادت نہ کروں (جس نے مجھے پہلی بار پیدا بھی کیا. اور پھر مجھے ۱ دوسری پیدائش کے بعد) اسی کے پاس جانا ہے.

سورۃ احقاف آئت نمبر ۱۵ : اے ہمارے رب تو ہمیں توفیق دے کہ تیری بے شمار نعمتوں کا شکریہ ادا کریں. وہ نعمتیں جو ہم پر ہیں اور ہمارے والدین پر ہیں اور ہمیں ایسے اعمال صالحہ کرنے کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو جائے اور ہماری اولاد کو صالح بنا دے. ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم مسلمانوں میں سے ہیں.

روحانی ترقی صرف ظاہر سے باطن کی طرف آنے کا نام ہے!

انسان اس دنیا میں اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ اچھے کام کرے اچھے کاموں میں سرفہرست وہ عقیدہ ہے جسے اقرارِ توحید و رسالت کہتے ہیں اس کے بعد باقی اچھے

کاموں کا خدا کے ہاں کچھ نہ کچھ قیمت پڑجاتی ہے اور اگر دنیا کی ظاہریت پر مرمٹا اور پوری زندگی دنیا کے لیے وقف کر دی تو پھر روحانی ترقی کا اللہ بیلی ہے۔ ارتقائے روحانی نام ہے ظاہر سے باطن کی طرف آنے کا۔ یہی حال قرآن حکیم کا ہے۔ یعنی اس کلام پاک کے ظاہر کے اندر کئی بواطن ہیں۔ جو شخص ظاہر پہ قناعت کر لیتا ہے۔ اس پہ روحانی ترقی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں

حرف قرآں را مداں کہ ظاہر است ۔ زیر ظاہر باطنے ہم قاہر است
زیر آں باطن یکے بطن دگر ۔ خیرہ گردد اندرو فکر و نظر
ہم چنیں ہفتاد بطن اے ذوالکرم
مے شمر تو ایں حدیث معتصم

قرآن حکیم کے ستر بطون ہیں

فرماتے ہیں تو قرآن حکیم کے الفاظ کی ظاہری صورت پر نہ جانا۔ ہر ظاہر کے نیچے ایک زبردست باطن چھپا ہوا ہے۔ اس باطن کے نیچے ایک اور باطن ہے جس کے اندر فکر و نظر کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اس طرح بطن در بطن ستر بطن ہیں اس بات کا پختہ یقین کر لے۔

ترجموں اور تفسیروں میں موشگافیاں نکالنا اور تاویلیں گھڑنا مفسرین

فرماتے ہیں دینی تعلیم الفاظ میں دی جاتی ہے۔ صحیفہ آسمانی بھی الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے جدال پسند اہل ظاہر قرآن حکیم کے الفاظ پہ

پھٹول کر دیتے ہیں. کوئی صرف ونحو کا جھگڑا نکالتا ہے کوئی ترجمے اور تفسیر میں موشگافیاں نکال کر گروہ مخالف سے برسرپیکار ہوتا ہے

کی ایک مخصوص طرز فکر ہے

یہ الفاظ کی پڑیاں ہیں جن پر وہ لڑتے ہیں۔

ترجمے اور تفسیروں میں موشگافیاں نکالنا اور تاویلیں گھڑنا مفسّرین حضرات کا ایک مخصوص طرز فکر ہے۔ یہی وہ صورتِ حال ہے جس سے مولائی و مرشدی متاثر ہو کر فرماتے ہیں۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبرائیل و مصطفےٰ را

یہ اس شاعر کی روح کی پکار ہے جنہیں آپ حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی سے یاد فرماتے ہیں۔ لیکن یہ جو آپ فرما گئے ہیں اسے آپ لوگ عملی صورت میں درخورِ اعتنار نہیں گردانتے۔ مفہوم ان زندہ جاوید اشعار کا آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ صوفی و ملا کو میرا سلام ہے کہ انہوں نے مجھے پیغام خدا (قرآن) بتایا۔ لیکن ان کی من گھڑت تاویلوں نے خود خدا تعالےٰ، حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو حیران و ششدر کر دیا۔ اس میں جو مولائی و مرشدی نے علماء کو سلام کیا ہے یہ وہ سلام ہے جس کا سورۃ الفرقان آئت نمبر ۶۳ میں ذکر ہے" اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں یاد رہے کہ سب سے بڑا مسئلہ ہی حیات بعد الممات کا ہے جن میں تاویلیں گھڑی گئی ہیں۔

بَابُ

الْاَرَضْ

مرقد کا شبستاں بھی اسے راس نہ آیا
آرام قلندر کو تہہ خاک نہیں ہے

(اقبالؒ)

قرآنی الفاظ کو سمجھنے کے دو پہلو ایک زمینی دوسرا آسمانی

حیاتِ اخروی جسے قرآن حکیم میں خلق جدید کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے اسے سمجھنے کے لیے اس سے متعلقہ الفاظ کے دو پہلو دیکھنا پڑتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ لفظ ہماری دنیا میں کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہی لفظ عالم بالا والوں کی نگاہ میں کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وہ اس لیے کہ ہم صورتوں کی دنیا کے باسی ہیں اور وہ عالم معنی کے مکین۔ پچھلے اوراق میں احقر نے جو وضاحتیں کی ہیں ان میں عالم معنی کا پلہ ہی بھاری رہا۔ ملائکہ چونکہ ہم اہل صور سے مخاطب ہیں اس لیے وہ عمومی انداز ہی رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے لوگوں کو جو خدا کے نزدیک علم اور ایمان والے ہیں جو قرآن حکیم کی ایک ایک آئت اعضائے جسمانی کے ایک ایک عضو پر بھرپور غور و فکر کے عادی ہیں ان کی مساعی کو بھی وہ نظر انداز نہیں کرتے اور ان گداگروں کی جھولیاں بھی حسن معنیٰ سے بھرتے رہتے ہیں۔

اللہ نے انسان کو زمین سے اگانا اگایا !

ارض کا لفظ ۲۸۶ مرتبہ قرآن حکیم میں آیا ہے۔ میں ان میں سے چند چیدہ چیدہ آیات سے متعارف کراؤں گا۔ سورۂ نوح آیت نمبر ۱۷

"اللہ نے تمہیں زمین سے اگانا اگایا (وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا) پھر تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور پھر تمہیں اسی زمین سے نکالے گا۔

سورۃ الاعراف آئت نمبر ۲۴ "کہے نیچے اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ تمہارا زمین کے بیچ ٹھکانا ہے اور فائدہ ہے تھوڑے وقت کا۔ اسی میں تم جیو گے اسی میں تم مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے"۔

تخلیق کائنات کی موجودہ صورت احسن ترین اور افضل ترین ہے خالق برتر نے جو کچھ بنا دیا اور جیسا جیسا بنا دیا اس سے بہتر ممکن نہ تھا۔ اگر اس سے بہتر امکان ہوتا تو پھر یہ خدا خدا نہ ہوتا کوئی اور خدا ہوتا۔ یہ اس کی قدرت کاملہ کا کمال ہے کہ تخلیق اشیاء کی صورت میں اس نے حیوانات، نباتات اور جمادات میں وہ وہ بوقلمونی پیدا کی کہ انسان عش عش کر اٹھتا ہے لیکن اگر اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر کی صفت کے تحت اگر ہم یہ کہیں کہ انسان گندم جو چنوں کی طرح زمین سے بھی اگایا جا سکتا تھا تو جواباً عرض ہے جی ہاں ضرور اگایا جا سکتا تھا مگر وہ صورت پیدائش موجودہ صورت سے بہتر نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات کو یہ طریقہ پسند نہ آیا۔ اگر یہ طریقہ اسے پسند آتا تو یقیناً اس فیصلہ کو حرف آخر سمجھتا اور آج سب انسان زمین سے اگتے۔ پھلتے پھولتے اور پھر یوم الفصل کو کٹ جاتے۔

وہ کون سی زمین ہے جس سے انسان اگتا ہے

خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ سمجھتے ہوئے اسکے لیے اجناس و اثمار اگانے والی زمین سے مختلف زمین کا انتخاب کیا۔ اور اس زمین میں اگا کر خود ہی اس کی تعریف بھی کی۔ سورہ آل عمران آئت نمبر ۳۷ "مریم کو اچھا اگانا اگایا" اب ہمیں قرآن حکیم کی ان آیات میں غور و فکر کرنا ہے کہ وہ کون سی زمین

ہے جس سے انسان اگتا ہے مفسرین جو چند ایک میری نگاہ سے گذرے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ وہ عناصر یا اجزار جن سے انسان کی زندگی پروان چڑھتی ہے وہ زمین سے پیدا ہوتی ہیں جن کو کھا کر انسان کی نشو ونما ہوتی ہے اس لیے یہ بھی زمین سے اگنا ہی ہوا۔

مولانا مودودیؒ کی نظر میں خدا نے شروع میں انسان کی پود (پنیری) لگائی

حضرت مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہاں زمین کے مادوں سے انسان کی پیدائش کو نباتات کے اگنے سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح کسی وقت اس کُرّے پر نباتات موجود نہ تھیں پھر اللہ تعالے نے یہاں ان کو اگایا اسی طرح ایک وقت تھا جب رُوئے زمین پر انسان کا کوئی وجود نہ تھا پھر اللہ تعالےٰ نے یہاں اس کی پنیری (پود) لگائی۔

انسان کی تخلیق موت اور بعثت کی مثلث ایک قابلِ غور مسئلہ ہے

واجب الصد احترام پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ نمبر ... میں اس کی وضاحت بالکل نہیں کی یعنی یہ نہیں بتایا کہ اگانے لوٹانے اور دوبارہ نکالنے کا کام کس سر زمین سے ہوگا لیکن حاشیہ میں نمبر ۱۴ کے تحت جو کچھ لکھا بالکل درست لکھا آپ نے فرمایا کہ انسان کی تخلیق، موت اور بعثت کی طرف متوجہ کیا کاش شاہ صاحب قبلہ اس سے ذرا آگے بڑھ کر اس زمین پر سے پردہ

اٹھا دیتے جس زمین میں مراحل ثلاثہ کی یہ مثلث مکمل ہوتی ہے تو یہ ایسا نکتہ حل ہوجاتا کہ حیات بعد الممات کے تمام تر نکتے حل ہوجاتے۔

حضرات سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ خالق کل نے انسان کے اگنے کی استعارہ کنایہ میں بات نہیں کی۔ اسے بالکل واضح اور کھلے الفاظ میں بیان کردیا ہے۔ کہ انسان کو براہ راست زمین سے اگایا اس زمین سے نکالنے کی زمین ایک ہی قسم کی ہوگی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ ایک ہی زمین ہوگی۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ اگائے کسی اور زمین سے لوٹائے کسی اور زمین سے اور پھر نکالے کسی اور زمین سے۔

خدا نے انسان کو اگایا یہ کوئی تشبیہ نہیں حقیقت ہے۔

بات بڑی ہی آسان اور سادہ ہے یہ کوئی چیستان نہیں سب سے پہلے اس زمین کو لیں جس میں سے انسان اگا۔ حضرات ہم نے آج تک بلکہ آئندہ بعید تک یہی دیکھا اور یہی دیکھیں گے کہ انسان شکم مادر سے ایک انتہائی تنگ اور مشکل گذرگاہ سے گذر کر اس دنیا میں آتا ہے اور آتا رہے گا۔ جس ارض کو آپ اپنے ذہن میں بسائے بیٹھے ہیں ملائکہ اس زمین کا ذکر نہیں کررہے۔ ملائکہ اس سرزمین کا ذکر کررہے ہیں جس میں انسان ہی نہیں ہر جاندار اگتا ہے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا تھا مٹی سے اگایا تو نہیں گیا تھا۔

زمین کا قلیل و کثیر زمین کہلاتا ہے

سب سے پہلے وہ زمین لیتے ہیں جس پر ہم بستے ہیں۔ لفظ ارض

پورے کُرتے کے لیے بھی آیا ہے اور تھوڑے سے حصے کے لیے بھی خواہ وہ سوئی کا ایک ناکہ ہی کے برابر کیوں نہ ہو۔ جب ایک کوّا زمین کو کریدتا ہے اپنی چونچ سے. تو زمین کا وہ قلیل سا حصہ جو کوّے کی چونچ کی زد میں آتا ہے اسے بھی قرآن حکیم میں ارض کیا گیا ہے سورہ المائدہ آئیت نمبر ۳۱ " اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدتا تھا تو زمین کا قلیل وکثیر سب زمین ہی کہلاتا ہے اصولاً چند مرلے زمین کا مالک بھی زمیندار کہلانے کا مستحق ہے زمین میں کوئی بھی چیز بونے کے لیے زمین کی حد بندی کرنا پڑتی ہے چھوٹے چھوٹے کھیت بنانے پڑتے ہیں کہ قلبہ رانی. تخم ریزی اور آب رسانی میں آسانی ہو۔ جب زمین ہر لحاظ سے تیار ہو جائے تو اس میں موسم کے لحاظ سے بیج بکھیرنا پڑتے ہیں یہ کہ بیج کیسے بکھرا جائے اور زمین میں کس طرف سے بونا شروع کیا جائے۔ مالک زمین کی مرضی پر منحصر ہے جس طرف سے چاہے بو سکتا ہے لیکن ایک احتیاط انتہائی ضروری ہے۔ بیج جو بڑی قیمتی شے ہے زمین کی حد کے اندر گرے ساتھ کے گندے جوہڑ میں نہ جا گرے۔

ہم ہر فصل ہر زمین سے حاصل نہیں کر سکتے

پھر اس زمین کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسموں کا اور خاص خاص اوقات کا تعین فرمایا دیا ہے ربیع کی بوائی خریف میں، اور خریف کی بوائی ربیع میں کی جائے ایسا کبھی نہیں ہوا پھر ایک حد یہ بھی ہے کہ ہم ہر قسم کی پیداوار کو ایک ہی قسم کی زمین میں نہیں بو سکتے ہم اگر چاہیں کہ لاہور کے گرد و نواح میں کوئی قابل زمین لے کر اس میں

سری نگر کے زعفران کی کاشت کریں تو یہ ناممکن ہے۔

عورتیں ہماری کھیتیاں ہیں

اب آئیے اس معمہ کو قرآن حکیم کے ذریعہ سے حل کریں جس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۲ "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یہ آئت کوئی متشابہات میں سے نہیں بلکہ ٹھوس اور واضح حقیقت بیان کرتی ہے۔

یہ کھیتی جس سے انسان جنم لیتا ہے۔ دوسری زمین کے مقابلہ میں زیادہ جامع صفات ہے بڑی زرخیز ہے۔ بڑی مردم خیز ہے۔ یہ قطب شمالی کی درجہ انجماد سے چالیس سنٹی گریڈ نیچے کے علاقہ سے تعلق رکھنے والی ہو یا کسی استوائی خط کے گرم ترین علاقہ کی اس زمین کا درجہ حرارت ۹۸٫۴ ہی رہے گا۔ برخلاف دوسری زمین کے جس کا درجہ حرارت موسم کے درجہ حرارت کا مرہون منت ہے۔

ارض اللہ میں کاشت کے لیے موسم کی کوئی قید نہیں

اس ارض اللہ کا کمال یہ ہے کہ اس میں بلا موسم بیج اگے گا۔ افریقہ کا بونا ماسکو۔ سویڈن یا ناروے چلا جائے تو وہ وہاں کی کھیتوں میں بھی تخم ریزی کر سکتا ہے اور پیدا وار لے سکتا ہے اس انسانی کاشت کے لیے وقت اور موسم کی کوئی قید نہیں۔ الحاصل کشت مادر اتنی قابل اور زرخیز زمین ہے کہ اسے ہم تخلیقی نکتہ نگاہ سے خالق کل کا ایک عظیم اور بے مثل شاہکار قرار دے سکتے ہیں۔

خدا نے زمین کو بنایا انسان کی نیابت کے لیے اور انسان کو بنایا اپنی نیابت کے لیے!

آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا۔ مٹی میں بو کر اگایا نہیں گیا۔ اور وہی مٹی کا بت روح پھونکنے کے بعد گوشت پوست کا ایک جیتا جاگتا خوبصورت سرخ و سفید قد آور شخصیت کا مالک بن گیا۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ کون سی زمین خدا کی نظر میں صاحب عقل و ایمان کی نظر میں زمین کہلانے کی مستحق ہے مختصر لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی زمین کو بنایا انسان کیلئے اور انسانی زمین کو بزرگی عطا کی اور خلیفۃ اللہ کے رتبہ سے نوازا اپنی ذات کے لیے سورہ بقرہ آئت نمبر ۲۹: "وہ خدا جس نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے واسطے پیدا کیا" سورۃ الحج آئت نمبر ۶۵ "کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے واسطے مسخر کر دیا جو کچھ بیچ زمین کے ہے اور مسخر کر دیں تمہارے واسطے کشتیاں چلتی ہیں بیچ دریا کے مگر اس کے حکم کے ساتھ بتحقیق اللہ تعالےٰ لوگوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے وہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر مارے گا تم کو اور پھر زندہ کرے گا تم کو تحقیق انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اگانے والا بھی جسم اگنے والا بھی جسم اور جی اٹھنے والا بھی روحانی جسم

بات ارض کی شروع کی تھی اور قرآن حکیم کی رُو سے ثابت کیا کہ انسان کی پہلی پیدائش کشت مادر سے ہوئی۔ اور وہ وہی گوشت

پوست کا جسم لے کر آیا جس گوشت پوست کے جسم میں وہ تقریباً ۹ ماہ یا
کم وبیش خونِ مادر سے پلتا رہا۔ دنیا میں آیا تو اس کا یہی جسم اپنی روح کا
پردہ بن گیا اس کا برزخ بن گیا۔ یہ اس کی برزخی زندگی کہلائی اور اپنے
آخری سانس کے خاتمے کے ساتھ ہی دوسرے خوبصورت روحانی جسم
میں جی اٹھا۔ یہی اس کا مر کر جی اٹھنا اس کی قیامت کہلائی۔ وَاَنَّ مَنْ
مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مر گیا اس پر دورِ قیامت گذر گیا اور
اس کے ساتھ ہی اس کی ابدی زندگی کا آغاز ہو گیا اور اس نے ہمیشہ کے
لیے موت پر فتح حاصل کرلی۔

روحانی چہرہ ہمارے موجود چہرے کا سا ہوگا۔ مگر زمانہ شباب کا سا۔

ہم جسے حیاتِ دنیا کہتے ہیں وہ ایک اضافی
شے تھی۔ اگر حقیقی ہوتی تو ابد تک ساتھ
دیتی۔ حقیقی زندگی یہ ہے سورۃ
واقعہ آیت نمبر ۶۱، ۶۲ ہم نے
تمہارے درمیان موت مقدر
کی ہے اور ہم (ملائکہ) اس بات سے قطعاً عاجز نہیں کہ ہم تم کو تمہاری مانند
بدل دیں (دوسری زندگی میں تم اس دنیاوی چہرے سے پہچانے جاؤ) اور
تم کو اس جہان میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے۔ تم نے اس سے پہلی
پیدائش جان لی تھی۔ پس کیوں نصیحت نہیں پکڑتے۔ (اب پہلی پیدائش
کے بعد دوسری پیدائش کا ذکر ہوتا ہے۔

خدا زمیندار۔ ملائکہ مزارع اور انسان فصل ہیں

سورۃ الواقعہ ۶۴: "کیا پس دیکھا
تم نے جو تم بوتے ہو کیا تم یہ کھیتی
باڑی کرتے ہو یا ہم یہ کھیتی باڑی

کرتے ہیں یہ وہ کھیتی باڑی نہیں جو زمیندار کرتے ہیں بلکہ یہ وہ کھیتی باڑی ہے جو ملائکہ فصلِ انسانی کی بوائی کٹائی کرکے پھر اس کی گہائی کرکے غلہ اور بھوسہ کو الگ الگ کرکے ہر دو کو اپنے اپنے سٹور میں پہنچاتے ہیں خدا ایک لینڈ لارڈ، ملائکہ اس کے مزارع اور انسان فصل ہے آیئے اب پھر سورۃ نوح کی آیت نمبر ۱۷ کو دُہرائیں "اللہ تعالےٰ نے تمہیں زمین سے اگانا اگایا پھر اسی زمین میں لوٹائے گا پھر اسی زمین سے نکالے گا یہ ایک ہمہ گیر اصول ہے جو خدا تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے۔

ہمارے فیصلے ظاہریت پر صادر ہوتے ہیں

ایک بہت بڑا مسئلہ جو دیگر کئی مسائل کو جنم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم لوگ ظاہریت کی دنیا میں صورتوں اور مورتوں کی دنیا میں بستے ہیں ظاہریت پر فیصلے صادر ہوتے ہیں کوئی دو چار جھوٹے گواہ پیش کرکے ان کے بیانات پر سزائے موت تک ہو سکتی ہے۔

ملائکہ کے طرز تخاطب میں تشبیہات و تمثیلات کا استعمال ناگزیر تھا۔

اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کے توسط سے اور بعض مقامات پر براہِ راست خود بھی ہم انسانوں کو مخاطب کیا ہے یہ انہوں نے مسائل کو ہماری سمجھ کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ظاہر ہے اس اندازِ تخاطب میں تشبیہات و تمثیلات کا استعمال ناگزیر ہے۔ اکثر تو ایسا ہوا ہے لیکن اس عالمِ صور میں سب تو صورت پرست نہیں۔ یہ

ک اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ صورت خواہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو اس کی مسلسل نظارہ بازی اسے بے معنی سی بنا دے گی اور آخر کار اس کی طبعی ہرجائیت اس سے سیر ہو کر اپنا رُخ پلٹ دے گی۔

ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اللہ بھیدوں کو پسند کرتا ہے

لیکن معنویت جس کا آغاز ذرا مشکل سے ہوتا ہے جب اس راہ پر کوئی گامزن ہو جائے تو پھر وہ مڑ مڑ کر نہیں دیکھتا۔ دور آگے ہی آگے دیکھتا چلا جاتا ہے تا آنکہ بھیدوں کے معشوق کو پالیتا ہے نحن نحکم بالظاھر واللہ یتولی السرائر ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں اور اللہ بھیدوں کو پسند کرتا ہے۔ اعمال ظاہری کا نیت پر منحصر ہونا بھی دلیل معنوی ہے اس میں اعمال کی ظاہری صورت کو غیر معتبر قرار دیا ہے لیکن اس میں بھی خدا کی حکمت ہے اگر یہ صورت گر اور صورت گیر لوگ نہ ہوں تو دنیا بے رونق ہو جائے۔ یہ سب باؤ ہو اور رنگینی ان لوگوں کے دم قدم سے ہے۔

لفظ نبت کے بارے میں احقر نے سابقہ اوراق میں تفصیلاً آیات قرآنی کا حوالہ دے کر ثابت کیا ہے کہ انسان کے رہنے کے مفہوم اور خدا کے رہنے کے مفہوم میں زمین آسمان کا فرق ہے جب ہمیں اللہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں زمین سے اگا نا گیا تو ہم صورت پسندوں کے عام مشاہدے کیمطابق دھیان صرف اسی ارض کی طرف جاتا ہے جس میں سے نباتات پیدا ہوتی ہیں پھر یہ صورت پسند کرتے کیا ہیں، کرتے یہ ہیں کہ اپنا پورا زور بیان یہ ثابت کرنے پر صرف کرتے ہیں اور پر زور دلائل سے

ثابت کرتے ہیں کہ ہم جس زمین پر آباد ہیں جس پر ہم سب رہ بس رہے ہیں یہی وہ ارض ہے جس سے ہم پیدا ہوئے۔

جسمِ انسانی مصادرِ وجود اور ماخذ اعمال ہے

حالانکہ خدا تعالےٰ نے انسانی کھیتوں کی نشاندہی کرادی اور ثابت کردیا کہ تمہارے اگنے کی ارض وہ نہیں یہ ہے، جس میں تم آباد ہو جس پر نہیں جس میں تم جی رہے ہو۔ یہی گوشت پوست کی زمین تمہارا مصدرِ وجود ہے۔ رہنے۔ بسنے۔ سونے۔ جاگتے۔ کھانے پینے دوڑنے بھاگنے حتیٰ کہ مرنے جینے اور پھر دوبارہ اسی جسم سے جی اٹھنے کے تمام تر اعمال اسی سے صادر ہوتے ہیں۔ اگانا لوٹانا اور پھر اسی زمین سے نکالنا حقیقت میں پہلی پیدائش۔ پھر موت اور پھر نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے۔

انسان خود سے بہت دور ہو گیا ہے!

خدا معلوم اس میں کیا بھید ہے کہ انسان خود سے قریب تر ہونے کے باوجود اپنے آپ سے اتنا دور کیوں ہو گیا ہے اب تک ہم آئینہ میں ہزاروں بار اپنی صورت دیکھ چکے ہیں لیکن تصوّر میں اپنے چہرے کو لانے میں دقت ہوتی ہے اس کے برخلاف کسی دوسرے انسان کو ایک ہی بار دیکھ لینے سے کم از کم اتنا تو یاد رہتا ہے کہ اسے کہیں دیکھا ہے۔

جسم کی اصلی خوابگاہ میں نیند نہ آئے تو شاہی محلات کے نرم و نازک گدّے بھی بے کار ہیں

یہ خیال مجھے اس لیے آیا کہ ملائکہ جب ہم سے پوچھتے ہیں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہم کہاں رہے تو اس کے جواب میں ہم دائیں بائیں گھومتے ہیں یہ ملک اس کا فلاں شہر اور اسکی فلاں فلاں گلی یا محلہ کا فلاں نمبر کا مکان۔ لیکن خدا کا عطا کردہ وہ اصلی مکان جو اس نے ہر ایک کو عطا کر رکھا ہے اور جو ہمارے دم قدم سے آباد ہے اس کو بھول جاتے ہیں اس جسم کی خواب گاہ میں ہمیں نیند نہ آئے تو لاکھوں کروڑوں کے مزیّن و مرصع محلات اور ان میں مخمل و کمخواب کے گدیلے بھی بے کار ثابت ہوں گے کیونکہ نیند کا تعلق مکانیت سے نہیں خالصتاً جسمانیت سے ہے لیکن اگر اس خواب گاہ میں نیند زوروں پہ ہو تو پھر فٹ پاتھ بھی فرش مخملیں لگے گا۔ تو اصل سوچنے والی بات ہے کہ اصل خواب گاہ یہ جسم انسانی ٹھہرا یا بکنگھم پیلس۔

انسان ایک عالم اکبر اٹھائے پھرتا ہے

سورہ یسین آیت نمبر ۵۵: اور جس وقت صور پھونکا جائے گا۔ یہ قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے (بسوئے آسمان) روانہ ہونگے۔ اور کہیں گے وائے افسوس ہمیں خواب گاہوں سے کس نے جگا دیا جو کچھ ہے اسی ارض جسم میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الفاظ کتنے پیارے ہیں اے میرے لخت جگر اپنی ذات میں تیری سوچ

بچار کافی ہے اس لیے کہ کوئی شئے تم سے باہر نہیں۔ تیرا درد بھی تیرے اندر ہے اور تیری دوا بھی۔ پر تو خود کو پہچانتا نہیں۔ تو سمجھتا ہے کہ تو بالفعل چھوٹا سا ہے تیرا جسم بڑا مختصر ہے حقیقت یہ ہے کہ تو ایک عالم اکبر کو اٹھائے پھرتا ہے۔

فساد فی الارض کی وضاحت

اس عالم میں فساد برپا ہوجائے تو لَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ والی آیت یاد آجاتی ہے اب فساد فی الارض کی حقیقت سنیں۔ یہ دنیا بھر کے دنگے فساد لڑائی جھگڑے یہ مار کٹائی یہ ڈانگ سوٹا کوئی خارجی شئے نہیں۔ یہ فساد کا لاوا سب سے پہلے آپ کے دل و دماغ میں پیدا ہوگا جو آپ کے عقل و شعور کو تباہ کرے گا اور حماقت کا پورے جسم پر کنٹرول ہوجائے گا۔ اب جو کچھ حماقت آپکے اعضاء ظاہری کو آرڈر دے گی وہ غیر متوازن اور غیر معتدل حرکات کی صورت میں سرزد ہونگی فساد دنگا کرتے آپ نظر آئیں گے لیکن اصل چور آپکے دل و دماغ پر مسلط ہوگا یہی فساد فی الارض ہے،

اصلاح کا وقت وہی ہوتا ہے جب جسم کی بستی کا حاکم یعنی عقل ٹھکانے ہو۔

آدمی کے جسم میں عقل و شعور ایک آفیسر کمانڈنگ کی حیثیت رکھتی ہے، جب تک جسم کے سپاہی اس کے تابع فرمان رہیں گے۔ اس کے سب کام اصلاح پاتے رہیں گے لیکن جونہی عقل نے جسم کو چھوڑا تو فساد فی الارض شروع ہوگیا۔ شرابی آدمی جب نشے میں چور ہوتا ہے تو وجود کی سپاہ یعنی ہاتھ پاؤں اور زبان کیا کیا فساد برپا کرتے ہیں لیکن جب عقل ٹھکانے آتی ہے تو غلطی کا احساس

پیدا ہوتا ہے پس اصلاح کا وقت وہی ہوتا ہے جب بستی میں سردار موجود ہو اور یہ اس کے مطیع ہوں۔

سر جسم انسانی کا سما ہے جو عالم امر کی حیثیت رکھتا ہے۔

سر اس ارض کا سما ہے جو عالم امر کی حیثیت رکھتا ہے تمام حواس ظاہری و باطنی اسی سر کے احکامات و اوامر کے تحت کام کرتے ہیں۔ سر جس جس کو جو آرڈر دے گا وہ اس پر عمل کرے گی لیکن شیطان اور اس کے چیلے چانٹے انسان کی سوچوں پر اثر انداز ہو کر اس کے مثبت احکامات و اوامر کو منفی اوامر کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ یہی اس کا بڑا کارنامہ ہے اس میں جو جو حربے وہ استعمال کرتا ہے اس کی لسٹ کافی طویل ہے۔

دماغ انسانی ایک پلیٹ فارم ہے کبھی اسپر ملائکہ کا قبضہ اور کبھی شیاطین کا تسلط ہوتا ہے

تو گویا انسانی دماغ ایک پلیٹ فارم کی حیثیت بھی رکھتا ہے کبھی اسپر ملائکہ کا تسلط اور اکثر اس پر اس اسفل السافلین میں شیاطین اور ارواح بد کا جمگھٹا۔ اللہ پاک نے رزق حلال انسان کو عطا کر رکھا ہو جسم پاک ہو۔ کپڑے پاک اور طیب ہوں۔ پھر ملائکہ کا نزول ہی نزول ہے طبعیت خواہ مخواہ عبادت کی طرف راغب ہوگی۔ اور خوش قسمت انسان ایک روحانی حلقہ اثر میں آجائے گا۔ اس کی بات میں اثر ہوگا اس کی ذات میں روح القدس کی سی کشش ہوگی۔ اس کے پاس

بیٹھنے اٹھنے سے اصلاح قلب ہوگی اعمال خیر کا انسان حریص بنتا چلا جائے گا

رزق حرام سے حواس ظاہری و باطنی خواہی نخواہی گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں

لیکن اگر رزق حرام کی افراط ہو تو عقل و شعور کہاں ٹھکانے رہیں گے. خواہ مخواہ بلا ارادہ ہی حواس ظاہری برائی کا رخ کریں گے شیاطین اس ارض جسم میں ڈیرے ڈال دیں گے. نفس امارہ ان کا معمول بن جائے گا حرام حلال کی تمیز اٹھ جائے گی. اور یہ حالت جو انسان پر آتی ہے. انتہائی قابل رحم ہوتی ہے. اس موقعہ پر اللہ انسان پر ترس کھا کر اس کا رخ شر سے خیر کی طرف پلٹ دے تو مولا کا بڑا ہی کرم ہو جاتا ہے.

فساد فی الارض کی ایک حقیر چنگاری جوالامکھی بن سکتی ہے

انفرادی فساد فی الارض ایک حقیر چنگاری کی مانند ہے اس کی ابتدا کمزور سہی لیکن جب سینوں میں اس کی پرورش ہوتی رہتی ہے تو یہ ایک جوالامکھی بن جاتی ہے اور پورے عالم کو اپنی پیٹ میں لے لیتی ہے. تو فساد سب سے پہلے روح کی اپنی رہائش گاہ میں شروع ہوتی ہے، پھر اس کے خارجی اثرات مرتب ہوتے ہیں

عوارض جسمانی کے معالج ڈاکٹر

اللہ تعالےٰ کی تمام تحریروں میں احسن ترین تحریر جسے خدا نے احسن تقویم بھی کہا ہے یہ حضرت انسان ہے یعنی کتاب اللہ . ارض اللہ.

ہر شئے کی طرح یہ کتاب بھی صورت اور معنی کی حامل ہے اس کتاب کا جسمانی علم ہی ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے اگرچہ یہ ایک خالصتاً مادی علم ہے لیکن یہ فن شریف ہے فخر و عزت کے قابل۔ اس علم کی جملہ شاخیں میڈیکل میں جا کر کھلتی ہیں عوارض جسمانی کا علاج خواہ ادویات سے ہو یا سرجری سے یا ہر دو کو ملا کر۔ یہ ڈاکٹر کی صوابدید پر منحصر ہے وہ جیسا مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے منتہائے مقصود اس علم کا یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان جسمانی لحاظ سے پوری طرح صحت مند رہ کر عمر طبعی تک پہنچے۔

امراضِ روحانی کے معالج سرفہرست رسول اکرمؐ اور اولیاء کرام

اس کتاب اللہ یا ارض اللہ کا دوسرا علم جو معنوی اور متعلق بہ روح ہے خاص اہمیت رکھتا ہے اس شاخ میں بھی اطباء اور حکما کا وجود ناگزیر ہے۔ چنانچہ ان میں بر سرفہرست شافی الامراض روحانی سرورِ عالم حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے دیگر جملہ انبیاء کرام و اولیاء عظام آپ کی ماتحتی میں ہیں اور یہ کام دور بہت دور کسی مستقبل کا منتظر نہیں یہ چودہ صدیوں سے جاری ہے اور قیامت کبریٰ تک جاری رہے گا۔ آپؐ کے تصرفات روحانی جان معانی ہیں۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سائنسدان مادے کی معنویت کے اوصاف سے استفادہ کرتے ہیں

تصرفات مادی میں جملہ انسان حصہ لے سکتے ہیں جو بھی کائنات میں غور و فکر کرے گا اور مسلسل کوشش کو جاری رکھے گا وہ اس محنت کا

پھل ضرور دیا جائے گا۔ آپ کو جو ایجادات آج نظر آرہی ہیں یا جو مستقبل میں ظہور پذیر ہونگی وہ سب ان مادی ریسرچ کے دم قدم سے ہے یہ لوگ مادے کی معنویت کو دیکھتے ہیں اس کی صورت کو نہیں دیکھتے مادے کی صفات کو مدنظر رکھتے ہیں یا شے کے خواص معلوم کرتے ہیں۔

ایک سو سے زائد عناصر کے خواص کا علم انسان کو خدا کے حضور جھکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

ان لوگوں نے آج تک ایک سو کے قریب جو عناصر معلوم کیے ہیں اور ان کے مختلف النوع خواص معلوم کیے ہیں ان کو دیکھ سن کر انسان خدا کی عظمت کا دل و جان سے معترف ہو کر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاتا ہے اتنا عظیم و برتر خدا جس نے یہ سب کچھ انسان کے لیے پیدا کر دیا ہے اس انسان کا یہ عالم ہو کہ ہمیشہ کے لیے بے نام و نشان اس دنیا سے مٹ جائے اور ایک ہی پیدائش پر ختم ہو جائے اس سے زیادہ احمقانہ سوچ بھی ہو سکتی ہے۔

زمین سے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے کروڑوں میل دور راکٹوں پر قابو مادی معراج ہے

بہرحال انسان اس خالق برتر کی ایک عظیم تخلیق ہے۔ بے مثل، بے نظیر مادی نکتہ نگاہ سے یہ کس قدر تحیر خیز ہے کہ زمین سے لاکھوں کروڑوں میل راکٹوں کو خلا میں کنٹرول کرنا اور ان کی حرکات کو نگاہ میں رکھنا تسخیر مادہ کی معراج ہے لیکن بایں ہمہ آج بھی کوئی

سائنسداں کوئی موجد کوئی دانشور ایسا نہیں جو قرآن کریم کی ان آیات کے
مرکزی کردار کی صفات کا حامل ہو۔

ملکہ سبار کا تخت اٹھالانے کا قصہ

سورۃ النمل آیات نمبر ۳۸ تا ۴۰ (سلیمانؑ) بولا اے دربار والو تم میں سے کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اس (ملکہ سبار) کا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں ہمارے پاس تابع فرمان ہوکر، جنوں میں سے ایک عفریت بولا میں تیرے اس دربار کے برخاست ہونے سے پہلے لائے دیتا ہوں۔ اور میں طاقت ور بھی ہوں اور امانت دار بھی۔ لیکن وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں اس تخت کو تیرے پاس چشم زدن میں لے آؤں گا یعنی تو ذرا نظر ادھر کر، پھر ادھر دیکھے گا تو تخت موجود ہوگا۔ پھر جب ایسا کرکے دیکھا تو حضرت سلیمان نے تخت کو ادھر دھرا ہوا پایا۔ کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

آصف بن برخیا انسان تھے اور علوم سماوی کے عالم

ملکہ بلقیس کے تخت کو چشم زدن میں اٹھا لانے والے آصف بن برخیا انسان تھے جن نہیں تھے اس سے ایک بنیادی علم یہ ملتا ہے کہ انسان علمی لحاظ سے جنات سے افضل ہے یہ آصف بن برخیا آسمانی کتابوں کے عالم باعمل تھے اور اللہ تعالےٰ کے اسمارِ حسنیٰ اور اس کے کلام کے اثرات سے پوری طرح واقف تھے۔

آئن سٹائن کی تھیوری

آئن سٹائن کی تھیوری کے مطابق مادہ رفتار نور (جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ ہے) تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ منوں بھاری تخت جو سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا بنا ہوا تھا ایک سیکنڈ میں حاضر کر دیا گیا۔ یہ تخت مآرب سے شام تک لایا گیا۔ اب میرے علم میں نہیں کہ ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے بہر حال علم الکتاب کے عالم آصف بن برخیار کے اس عملی تجربے نے آئن سٹائن کی تھیوری کی مکمل تردید نہ بھی کی ہو تو بھی آج کا کوئی سائنس دان ایسا عملی تجربہ کر کے نہیں دکھا سکتا۔

دنیا جہنم کا دوسرا نام ہے

جنت کی ایک سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ خواہش اور اس کی تکمیل میں ذرا سا وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں جو جہنم کا دوسرا نام ہے ارادہ اور خواہش کی تکمیل کے درمیانی بغیر کسی وقفہ کو پورا کر دکھانا کمال کی بات ہے۔ اب سورۃ النمل کی آئت نمبر ۶۱ پیش کی جاتی ہے اس آیت کا ترجمہ پڑھنے کے بعد آپ اس بات کا دعویٰ کریں گے کہ ہم تو اس کا مطلب جانتے ہیں لیکن خدا تعالےٰ کہتا ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ اس کو نہیں سمجھتے اور جو سمجھتے ہیں وہ ہمارے سمجھنے سے مختلف ہے۔

آیت نمبر ۶۱ ملاحظہ ہو: "آیا کس نے کیا ہے زمین کو ٹھکانا اور اس کے بیچ نہریں بنائیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے۔ اور دو دریاؤں کے درمیان پردہ (دالو) رکھا۔ کیا خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے۔ لیکن اکثر ان میں

ے اس بات کو نہیں جانتے۔ سورۃ النمل کی اس آیت کو سمجھنے کیلئے اس سے پہلی آیت نمبر ۶
و بیسویں پارے کا آغاز ہے۔ پہلے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ آئت نمبر ۶۰: آیا کس نے
یدا کیا آسمانوں (السموات) اور زمین (ارض) کو اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا اور اس
ے پر رونق باغ اگائے۔ تم میں یہ قدرت نہ تھی کہ ان کے درختوں کو اگاؤ۔ آیا اللہ کے ساتھ
ئی اور معبود ہے بلکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو راہِ راست سے پھر جاتی ہے۔

ورۃ النمل کی آیت نمبر ۶۱ ی وضاحت !

یہ ہر دو آیات یعنی نمبر ۶۰ اور ۶۱ ساتھ ساتھ ہیں آئت نمبر ۶۰ میں آسمانوں اور زمین کا ذکر آیا ہے اور نمبر ۶۱ میں صرف زمین کا ذکر
ے جس میں رنگ رنگ کے پُر رونق باغات اگتے ہیں اور اشجار و اثمار اگتے
یں۔ خدا کہتا ہے کہ اس زمین میں درخت اگانا تمہاری قدرت سے
ہر ہے اس کو اگانے اور بار آور کرنے تک تمام مراحل ہم طے کرتے
یں اس کا کریڈٹ تمہیں نہیں ہمیں ملنا چاہیے۔ یہ تو ہوئی وہ زمین جس
م رہتے ہیں۔

ض جسم۔ شریانیں نہریں ور ہڈیاں پہاڑ ہیں

اب آئیے آئت نمبر ۶۱: یعنی یہ وہ زمین ہے جس میں ہم رہتے ہیں آئیے اب اس کی وضاحت کریں جسم کی یہ سرزمین جس میں ہماری
وح قیام پذیر ہے یعنی یہ جسم روح کا ٹھکانہ ہے اس زمین میں چھوٹی
ی ایک دو نہیں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں شریانیں اور وریدیں
ں یہی نہریں ہیں جن میں خون دوڑ رہا ہے خدا نے قرآن حکیم میں

دوران خون کو جاری رکھنے والے ملائکہ کی بھی قسم کھائی ہے یہ نہریں صاف ستھری، آکسیجن ملے خون کی ہیں اور دوسری گندا خون لے جانے کے لیئے اور ان دونوں کے درمیان دل کا والو رکھا ہے جو دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے اور پھر اس زمین میں ہڈیوں کے پہاڑ بنائے کہ جسم انسانی محض لوتھڑا نہ رہے اور یہ پہاڑ جسم انسانی کو متوازن رکھیں خدا یہ کہنا چاہتا ہے خدا تو یہ کہنا چاہتا ہے مگر اکثر لوگ اب بھی نہ مانیں گے۔

اب آیئے ایک ایسی آیت بلکہ آیات پیش کرتا ہوں جس سے واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اجسام میں ارض و سماء اور جبل وغیرہ سے کیا مراد ہے۔ سورۃ الغاشیہ آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰: "کیا پھر وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کس ڈیل ڈول پر پیدا کیے گئے ہیں اور آسمانوں کو کیسا اونچا اٹھایا گیا اور پہاڑوں کو کس مضبوطی سے گاڑے گئے اور زمین کو کس طرح بچھائی گئی

سورۃ الغاشیہ کی آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰ میں اونٹ کیساتھ ہی آسمان زمین اور پہاڑ۔ اونٹ کے اپنے زمین آسمان اور پہاڑ ہیں

یہ آیات سورۃ الغاشیہ کی ۱۵ تا ۲۰ کی آیات ہیں، سورۃ الغاشیہ ابتدائی مکی سورۃ ہے اس وقت صرف دو ہی بڑے مسائل درپیش تھے یعنی توحید اور آخرت۔ بھاری اکثریت اقرار توحید اور حیات اخروی سے انکار کرتی تھی، اگر وہ لوگ توحید و آخرت کو بدل و جان تسلیم کر لیتے تو اقرار رسالت کا مرحلہ خود بخود طے ہو جاتا۔

اس سورۃ کے آغاز میں ہی قیامت کو غاشیہ کے نام سے پکارا گیا ہے کہ
تجھے اس ڈھانپ لینے والی کی بھی کچھ خبر ہے اس کے بعد دو گروہوں کا ذکر
کیا ہے ایک جہنمی جو سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور دوسرے جنتی،
جو نعمتوں سے محظوظ ہوں گے یہ سب کچھ بیان کرنے کے فوراً ہی بعد
مضمون کا رخ پلٹ جاتا ہے اور بات اونٹ۔ آسمان۔ پہاڑ اور زمین
جاتی ہے اور پڑھتے پڑھتے قاری یک لخت چونک اٹھتا ہے کہ ہیں یہ
کہاں جنتی اور جہنمی اور کہاں اونٹ اور پھر اونٹ کے فوراً بعد کہاں
ن و زمین یہ بات کیا ہے۔
بظاہر یہ عجیب سی جھول نظر آتی ہے لیکن کلام الملوک ملوک الکلام ۔
شاہوں کا کلام بھی کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے اس لیے یہ بات تو اپنی
بالکل درست ہے اور اصولاً اس میں اُنل اور بے جوڑ سی کوئی بات
ں ہونی چاہیئے۔ یہ بات تصریحاً باموقع اور برمحل ہے اور اس میں کوئی
ل نہیں مکی آیات میں جہاں بھی قیامت کا ذکر ہے وہاں۔ آسمان۔ زمین
ڑ اور سمندر کا بھی ذکر ہے کہ انسان پر تو قیامت گذرے ہی گذرے گی
سمان یہ زمین یہ پہاڑ یہ سورج اور چاند تارے ان پر بھی قیامت گذرے
۔ قیامت گذرنے سے مراد ہم عام طور پر نیست و نابود اور تباہ و برباد،
مراد لیتے ہیں ورنہ حاصل قیامت حیات نو کا آغاز ہے خواہ وہ انسان پر
ذرے یا ارض و سما پر۔

ہر مادے کا اپنا اپنا ارض و سما ہے۔

ہر مادے کا اپنا اپنا ارض و سمار
ہے جبل ہے نہریں اور دریا ہیں
اور آپ ان کو نظر انداز نہیں کر

سکتے. زندگی میں سب سے اونچا درجہ حیوانات کا ہے جس میں حضرت انسان اور اونٹ دونو شامل ہیں. پھر اس کے بعد نباتات کی باری آتی ہے اور سب سے آخیر میں جمادات کا. ان کی یعنی جمادات کی بھی اپنی اپنی زندگی کا ایک انداز ہے ایک اسلوب ہے ایک طریقِ زندگی ہے ایک اندازِ حیات ہے.

بظاہر بے جان نظر آنے والی شے بھی جاندار ہے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول مسجد نبوی کے ستون حنانہ کا واقعہ

مسجد نبوی کے اس ستون کو یاد فرمائیں جس سے ربِ المغفرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ٹیک لگا کر خطبہ فرمایا کرتے تھے اور پھر اس کی وہ آہ زاری یاد کیجئے جو آپ نے اس پر ٹیک لگانی چھوڑ دی تو اسکو کتنا رنج ہوا. لکڑی کا ایک ستون رنجیدہ ہو جاتا ہے اس رنج و غم اور خوشی و مسرّت کی کیفیات کے لیے تو اچھا بھلا شعور چاہیے لیکن اس شعور کو صرف اونچی نگاہیں اور بے مثل شعور ہی پڑھ سکتا ہے. کنکروں کا کلمہ پڑھنا معجزہ ہی سہی لیکن ہے تو حقیقت.

ہر مادے کے ایٹم میں دو سماوی وسعتیں ہیں اسی نسبت اور فاصلہ کی ہیں جو اس دنیا میں ہم ننگی آنکھوں سے دیکھتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو کچھ پیدا کر دیا ہے خواہ وہ جمادات ہوں. نباتات ہوں حیوانات ہوں اس سے بہتر صورت میں ممکن نہ تھا. اب جمادات کو ہی پہلے لیجئے تسبیح و تقدیس تو یہ بھی کرتے ہیں

یہ بات آپکو ماننا پڑے گی قرآن حکیم میں جگہ جگہ آیا ہے یُسبح لِلّٰہ مَافی
السموات و ما فی الارض تسبیح وتقدیس کا اپنا اپنا انداز جو خدا نے ان کے
لیے مقرر کر رکھا ہے وہ اسی صورت میں بجالاتے ہیں ہر مادہ جماد کے
ایک ایک ایٹم میں ہماری وہی وسعتیں ہیں جو ہم یہاں کھلے طور پر آنکھوں سے
دیکھتے ہیں۔ الیکٹرون جو پروٹون کے گرداگرد بے پناہ رفتار سے طواف کر
رہا ہے یہ وہی نسبتیں ہیں اور وہی فاصلے ہیں جو ہم اہل دنیا بچشم ظاہر دیکھتے
ہیں۔

نباتات میں چھال کے اندر کی لکڑی اور گانٹھیں پہاڑ کی حیثیت رکھتی ہیں

نباتات کی اس سے ذرا واضح تر صورت حال ہے اگنے والی چیزوں میں ہماری اکثریت ایسی نباتات کی ہے جو کشش ثقل کے خلاف عمل پیرا ہوتی ہیں یعنی کشش ثقل کے تحت زمین ہر چیز کو اپنی طرف
کھینچتی ہے مگر نباتات کا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے زمین میں سب سے
پہلے پودے میں سے نکلی ہوئی جڑ اسے قابو میں رکھتی ہے کہ پودا قائم رہے
اور گرنے سے بچا رہے پھر اجناس یعنی گیہوں، جو، چاول، باجرا، مکئی وغیرہ
جڑ کے علاوہ ان کی شاخوں میں گرہیں پڑتی جاتی ہیں گانٹھ کی صورت میں۔
یہی انہیں اوپر بڑھنے اور گر پڑنے سے رکنے میں مدد دیتی ہیں۔ گنے
میں گانٹھیں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے درختوں کا باہر کا حصہ جڑ سے لے
کر اوپر کی پتلی پتلی شاخوں تک چھال کہلاتا ہے اسے کھال یا جلد کی صورت
سمجھ لیجیے لیکن اس کے اندر کا حصہ جو درخت کو سنبھالے رکھتا ہے وہ

ٹھوس لکڑی پر مشتمل ہوتا ہے وہ نہ ہو تو درخت کا قیام ناممکن ہے اس لئے
اسے پہاڑ کی اہمیت حاصل ہے۔

شیاطین و ملائکہ انسانی شعور پر قبضہ جمانے کی تاک میں رہتے ہیں

اب آئیے انسان کی طرف اس کا سر آسمان یعنی عالم امر کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ وہ پورے جسم کو احکام صادر کرتا ہے اور پورا جسم ان حرکات میں اس کے احکام کا محتاج ہے جب تک وہ حکم نہ دے گا جسم کوئی حرکت نہ کرے گا۔ شیاطین و ملائکہ اس انسانی عالم امر یعنی ذہن و شعور انسانی کو اپنی گرفت میں لے کر اسے معمول بناتے ہیں۔

انسانی جسم پر اگنے والے بال نباتات کی حیثیت رکھتے ہیں

انسان کے جسم پر یعنی اس کی بیرونی جلد پر جو بال وغیرہ اگتے ہیں وہ اس سرزمین کی نباتات ہیں کمال یہ ہے کہ آپ اپنی جلد پر سے چند ایک بال جڑ سے اکھاڑیں تو کچھ عرصہ کے بعد اسی مقام پر اور بال اُگ آئیں گے یعنی اس کی زرخیزی کا یہ عالم ہے برخلاف اس کے آپ زمین میں سے کوئی سی نباتات خواہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا پودا ہو یا درخت ایک بار جڑ سے اکھاڑ ڈالیں تو دوبارہ وہاں سے کوئی دوسرا پودا نہ پیدا ہوگا۔

جسم انسانی میں ہڈیاں خاص اہمیت رکھتی ہیں جسم انسانی کا پورا ڈھانچہ یا فریم نہ ہو تو انسان کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے یہ ہڈیاں ہی جسم انسانی میں

بلاشبہ پہاڑ کی حیثیت رکھتی ہیں پھر اسی جسم میں رگوں شریانوں اور وریدوں کا ایک ہزاروں میلوں پر محیط جال سا پھیلا ہوا ہے باریک سے باریک رگ میں گردش خون جاری ہے جس نسبت سے آپ نے مادے کے ایک ایٹم کے الیکٹرون و پروٹون کو اور اس کے درمیان ایک خلائے بسیط دیکھا تھا اسی نسبت سے ان چھوٹی بڑی شریانوں کو دیکھئے جو سمندر اور دریاؤں سے کیا کم ہیں

سما ہر چیز کے اوپر کے حصہ کو بھی کہا جاتا ہے

الحاصل سورہ الغاشیہ کی آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰ کو ایک بار پھر دہراتا ہوں "کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کس ڈیل ڈول پر پیدا کئے گئے ہیں آسمان کو کیسا اونچا اٹھایا گیا۔ اور پہاڑوں کو کس مضبوطی سے گاڑا گیا اور زمین کس طرح بچھائی گئی" یہ جو باری تعالیٰ نے اونٹوں کو دیکھنے کے بعد فوراً آسمان و زمین اور پہاڑ کی طرف دیکھنے کی توجہ دلائی ہے یہ زمین۔ آسمان اور پہاڑ اونٹ کی تخلیق سے متعلق ہیں۔ اونٹ کی تخلیق میں آسمان (یہاں سما استعمال ہوا ہے سماوات نہیں) اونٹ کے سر کی حیثیت رکھتا ہے ایک بات جس کا بیشتر ازیں ذکر کیا جا چکا ہے وہ یہ ہے کہ لفظ سما صرف آسمان کے معنی میں ہی نہیں آتا۔ بلکہ ہر چیز کے اوپر کے حصہ کو سما کہتے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی۔ درخت کا اوپر کا حصہ۔ مکان کی چھت۔ انسان کا سر صرف لفظ سر کو ہم اوپر کے درجہ کے لیے عام استعمال میں لاتے ہیں ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ۔ ہیڈ ماسٹر وغیرہ۔

مکی آیات جو موت و حیات سے متعلق ہیں اِن میں اُن جسمانی نظاموں کا خاتمہ اور حواس ظاہری کی افراتفری کا نقشہ ہے

وہ مکی آیات جن میں موت وحیات کی نقشہ کشی یا تصویر کشی کی گئی ہے ان میں سر فہرست ان اعضار جسمانی حواس ظاہری و باطنی کی افراتفری، مرکزی نظام کنٹرول کا خاتمہ۔ آسمان کا پھر جانا۔ تاروں کا بکھر جانا یعنی نظر کا ماند پڑ کر ختم ہوجانا۔ سمندروں یا دریاؤں کی روانی کا ختم ہوجانا جیسے سمندر بہا دیئے جائیں گے کا مطلب دوران خون کا مکمل خاتمہ ہے اس کے بعد قبروں کا اٹھایا جانا یعنی اسی جسم کی قبر سے دوسرے روحانی جسم کا برآمد ہونا ہے اسی کو سورہ انشقاق میں فرمایا گیا ہے واذا الارض مُدّت وَ اَلقت مَا فیہا وتخلّت یعنی جب زمین کو کھینچا جائے اور وہ جو کچھ اس میں ہے اسے ڈال دے یا باہر نکال دے۔ یہ روح کے جسم سے باہر نکلنے کا منظر ہے۔

آسمان زمین اور انسانی چہرہ ایک ہی آیت میں اکٹھا کرنا ذو معنی ہیں

یہ تو ہوئی انسان کی انفرادی قیامت لیکن اگر اجتماعی قیامت بہت بھاری زلزلہ جیسا کہ حال ہی میں کولمبیا میں یا کبھی کوئٹہ میں آیا تھا یا اسٹمی بم جو ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرایا گیا تھا کی صورت میں ہو تو بھی وہ قیامت کبریٰ جب نظام فلکی درہم برہم ہوجائے گا اس وقت کائنات کے

آسمان وزمین اور پہاڑ وغیرہ جیسا کہ قرآن حکیم میں مذکور ہے عمل میں آئے گا۔ اب سورۃ المومن کی آیت نمبر ۶۴ ملاحظہ کریں وہ خدا جس نے تمہارے واسطے زمین کو قرار کی جگہ بنایا۔ اور آسمان کو چھت (یہاں لفظ سماء استعمال ہوا ہے) اور صورت بنائی۔ تمہاری وہ بھی اچھی صورت اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہ ہے اللہ تمہارا رب پس بہت برکت والا ہے پروردگار عالموں کا۔ اس آیت میں جسم انسانی کو ارض اور سر کو چھت قرار دیا انسانی چہرہ بھی سر کا ایک حصہ ہے ورنہ کجا زمین اور کجا انسان کا چہرہ۔ ایک ہی آیت میں تینوں کو اکٹھا کرنا ذومعنی ہے۔

ہر ذی روح کا سماء ارض اور جبل ضرور ہوتا ہے کیچوا اور امیبا اس سے مبرا نہیں۔

سورۃ غاشیہ کی آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰ میں باری تعالیٰ نے اونٹوں کی تخلیق کی طرف جو توجہ دلائی ہے اور اس میں سماء زمین اور پہاڑ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اس بات کی طرف ایک واضح سگنل ہے کہ ہر ذی روح کا ایک سماء۔ ارض اور پہاڑ ضرور ہوتا ہے اور یہ کہ انسان بھی اسی سماء (آسمان) ارض (جسم کا باقی حصہ جو سر سے نافذ احکام کی پیروی کرتا ہے) جبل سے مبرا نہیں خشکی کا کیچوا اور پانی امیبا اس سے مبرا ہیں۔

موت وقیامت کے روز روح کا جسم کو چھوڑتے وقت جسم کی مختلف کیفیتوں جن میں سے وہ گذر رہا ہوتا ہے کی تصویر کشی قرآن حکیم میں کی گئی یہی صورتحال حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیٹے حضرت واعظ

نے عہدنامہ قدیم میں واعظ کے صحیفہ کے باب نمبر۱۲ میں بیان کی. ملاحظہ فرمائیں.

حضرت واعظ بن سلمان کی تحریر کے چند اقتباسات جو موت اور قیامت سے متعلق ہیں

"اے جوان تو اپنی جوانی میں خوش ہو، اور اس کے ایام میں اپنا جی بہلا اور اپنے دل کی راہوں میں اور اپنی آنکھوں کی منظوری میں چل لیکن یاد رکھ کہ ان سب باتوں کے لیے خدا تجھ کو عدالت میں لائے گا پس غم کو اپنے دل سے دور کر اور بدی جسم سے نکال ڈال کیونکہ لڑکپن اور جوانی دونو باطل ہیں اور اپنی جوانی کے دنوں میں اپنے خالق کو یاد کر جب کہ بُرے دن ہنوز نہیں آئے اور وہ برس نزدیک نہیں ہوئے جن میں تو کہے گا کہ ان سے مجھے کچھ خوشی نہیں

اب یہاں سے پیرانہ سالی جسے قرآن حکیم میں نکمی عمر کہا گیا ہے. میں جسمانی حالت کا ذکر شروع ہوتا ہے.

۱. جب کہ ہنوز سورج اور روشنی اور چاند اور ستارے تاریک نہیں ہوئے اور بادل بارش کے بعد پھر جمع نہیں ہوئے (یہ الفاظ بصارت کے بارے میں ہیں. کہ ہنوز نظر اتنی کمزور نہیں ہوتی کہ سورج چاند ستارے نظر نہ آسکیں ۔ اسی کے ہم معنی وہ الفاظ ہیں کہ جب سورج لپیٹ لیا جائے تارے ماند پڑ جائیں ۔

۲. جس روز گھر کے نگہبان تھرتھرانے لگیں (یعنی جسم میں خصوصاً ہاتھوں میں رعشہ ہو جائے.

۳۔ اور زور آور لوگ کبڑے ہو جائیں (وہ مطلب ظاہر ہے)

۴۔ اور پیسنے والیاں رک جائیں اس لیے کہ وہ تھوڑی ہیں (یہ منہ کے ۳۲ دانتوں کی طرف اشارہ ہے کہ بیشتر دانت گر جائیں اور جو تھوڑے سے باقی رہ جائیں وہ بے کار ہو جائیں۔)

۵۔ وہ جو کھڑکیوں سے جھانکتی ہیں دھندلا جائیں (واضح تر الفاظ میں آنکھوں کی بے حد کمزور بصارت کی طرف اشارہ ہے۔)

۶۔ اور گلی کے کواڑ بند ہو جائیں (یہ بھی متعلق جسم ہی ہے مطلب ہے سماعت بھی جواب جائے۔)

۷۔ جب چکی کی آواز دھیمی ہو جائے اور انسان چڑیا کی آواز سے چونک اٹھے (دل کی دھڑکنوں اور اس کی کمزوری کی طرف اشارہ ہے)

۸۔ اور نغمہ کی سب بیٹیاں ضعیف ہو جائیں ہاں جب وہ چڑھائی سے بھی ڈر جائیں اور دہشت راہ میں ہو اور بادام کے پھول نکلیں (آنکھوں میں سفید موتیا اتر آئے ہوں اور پلکیں تک سفید ہو جائیں۔ اور ٹڈی ایک بوجھ معلوم ہو۔ اور خواہش مٹ جائے۔ کیونکہ انسان اپنے ابدی مکان میں (دوسرے روحانی جسم میں چلا جائے گا۔ اور ماتم کرنے والے گلی گلی پھریں گے۔

پیشتر اس کے کہ چاندی کی ڈوری کھولی جائے۔ اور سونے کی کٹوری توڑی جائے اور گھڑا چشمہ پر پھوڑا جائے اور حوض کا چرخ ٹوٹ جائے (یہ سب روح کے جسم سے علیحدگی کی باتیں ہیں) اور خاک خاک سے جا ملے جس طرح آگے ملی ہوئی تھی اور روح خدا کے پاس جس نے اسے دیا تھا واپس جائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خدا سے ڈر اور اس کے حکموں کو مان کہ انسان

کا کلی فرض یہی ہے کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ خواہ بھلی ہو یا بُری۔ عدالت میں لائے گا۔

ہر چیز ایسی نہیں جیسی نظر آ رہی ہے۔

بات ارض کی ہو یا سمار کی پھر پھرا کر موت و قیامت تک پہنچ جائے گی معنی کے لیے صورت کا ہونا لازمی ہے ہر چیز ایسی نہیں ہے جیسی کہ وہ نظر آ رہی ہے یہ جو میں بار بار صورت اور معنی کا ذکر کرتا ہوں اس کو آسان زبان میں اشیار اور ان کی ماہیت یا ان کے خواص کو کہہ لیں ایک بے جان مادہ کے جب معنی ہو گئے۔ اور سائنسدان اس کی صفات سے آشنا ہو گئے، تو وہ ایٹم بم بن کر سامنے آگیا۔

سائنسدانوں نے مادی اشیار کی صورت میں پوشیدہ معنوں کو سمجھا

کشش ثقل کے جو اصول نیوٹن نے بنائے تھے وہ اپنی جگہ ٹھیک لیکن کشش ثقل کے خلاف جو عمل ہوتا ہے جسے وزن کہتے ہیں ذرا اس پر بھی غور فرمائیں جمبو جیٹ فضا میں پرواز کرتا نظر آتا ہے یہ کشش ثقل کی تسخیر ہے اور آگے جائیے تو ہزاروں من وزنی راکٹ جسے اس زمین کے حلقہ کشش ثقل سے باہر نکلنے کے لیے کم از کم پچیس ہزار میل فی گھنٹہ رفتار مطلوب ہے، یہ سب ان سائنسدانوں کا کمال ہے جنہوں نے اشیار کی صورت میں پوشیدہ معنوں کو سمجھا اور انہیں استعمال میں لانا سیکھا۔

نبی اکرم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی ماہیت اشیاء دیکھانے کی خدا کے حضور دعا۔

محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے "اے میرے اللہ مجھے اشیاء کی صیحح صورتحال سے آگاہ فرما۔ جیساکہ وہ دراصل ہیں۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ جو کچھ ہمیں بظاہر نظر آتا ہے وہ اصل ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہیں۔

پانی آلائش ظاہری ہی نہیں، باطنی بھی دھوڈالتا ہے اہل ہنود و یہود بھی اس سے واقف ہیں

آپ یہاں پانی ہی کی مثال لیجیئے پانی کی لاتعداد صفات ہیں ہم اپنے روزمرہ کے کام کاج میں اس کا مختلف طریقوں سے استعمال کرتے ہیں لیکن اس کی معنوی صورت بھی ہے کہ یہ آلائش باطنی کو بھی دھوڈالتا ہے۔ آپ وضو کرتے وقت جن جن اعضاء کو دھوتے جاتے ہیں ان سے کیئے گئے وہ گناہ بھی دھل جاتے ہیں احادیث میں بھی اس کا ذکر ہے اور اس بات کو اہل ہنود و یہود بھی جانتے ہیں۔ گنگا سے اشنان کرنے سے پاپ دھل جاتے ہیں۔ سب ہندوؤں کا اسپر عقیدہ ہے۔

منکرین آخرت کے اعمال بے جان ہوتے ہیں

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ وہ لوگ جو منکر آخرت ہیں کیا ان کے گناہ بھی دھل جاتے ہیں گناہ تو ان سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔ دہریہ کا

عمل محض ایک تصویر ہے بے جان ایک کاغذی پھول وہ جزا سزا اور خیر و شر کا قائل ہی نہیں جو کچھ اسے یہاں دنیا میں مل رہا ہے اس کے لیے وہی کافی ہے۔

لیکن خدا پرست مرد مومن کا عمل خالص معنویت کا حامل ہے اس لیے کہ وہ عالم معنی کے اصول و ضوابط کا بحکم شرع پابند ہے پچھلے اوراق میں میں نے دہریوں کے ساتھ تبادلہ خیالات کا ذکر کیا تھا۔ بائی چانس ان میں ایک عیسائی گھرانے کا چشم و چراغ بھی تھا۔ باقی تین یا چار مسلمان گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے رُوئے سخن جیکب کی طرف کرتے ہوئے اسے پوچھا کیا تم دوبارہ جی اٹھنے کے قائل ہو۔ بولا۔ سنا تو یہی ہے اور پولوس رسول نے جو خط کرنتھیوں کے نام لکھا تھا اس میں دوبارہ جی اٹھنے کا کچھ مواد بھی ہے لیکن مجھے عملی تجربہ نہیں ہوا وہ ہو تو پتہ چلے۔ میں نے کہا تم سائنس کے سٹوڈنٹ ہو۔ سائنس تو خصوصاً اسباب و تجربات اور مشاہدات کی محتاج ہے۔

ایک جسم سے دوسرے جسم کا نکل آنا ایک نیچرل پراسس ہے

تم اپنا اور اپنے ان ساتھیوں کا دوبارہ جی اٹھنا چھوڑو۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش جو بغیر باپ کے ہوئی اور تمہارے عقیدے کے مطابق وہ مصلوب ہوئے اور تیسرے دن جی اٹھے۔ یہ دونوں باتیں عام مشاہدے اور تجربے کے خلاف جاتی ہیں منکرین خدا اور منکرین آخرت کے لیے یہ دونوں باتیں ہی سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر تم اس بات کو مانتے ہو تو پھر

خدا اور دوبارہ جی اٹھنے کو بھی مان لو۔ اسی میں تمہاری اور تمہارے ان دوستوں
کی بھلائی ہے اور یہ یقین کر لو کہ اس جسم سے دوسرے جسم کا برآمد ہونا
بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیج سے پودے کا نکلنا یا ماں کے پیٹ سے بچے
کا برآمد ہونا جس طرح پودے کے اگنے یا بچے کا پیدا ہونے میں پودے اور
بیج کی رضامندی یا خواہش کے مطلق دخل نہیں بلکہ ایک نیچرل پراسس
کے تحت یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح تمہاری دوسری
پیدائش جسے تم مر کر خدا کی گود میں بیٹھنا کہتے ہو۔ تمہارے ماننے یا نہ ماننے
سے تمہاری پیدائش رُک نہ جائے گی اور وہ گہری سوچ میں پڑ گئے۔

پولوس کے اس خط کے چند اقتباسات جو اس نے اہل کرنتھیوں کے نام لکھا۔

آپ کی دلچسپی کے لیے پولوس نے
جسے عیسائی رسول کا درجہ دیتے
ہیں کرنتھیوں کے نام متعدد خطوط
لکھے تھے یہ ان میں سے ایک خط
کے چند اقتباسات ہیں۔
اب کوئی یہ کہے گا کہ مردے کس طرح
جی اٹھتے ہیں، اور کیسے جسم کے ساتھ آتے ہیں اے نادان تو خود جو کچھ بوتا ہے
جب تک وہ نہ مرے زندہ نہیں کیا جاتا اور جو تو بوتا ہے یہ وہ جسم نہیں
ہے جو پیدا ہونے والا ہے بلکہ صرف دانہ ہے خواہ گیہوں کا خواہ کسی
اور چیز کا۔ مگر خدا نے جیسا ارادہ کر لیا ویسا ہی اس کو جسم دیا۔ ہر ایک بیج
کو اس کا خاص جسم۔ سب جسم یکساں جسم نہیں ہیں آدمیوں کا جسم اور ہے
چوپایوں کا جسم اور ہے آبی جانوروں کا جسم اور ہے پرندوں کا جسم اور ہے
اسی طرح آسمانی بھی جسم ہیں اور زمینی بھی۔ مگر آسمانیوں کا جلال اور

ہے اور زمینوں کا جلال اور آفتاب کا جلال اور ہے ماہتاب کا جلال اور. کیونکہ ستارے ستارے کے جلال میں فرق ہے مردوں کی قیامت بھی ایسی ہی ہے جسم فنا کی حالت میں بویا جاتا ہے اور بقا کی حالت میں جی اٹھتا ہے. بے حرمتی کی حالت میں بویا جاتا ہے اور جلال کی حالت میں جی اٹھتا ہے کمزوری کی حالت میں بویا جاتا ہے اور قوت کی حالت میں جی اٹھتا ہے نفسانی جسم بویا جاتا ہے روحانی جسم جی اٹھتا ہے جب نفسانی جسم ہے تو روحانی جسم بھی ہے کیونکہ گوشت اور خون خدا کی بادشاہی کے وارث نہیں ہو سکتے. اور نہ فنا بقا کی وارث ہو سکتی ہے.

دیکھو میں تم سے ایک بھید کی بات کہتا ہوں. ہم سب سو تو نہیں جائیں گے مگر سب بدل جائیں گے (دوسرے روحانی جسم کی صورت میں) اور یہ ایک دم میں فی الفور ایک پل میں پچھلا نرسنگا (صُور) پھونکتے ہی ہوگا کیونکہ نرسنگا پھونکا جائے گا. اور مردے غیر فانی حالت میں جی اٹھیں گے اور ہم بدل جائیں گے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ فانی جسم بقا کا جامہ پہنے".

ذمہ دار زمیندار بجائی اور گہائی کا کام بروقت کرتا ہے

کام وہ جو ساتھ کے ساتھ بھگتا دیا جائے. اور آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے. کوئی بھی زمیندار ایسا کرنا بلکہ اسے زندگی کا معمول بنا لینا پسند نہ کرے گا کہ فصلیں بوتا جائے اور کٹائی کر کے اس کے انبار لگاتا چلا جائے. کہ میری آنے والی نسلیں سالہا سال کی اکٹھی کی ہوئی فصلوں کی گہائی کر کے غلہ اکٹھا کریں گی. زمیندار وہ ہے جو سب کام یعنی بجائی اور گہائی اور اس کے درمیانی عرصہ میں

کھاد پانی کا انتظام بھی بروقت کرتا جائے اور ہر طرح کی نگہداشت رکھے اور جب فصل پک جائے اس کی کٹائی اور گہائی کا فوری انتظام کر کے غلہ کو گھر لے آئے کیونکہ مقصود یہی تھا۔

یوں بھی اکثر ہو جاتا ہے کہ باہر فصل کٹی پڑی ہے بڑے بڑے خرمن لگے ہیں اوپر موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور زمیندار کھڑا دانت پیس رہا ہے اور اپنی غفلت پر پچھتا رہا ہے کہ کاش وہ بھی دوسروں کی طرح بروقت کام کرتا تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ذمہ دار اور غفلت شعار زمیندار میں یہی فرق ہے۔

اللہ تعالے بہت بڑا زمیندار ہے

اللہ تعالے بہت بڑا زمیندار ہے اس کی زمین کا کوئی ٹھکانا نہیں، وسیع و عریض کائنات کا خالق و مالک ہے ہمیں یہ ہی زیب دیتا ہے کہ اسی کی عبادت کریں۔ سورۃ العنکبوت آئت نمبر ۵۶ "اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو"۔ اس وسیع و عریض زمین کے مزارع کون ہیں جو بونے کے بعد اگانے اور باقی مراحل طے کرنے کا انصرام کرتے ہیں۔ الواقعہ آیت نمبر ۵۷ تا ۶۵ "ہم نے تم کو پہلی بار بھی تو پیدا کیا تھا تو تم دوبارہ اٹھنے کو کیوں سچ نہیں سمجھتے۔ دیکھو تو جس نطفے کو تم عورت کے رحم میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس سے انسان کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں کہ تمہاری طرح کے اور لوگ تمہاری جگہ لے آئیں۔ اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں۔ اور تم نے پہلی پیدائش تو جان

ہی ہی ہے پھر تم سوچتے کیوں نہیں۔ بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔"

سورۃ العنکبوت آئت نمبر ۶ میں منی کا رحم میں ٹپکانا اور بیج کا زمین میں بونے کا ساتھ ساتھ ذکر کرنا ایک ہی نوعیت کا کام ظاہر کرتا ہے

ان آیات کے مطالعہ کے بعد اس امر میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہتی کہ منی کا رحم میں ٹپکانا۔ اور بیج کا زمین میں بونا اگرچہ ہر دو فعل بالواسطہ انسان سے صادر ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد کیا تم اس سے انسان کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں اور کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ ملائکہ کا کام ہے جو وہ بحکم خدا بجالاتے ہیں اور یہ کہ منی کا رحم میں ٹپکانا اور بیج کا زمین میں بونا۔ اور ان دونوں کا ایک ہی سورۃ میں پہلو بہ پہلو ذکر کرنا ان دونوں کو ایک ہی نوعیت کا کام ظاہر کرتا ہے انسان کو مادر کے ارض رحم سے اگایا سورۂ نوح آئت نمبر ۱۷، ۱۸: خدا ہی نے تمہیں زمین سے اگایا۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ) پھر اسی میں تمہیں لوٹا دیا جائے گا۔ اور اسی سے تمہیں نکال کھڑا کرے گا" یہ وہی ارض ہے گوشت پوست کی زمین جس میں وہ نو ماہ یا کم و بیش اگنے کی تیاریاں کرتا رہتا ہے اور جب وہ زمین سے اگ آتا ہے تو وہ اسی قسم کی گوشت پوست کی زمین جسم انسانی کی صورت میں اپنے ساتھ لاتا ہے اور یہی وہ گوشت پوست کی قبر ہے جس

ے۔ دوسرا روحانی جسم ملائکہ نکال کھڑا کریں گے۔

...سانی فصل بھی موت کے
...ن پورے ہونے پر
...دم الفصل کو کٹتی ہے

پر دو زمینوں میں بونے والا انسان ہے باقی کے تمام مراحل ملائکہ کے سپرد ہیں اور ان ہی کے ہاتھوں سرانجام پاتے ہیں۔ پہلی فصل جو اس نے گندم جو چنوں کی زمین میں بوئی اور جس کو خدا نے پختہ کیا اس ...گہائی اور غلہ بھوسے کی ایک دوسرے سے علیحدگی انسانوں کے ہاتھوں ...تکمیل کو پہنچتی ہے لیکن دوسری فصل جو انسان کو پیدا کرتی ہے۔ وہ رحم ...در میں بوئی گئی۔ یہ بھی یوم الفصل (فصل کے معنی ہیں جدائی اور فصل کو فصل ...معنوں میں کہا جاتا ہے کہ جس زمین سے اُگی۔ بڑھی۔ پھلی پھولی اور پروان ...ڑھی جب آخرکار پختہ ہو گئی تو اسے اسی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونا پڑا ...کٹے گی جس کا ایک وقت مقررہ ہے۔ وہ وقت جسے موت و قیامت ...کا نام دیا جاتا ہے۔ سورۃ النساء آئت نمبر ۱۷-۱۸: "بے شک جدائی کا دن ...یوم الفصل) مقرر ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ غٹ ...ے غٹ آموجود ہوں گے۔

...بھائی سے بھائی کا دوست
...کا دوست سے جدائی
...کا دن انسان کی موت و
قیامت کا دن ہے
...یوم الفصل ہے۔

سورۃ الدخان آیت نمبر ۴۰ تا ۴۲
"کچھ شک نہیں کہ یوم الفصل یعنی جدائی کا دن۔ سب کے دوبارہ جی اٹھنے کا دن ہے۔ جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

اور نہ ان کو مدد ملے گی"۔

یہ جدائی کا دن جس دن بھائی بھائی سے' دوست دوست سے' اولاد والدین سے' والدین اولاد سے خاوند بیوی سے' بیوی خاوند سے جدا ہوں گے اور کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ ہر شخص کی انفرادی موت کا دن یا اکثر انسانوں کے بیک وقت مرنے اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے اور ان کو موت کے منہ سے بچالانے میں کوئی مدد نہ دے سکنے کا دن ہوگا۔

موت کے وقت کون کسی کے کام آسکتا ہے کوئی بھی نہیں

اور یہ ہمارے روزمرہ مشاہدے کی بات ہے اس دنیا میں حضرت آدم سے لے کر آجتک اور آج سے لے کر ابد تک وہ کون سا گھر ہے جس گھر میں موت واقع نہیں ہوئی یا آج بھی نہیں ہوتی یا آئندہ نہیں ہوگی۔ مرنے والا بستر مرگ پر پڑا ہے۔ آخری گنتی کے سانس رہ گئے ہیں۔ ماں باپ بہنیں بھائی سب سر پٹک رہے ہیں کہ جانے ہمارا جوان بھائی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور ہم اپنی سی سب کچھ کرنے کے باوجود بے بس ہیں لاچار ہیں۔ ہماری تمام تر مساعی ناکام ہو چکیں ہم نے اونچے سے اونچے ڈاکٹر کو منہ مانگی فیسیں دیں۔ لیکن ہم اس کو موت کے منہ سے نہ بچا سکے۔

زلزلے کی اور ایٹم بم کی تباہ کاریوں میں کون کسی کو موت کے منہ سے بچا سکا۔

بڑے بڑے زلزلے آئے گھر کے گھر اور بستیوں کی بستیاں اجڑ گئیں لاشوں کے انبار لگ گئے۔ ایک ہی گھر لنے کے سب افراد ماں باپ

بہنیں بھائی سب کے سب ہی تو جل بیٹے اس وقت کوئی کسی کے کام نہ آ
سکا۔ سب رشتے داریاں اور قرابتیں جواب دے گئیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی
کے ایک ایک ایٹم بم نے ہی جملہ رشتہ داریوں اور قرابتوں کو تہس نہس کر
ان کے اجسام جل بھن کر سفید خاکستر میں بدل گئے۔ اس وقت تالابوں میں
غسل کرنے والوں کے جلتے بھنتے جسم میں ان کے سینوں میں آگ سے
زیادہ ابلتا ہوا پانی چلا گیا۔ سورۃ الطور آیت نمبر ۴۳ - ۴۷: کیا ان کا حاکم ہے
کوئی اللہ کے سوا۔ وہ اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے۔ اور اگر دیکھیں
ایک ٹکڑا آسمان سے گرتا ہوا کہیں یہ گاڑھا بادل ہے تہہ بہ تہہ۔ سو تو چھوڑ
دے ان کو یہاں تک کہ دیکھ لیں اپنے اس دن کو جس میں ان پر پڑے گی
بجلی کی چمک اور کڑک جس دن کام نہ آئے گا۔ ان کو ان کا داؤ ذرا بھی اور نہ
ان کو مدد پہنچے گی اور ان گناہگاروں کیلئے ایک عذاب ہے اس کے علاوہ بھی لیکن ان
میں سے بہت نہیں جانتے۔ ان آیات میں ایٹم بم کی نشاندہی کی گئی ہے۔

موت و قیامت کا عمل ساتھ ہی ساتھ ہوتا جاتا ہے۔

بات زمین اور زمین دار کی ہو رہی تھی تو خدا جو انسانوں کا زمیندار ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں تخلیق کرے۔ تقدیر لکھے راستہ باہر آنے کا آسان کرے اور
اس دنیا میں لا کر موت کے پیریڈ کا آغاز کرے اور اس پیریڈ کے مکمل
ہونے کے بعد انہیں انسان کی بنائی ہوئی قبروں میں ایک لا انتہا عرصہ کے
لیے پڑا رہنے دے کہ جب سب کائنات کا خاتمہ ہو جائے گا تو میں اس وقت
کے تازہ مردوں کو ماضی بعید کے مردوں کی ہڈیوں کی خاک کے ساتھ دوبارہ

جی اٹھاؤں گا کوئی عقل و ہوش کی بات کریں جناب موت و قیامت سا
ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔

وہ اپنے ملائکہ مزارعین کو ہر کام بروقت کرنے کے احکام صادر کر چکا ہے

وہ ایسا ہرگز ہرگز نہیں کرے گا
ایسے تو وہ نعوذ باللہ ایک عام زمیندار
سے بھی گیا گذرا ہوا۔ وہ ایک اچھے
اور ذمہ دار زمیندار کی طرح اپنے
ملائکہ مزارعین کو ہر کام بروقت کرنے کا
حکم دے چکا ہے وقت پر بوؤ اور وقت پر کاٹو۔ وقت پر غلہ اور بھوسی
کو الگ الگ کرو۔ غلے کو اپنے مقام پر اور بھوسی کو اپنے مقام تک پہنچاؤ
یہی دوبارہ جی اٹھنا ہے۔ اسے ہی قیامت کہتے ہیں۔ وہ اتنا اسرع الحاسبین
ہے کہ مستقبل کا کام ماضی ہی میں کر چھوڑتا ہے پوری کائنات اور جو کچھ
اس میں ہے اس کے ایک ایک ذرے کی تقدیر اس کا پورے کا پورا مستقبل
وہ لکھ چکا۔

حیات دنیا آب موت کا ایک لبریز جام ہے جس میں سے ہم سب ایک ایک گھونٹ سانس لے لیکر پی رہے ہیں

الحاصل یہ عالم فانی عالم مرگ ہے جسے
ہم حیات دنیا کہتے ہیں یہ حیات
نہیں موت کا ایک لبریز جام ہے
جس میں سے ہر ایک متنفس ایک
ایک جرعہ موت کی چسکیاں سانس
لے لے کر پی رہا ہے۔ جوں ہی
آب موت کا آخری گھونٹ اس
کے حلق سے اترتا ہے۔ وہ موت

پر ہمیشہ کے لیے فتح پاکر اپنی ابدی زندگی کا آغاز کرنا ہے حقیقتاً یہ حیاتِ دنیا مماتِ دنیا ہے اس کے بعد جو حیات ہوگی وہی اصل زندگی ہے حیات بعد الممات ہی حیات ابدی ہے۔

عالم برزخ عالم خواب ہے

جو لوگ اس راز سے واقف ہیں کہ ہم خدا کی عطا کی ہوئی جسم انسانی کی قبر میں پڑے خدا کی طرف سے حوالہ موت ہوچکے ہیں اور یہ کہ اس لحاظ سے ہم عالم برزخ سے گذر رہے ہیں۔ جو ایک طرح کا عالم خواب ہے سورۃ یٰسین آئت نمبر ۵۱: اور جس وقت صور پھونکا جائے گا یہ قبروں میں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے (مائل پرواز ہو جائیں گے) اور کہیں گے ارے ہے، کس نے ہمیں ہماری خواب گاہوں سے جگا اٹھایا سورۃ النزعات آیات نمبر ۱۳-۱۴: سو وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی اور وہ یکایک بیدار ہو جائیں گے ایک کھلے میدان (خلا) میں پہنچ جائیں گے۔

سب کے سب ایکدن خدا کے پاس جائیں گے یہ ایک عام بات ہے اِس میں تعداد اور وقت کا تعین نہیں ہے

ان آیات کو سمجھنے میں جو بنیادی فروگذاشت ہم سے سرزد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ صور پھونکنے کے بعد سب کے سب بیک وقت اپنی اپنی قبروں سے نکل کر پروردگار کی طرف بڑی تیزی سے روانہ ہوں گے۔ سابقہ اوراق میں اس بات کی پوری

طرح وضاحت کی جاچکی ہے کہ ہر فقرہ اس وقت تک لاتعداد بار ہماری زبانوں پر آچکا ہے کہ ایک دن سب نے مرنا ہے یا سب کو اللہ کے پاس جانا ہے تو یہ ایک جنرل بات ہے نہ تو اس میں تعداد کا تعین ہوتا ہے اور نہ ہی وقت کا کہ کتنی کتنی تعداد میں کس کس وقت کہاں کہاں سے کن کن لوگوں نے خدا کے پاس پہنچنا ہے۔ یہ ایک بالکل سادہ اور فہم سی بات ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سب باتوں کا علم صرف اللہ اور صرف اللہ ہی کو ہے۔

موت ہر انسان کا انفرادی مسئلہ ہے

باب الصور میں اس بات کی بھی وضاحت کی جاچکی ہے کہ یہ صور کی آواز کوئی خارجی مسئلہ نہیں بلکہ جس طرح موت ہر انسان کا انفرادی مسئلہ ہے اسی طرح یہ آواز بھی ہر ایک انسان کا ایک انفرادی مسئلہ ہے۔ آواز موت کا تعلق ہر انسان کی اپنی اپنی قوت سماعت پر ہے۔ کیونکہ یہ آواز انسان مکان قریب سے سنے گا اور قوت سماعت کا مکان قریب۔ ہر انسان کے کان کا وہ مرکزی حصہ ہے جو آواز کا احساس پیدا کرتا ہے۔ اور وہ ظاہر ہے کان کے اندر ہے باہر نہیں ہو سکتا۔

مرنے کا مطلب دنیا چھوڑنے کا نہیں بلکہ روح کا جسم کو ہمیشہ کیلئے چھوڑنا ہے

اب میں سورۃ الاعراف آئت نمبر ۲۴ کا حوالہ دیتا ہوں کہ انسان کس ارض میں رہائش پذیر ہے۔ کہے نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو تمہارا زمین کے بیچ ٹھکانا ہے

اور فائدہ ہے تھوڑے وقت کا۔ اسی میں تم جیو گے۔ اسی میں تم مرو گے اور اسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔ نیچے اترنے کا مطلب روح کو جسم سفلی کا ملنا ہے یعنی روح کا جسم سفلی میں منتقل ہونا۔ مرنے جینے کا تعلق دنیا سے نہیں انسان کے اپنے جسم سے ہے مرجانے یا پیدا ہونے پر کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ فلاں شخص دنیا میں مرگیا یا فلاں شخص دنیا میں پیدا ہوگیا۔ وہ اس لیے کہ دنیا تو قائم رہتی ہے روح کا ساتھ صرف جسم چھوڑتا ہے اسے ہی عرف عام میں مرنا کہتے ہیں۔ پیدا ہونے کا عمل اس سے الٹ ہے یعنی روح کا ایک جسم لے کر آنا پیدا ہونا کہلاتا ہے اسی جسم سے روحانی جسم کا نکلنا بھی ہے۔

ہر فعل کا مصدر یہ وجود ہی ہے

تو رہائش کا مسئلہ جن معنوں میں عالم امر والے لیتے ہیں۔ وہ روح کا جسم میں عارضی رہائش پذیر ہوتا ہے انسان خواہ لندن کے بکنگھم پیلس میں رہائش پذیر نظر آئے یا بمبئی کے کسی فٹ پاتھ پر وہ رہیں گے اسی جسم میں۔ تو یہ جسم انسانی ہر سوال کا جواب ہے روح کا اس سے ہم کنار رہنے تک۔ جب تک روح اس جسم میں رہے گی۔ ہر فعل کا مصدر یہ وجود ہی ہوگا۔ اس کے بعد جنس جنس سے جا ملے گی۔ روح عالم ارواح میں اور جسم اسی مٹی میں رہ جائے گا۔ اس لیے کہ غلے کا مقام اور ہے اور بھوسے کا مقام اور ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے آج تک اور آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا کہ اس جسم کی قبر سے دوسرا جسم اس طرح نکلے گا جس طرح ماں کے پیٹ

سے بچہ یا پھل دار درخت سے پھل باہر نکلتا ہے لیکن اگر اس عقیدہ کو جو سراسر بے بنیاد ہے صحیح مان لیا جائے کہ انسان اسی قبر سے اٹھایا جائے گا جو زمین میں کھود کر بنائی گئی اور کسی کو ملی اور کسی کو نہ ملی تو اس یقینی شبہ کا ان کے پاس کیا جواب ہے۔ کہ سائنس کے موجودہ ترقی یافتہ دور میں جب کہ انسان چاند سے ہو آیا ہے۔ اگر دوران تجربہ ان کی موت چاند پر یا خلائے بسیط کے کسی دور دراز مقام ہو جائے تو وہ خلاباز کس زمین سے اٹھائے جائیں گے۔

وہ لوگ جو کشش ثقل سے باہر خلا میں حادثاتی طور میں مرینگے وہ کہاں سے اٹھائے جائینگے

حال ہی میں چیلنجر کا حادثہ سطح زمین سے دس پندرہ میل اوپر چیلنجر کے آکسیجن ٹینک پھٹ جانے سے ہوا۔ فضا میں ان کے اجسام کا قیمہ تک بن کر بکھر گیا۔ یہ لوگ کس سرزمین سے بقول آپ کے اٹھائے جائیں گے اور اگر یہی حادثہ ان کے رفتار فرار یعنی ۲۵ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار حاصل کرنے کے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتا جس کے امکان میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا تو یہ لوگ کہاں سے اٹھائے جاتے۔

دوبارہ اُٹھائے جانے کے سلسلہ میں خدا تعالیٰ کی یہ شرط کیسے پوری ہو گی جو بقول آپکے اس دنیا میں مرنے جینے اور جی اٹھنے سے متعلق ہے

کیوں کہ خدا تعالےٰ کی یہ واضح شرط آپ کیسے پوری کریں گے کہ مرنے والا اسی زمین سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ جہاں وہ جیا۔ جیا وہ ارض دنیا میں، مرا وہ خلائے

بسیط میں۔ اب بتائیں وہ اٹھایا کس زمین سے جائے گا۔ اس لیے نعوذ باللہ خدا اور خدا کے کلام پر حرف آتا ہے اس لیے عافیت اسی میں ہے اور یہی سیدھا راستہ اور صحیح سوچ ہے کہ آپ وہ ارض تلاش کریں جس میں انسان جیتا ہے۔ جس میں انسان مرتا ہے اور جس سے انسان نکالا جاتا ہے۔ جو زمین یہ تینوں شرائط پوری کرے، اسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیں۔ اور وہ مقدس زمین یہی جسم ہے جسے آپ ساتھ لیے پھرتے ہیں یا جو آپ کو اٹھائے پھرتا ہے۔ خلاباز جب خلائے بسیط کے کسی بھی مقام پر مرے گا خواہ اس کی بوٹیاں اڑ جائیں اس کی روح اپنا دوسرا جسم لے کر اس سے الگ ہو جائے گی پھر ملائکہ اسے کہاں کہاں لیے جاتے ہیں یہ آپ کا دردِ سر نہیں، ملائکہ کا کام ہے وہ اس روح کو جہاں بھی لیجائیں گے خدا وہاں حاضر و ناظر ہو گا۔

خدا کی نگاہ میں ہم زندہ لاشیں ہیں

جسم کی قبر پیچھے دنیا میں ہی چھوڑ جائے گا ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ میں اللہ تعالے روح کی قبر کا ذکر کرتا ہے۔ علماء اور مفسرین حضرات جسم کی قبر کو لیے پھرتے ہیں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیں، کہ فرض کیجیے زید بکر کو قتل کر دیتا ہے اس میں مارنے والا کون ہے؟ کیا خدا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس طرح تو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۰۲ کیا معنی رکھتی ہے شریعت نے تو خون کا بدلہ خون کی سزا رکھی ہے ثابت ہوا کہ وہ مارنا جس کا آیت بالا میں ذکر ہے یہ مارنا نہیں جو ہم سمجھتے ہیں بلکہ خالق کائنات نے جملہ انسانوں کو میّتُوْن کہا ہے۔ یعنی ہم تمہیں لاشیں سمجھتے ہیں، تم اگرچہ

جسمانی طور پر خود کو زندہ سمجھتے ہو۔ مگر ہماری نگاہوں میں تم سب زندہ لاشیں ہو۔ لیکن جنہیں تم میت یا لاشیں خیال کرتے ہو۔ ان کا دورِ عمل ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا جنہیں ہم میت کہتے ہیں ان کا عالم برزخ حیاتِ دنیا کی صورت میں گذر رہا ہے۔ اور گذرتا رہے گا۔ الحاصل روح مردہ واصل بحق ہونے سے پہلے اس ارض جسم کو قبر بشری کی صورت بطور قبر و برزخ استعمال کرے گی۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

روح بحق زندہ و پائندہ است
ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ است

بَابُ

الجَھَنَّمُ وَالعَذَابُ

حیات است در آتش خود تپیدن
خوش آں دم کہ ایں نکتہ را باز یابی
(اقبالؒ)

سب انسان ایک بار جہنم میں ضرور پہنچیں گے

قرآن حکیم کی روشنی میں ہمیں جائزہ لینا ہے کہ جہنم کیا ہے سورہ مریم آیت نمبر ۷۲ - ۷۱ "اور تم میں کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جو جہنم میں نہ پہنچے گا۔ یہ وعدہ تیرے رب پر لازم ہے اور مقرر ہے، پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور رہنے دیں گے اس میں گناہ گاروں کو اوندھے گرے ہوئے۔

جنت میں جانے کا راستہ جہنم سے ہو کر جاتا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نیک و بد مجرم اور بری مومن اور کافر کے لیے حق تعالےٰ قسم کھا چکا اور یہ فیصلہ کر چکا کہ ضرور بالضرور سب کا دوزخ پر سے گذر ہو گا کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ جہنم سے ہو کر گذرتا ہے۔ یہ ہی پل صراط ہے۔ اسی پر بنی نوع انسان کا گذر ہو گا۔ صرف خدا سے ڈرنے والے مومنین اپنے اپنے درجے کے مطابق وہاں سے صحیح سالم گذریں گے لیکن گناہ گار الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے، پھر کچھ موت کے بعد اپنے اپنے عمل کے موافق ملائکہ۔ انبیاء صالحین کی سفارش اور آخر کار اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے وہ سب گناہگار جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تکلیفوں سے نکالے جائیں گے۔

جہنم کا تجزیہ قرآن حکیم کی روشنی میں !

سورۃ مریم کی ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ

نمبر ۱: سب کے سب جہنم میں ضرور

ہیں گے۔

نمبر۱ : اور یہ وعدہ خدا تعالےٰ کا ایک ایسا پکا وعدہ ہے جو اس نے اپنے

پ پر لازم و لابد قرار دیا ہے۔

نمبر۲ ، اس جہنم میں صرف دو قسم کے لوگ ہوں گے۔

نمبر۴ : ایک قسم کے لوگ خدا سے ڈرنے والے لوگ ہوں گے یعنی مومنین۔

نمبر۵ : دوسری قسم کے لوگ خدا سے نہ ڈرنے والے لوگ یعنی کافر و گناہگار۔

نمبر۶ ، اس جہنم میں یہ مومن و کافر لوگ سب اکٹھا رہے ہوں گے۔

نمبر۷ : خدا سے ڈرنے والے لوگ یعنی مومنین کو تو زود یا بدیر اس جہنم سے نجات مل جائے گی۔

نمبر۸ : اور گناہ گار لوگ وہاں جہنم میں اس حالت میں رہنے کے لیے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ کہ ان کے مونہہ جہنم کی طرف ہوں گے۔

نمبر۹ ، جنت میں داخلے کے لیے جہنم میں سے ہو کر جانا ہر ایک کے لیے ضروری ہے یہ واضح حقائق ہیں جو سورۃ مریم کی آیات ۷۱ - ۷۲ سے ثابت ہوتے ہیں۔

کیا جہنم سے ہو کر جانا ناگزیر ہے

لیکن یہاں ایک سوال ابھرتا ہے کہ کیا مومنین۔ صالحین۔ شہدا۔ اولیاء کرام خود محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم بھی جہنم سے ہو کر جنت میں جائیں گے۔ کیا ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ آیئے اب قرآن حکیم کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

وہ مقامات جن پر جہنم کا اطلاق ہو سکتا ہے

سب سے پہلے ہم وہ مقامات لیتے ہیں جن پر جہنم کا اطلاق ہو سکتا ہے تین مقامات نظر آتے ہیں ایک تو شکم مادر، دوسرا یہ اپنا جسم جو سب کو عطا ہوتا ہے نمبر تین یہ دنیا جس پر ہم رہ رہے ہیں شکم مادر کی شرط پر حضرت آدم علیہ السلام پورا نہیں اترتے۔ اور یہاں بات سب کی ہے۔ رحم مادر کو عربی میں عذابہ کہتے ہیں لغوی معنی اس کے شکنجہ کے ہیں۔ اور یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مادرِ رحم جنین کو شکنجہ کی طرح قابو میں رکھتی ہے لیکن یہ جہنم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کفار کو جہنم میں ہی چھوڑ دیا جائے'' کے تحت کفار ہمیشہ رحم مادر میں نہیں رہ سکتے۔ اور انہیں وہاں ہی چھوڑ دیا جائے گا یہ ناممکن العمل اور ناقابل فہم ہے۔

دوسری صورت میں ہمارے اجسام جہنم ہو سکتے ہیں۔ اس شرط کی تکمیل بھی ناممکن ہے کفار کا ہمیشہ ہی اس مادی جسم میں رہ کر عمر خضر تک پہنچنا بھی ممکن نہیں۔ تیسری صورت اس دنیا کی ہے۔ اگر یہ دنیا ہی جہنم ہے تو ان نو موٹے موٹے اصولوں جو شروع میں لکھے جا چکے ہیں۔ وہ اس دنیا پر پورے اترنا چاہییں۔ آیئے اب ایسا کر دیکھتے ہیں۔

کیا یہ دنیا ہی تو جہنم نہیں ہے جہاں سے سب کا گذر ہوتا ہے اور جس کا ماحول جہنم کے ماحول سے مطابقت رکھتا ہے

نمبر ۱: سب کے سب دنیا میں ضرور پہنچیں گے۔

نمبر ۲: یہ خدا کا پکا وعدہ ہے۔

نمبر ۳: اس دنیا میں صرف دو قسم کے لوگ ہوں گے۔

نمبر ۴: ایک قسم کے وہ لوگ جو خدا سے

ڈرنے والے ہیں مومنین کہلائیں گے۔

نمبر۵ : دوسری قسم کے وہ کافر گناہ گار جو خدا سے ڈرنے والے نہیں ہونگے

نمبر۶ : دنیا میں دونوں گروہ اکٹھارہ رہے ہوں گے۔

نمبر۷ : خدا سے ڈرنے والے لوگ یعنی مومنین آخرکار جہنم سے نجات پائیں گے۔

نمبر۸ : گناہگار لوگ جہنم کی طرف منہ کئے وہیں اپنے کے لیے چھوڑ دیئے جائیں گے۔

نمبر۹ : جنت میں داخل ہونے کے لیے دنیا سے ہوکر جانا پڑے گا۔

سورۃ مریم کی رُو سے سب انسان جہنم میں ضرور پہنچیں گے۔ مگر سورہ اعراف کی رو سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت۔

اب سورۃ مریم کی آیات نمبر ۷۱، ۷۲ کو ایک بار پھر لیں"۔ اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں (نہ ہوگا) جو جہنم میں نہ پہنچے گا۔ یہ وعدہ تیرے رب پر لازم ہے اور مقرر ہے، پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے۔ اور رہنے دیں گے اس میں گناہگاروں کو اوندھے گرے ہوئے"۔ اب سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۹ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

"اور ہم نے پیدا کیئے دوزخ کے واسطے اکثر انسان اور جن۔

بظاہر ان ہر دو آیات میں تصادم معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تمام کے تمام انسان جہنم میں پہنچیں گے لیکن دوسری طرف سورۃ اعراف میں خود ہی اس بات کی تردید کرتا ہے کہ اکثر انسان اور جن جہنم پر پہنچیں گے۔ سب کے سب اور اکثر کے درمیان جو عددی فرق ہے وہ لوگ کدھر جائیں گے۔

ان دونوں آیات میں عدی فرقہ والے لوگ بلا خوف جنت میں جائیں گے

حضرات یہی وہ خوش بخت لوگ ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے لیکن جائیں گے یہ بھی جہنم سے ہو کر۔ ان میں عالم بلوغت تک پہنچنے سے پہلے اس دنیا کو چھوڑ کر جانے والے بچوں کی اکثریت ہوگی۔ پھر شہداء۔ اولیاء کرام۔ انبیاء عظام سب کے سب اس گروہ میں شامل ہونگے۔

سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۴۸ "جس دن زمین اور آسمان ایک اور زمین و آسمان سے بدل جائیں گے اور سب کے سب اللہ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں گے۔" کیا عرض کروں قرآنی آیات ایسی ہیں کہ کوزہ میں ساتوں سمندر بند کر دیئے گئے ہیں۔ بات مختصر کی جائے تو کچھ پلے نہیں پڑتا۔ اس کو پھیلا دیا جائے تو صفحوں کے صفحے بھی ناکافی ہیں۔

زندگی کے مختلف مدارج ہیں اور ہر ایک کے مختلف نام۔

ہر شے کے مختلف درجات ہیں مختلف طبقات ہیں۔ زندگی کوئی بھی ہو وہ درجہ وار ہوتی ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بچہ کہلاتا ہے۔ یہی بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو جنین کہلاتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد آجتک کسی نے یہ نہیں کہا اور نہ ہم نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ صاحب فلاں شخص کے ہاں ایک انسان پیدا ہوا۔ ہوگا وہ بھی انسان ہی کیونکہ انسان کا بچہ ہے۔ پھر وہ جب ذرا سیانا ہوگا تو لڑکا۔ لڑکی کہلائے گا۔ پھر جوانی میں جوان۔ بالغ۔ گبھرو۔ مٹیار وغیرہ کہلائے گا۔ پھر آخری سٹیج جب

سفید ہونگے گھر کے نگہبان تھرتھرانے لگیں گے تو اس عمر کو خدا نے نکمی عمر کا
دیا ہے۔ ہم اسے بوڑھا اور بڑھیا کہیں گے۔ ماں کے پیٹ سے لے کر بڑھاپے
انسان ایک، نام مختلف۔ بادل۔ برف۔ اولے۔ کہر۔ دھند۔ سب پانی کی
ف تشکلیں ہیں۔

ں دنیا میں انسان کہلانے
لا اس دنیا میں روح
کہلائے گا

توجب تک انسان اس دنیا میں اپنے جسم کے عالم برزخ میں پڑا اپنا وقت پورا کر رہا ہوتا ہے انسان کہلاتا ہے خواہ وہ کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو یعنی خواہ وہ مومن ہو یا کافر کہلائے گا

ان ہی۔ موت وقیامت کے اس خاتمہ کے بعد یعنی مرکر دوبارہ جی اٹھنے
بعد جب ہم عالم بالا میں دو ملائکہ اور ایک شیطان کی ہمراہی میں خدا کے
ور برائے جزا وسزا لے جائے جائیں گے۔ تو ہم روح کہلائیں گے۔ خدا نے
ں کثرت میں وحدت کو برقرار رکھا۔ سورۃ القدر آیت نمبر ۴۔ ۵: ۔ اترتے
ں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے۔ ہر کام پر امان سے
رات صبح کے نکلنے تک۔

یلۃ القدر کو ملائکہ اور ارواح
نیا پر نازل ہوتے ہیں

ان آیات میں متعدد امور کی وضاحت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر کو ملائکہ اور روح دنیا پر اترتے ہیں یعنی عالم بالا سے پرواز کر کے ملائکہ کے ہم پرواز ہو کر دنیا پر نازل ہوتے
ں اور مطلع فجر تک دنیا میں اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔

بعض حضرات نے روح سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام کو لیا ہے حالانکہ وہ ملائکہ کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ روح سے مراد وہ انسان ہیں جو وہاں جاچکے ہیں حضرت مولنا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ممکن ہے روح سے مراد فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو۔ اور یہ مخلوق یہ حضرت انسان ہے جو وہاں جاکر روح کہلاتا ہے خواہ وہ روح مومن کی ہو یا کافر کی وہ روح ہی کہلائے گی۔

ہر قسم کی روحیں دنیا میں آتی ہیں

وہ انسان جو روح کی صورت میں عالم آخرت میں جاچکے ہیں اور جو یقیناً یہاں عالم برزخ گزار کر گئے ہیں۔ اب بھی بڑی باقاعدگی سے لیلۃ القدر کو دنیا میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہاں چونکہ نیک و بد روح کا ذکر نہیں اس لیے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی کہ ہر قسم کی روحیں دنیا میں آسکتی ہیں۔

کفار کی روحیں مرنے کے بعد بھی دنیا کا پیچھا نہیں چھوڑتیں

لیکن ان ارواح کے رہنے کی جگہ کہاں ہوگی۔ جنہوں نے بہرحال دنیا کے جینے کو ہر زندگی پر ترجیح دی۔ اور ان کا زاویہ نظر صرف یہ مادی دنیا ہی رہا اور یہی معلوم ہے جہنم میں اوندھے منہ گرے ہوئے رہنے کو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ سورۃ النزعت آیت نمبر ۳۸۔ ۳۹: جس نے کوشش کی اور دنیا کی زندگی کو اختیار کیا بس تحقیق دوزخ میں ہے اس کے رہنے کی

ٔہ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۴۰: "اللہ تعالےٰ سب منافقین اور کفار کو جہنم میں اکٹھا
رنے والا ہے"۔

عالم صرف دو ہیں دنیا اور آخرت

عالم صرف دو ہیں۔ ایک یہ دنیا جس
کے کئی نام ہیں۔ عالم اجسام۔ عالم محسوسات
عالم صور۔ عالم ناسوت۔ عالم برزخ اور
ایک وہ عالم ہے جسے عالم ارواح۔ عالم
قولات۔ عالم معانی۔ عالم آخرت کہتے ہیں۔ عذاب ان دونوں عالموں میں
ے یعنی مصائب و عذاب یا عذاب مصائب یہاں بھی ہے اور وہاں بھی۔ اور ہم
ی دعاؤں میں دنیا اور آخرت ہر دو کے عذاب سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔
اکثر کرتے رہتے ہیں۔
سورۃ بقرہ آئت نمبر ۲۰۱ : اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی
ے اور آخرت میں بھی اور ہمیں عذاب جہنم یا عذاب نار سے بچا۔ اس دعا میں
را بعد از نماز روزانہ کا معمول ہے عذاب نار مشترک ہے یعنی اے خدا
ہیں مصائب دنیاوی اور مصائب آخرت سے بھی محفوظ رکھ۔

۔۔۔اب دنیاوی عذاب اخروی ۔۔۔ مقابلہ میں ہلکا ہے

خدا تعالےٰ نے دنیاوی عذاب کو
عذاب اخروی کے مقابلہ میں ہلکا قرار
دیا ہے اور عذاب اخروی کو اکبر اور
اخزیٰ یعنی بڑا عذاب اور بہت رسوا
عذاب کہا ہے۔ اس لحاظ سے گویا ذلت و رسوائی اور بے عزتی بھی ایک
کا عذاب ہے۔ سورہ السجدہ آئت نمبر ۲۱ ملاحظہ ہو" اور البتہ چکھائیں گے
ن کو عذاب ادنیٰ (یعنی دنیا کا تھوڑا عذاب) سوائے اس بڑے عذاب کے

(عذاب اکبر) سے تاکہ وہ پھر آئیں۔

خدا نے مصائب کو عذاب دنیا کو عذاب کے معنوں میں لیا ہے۔ اور عذاب انسان میں عاجزی پیدا کرنے کے لیے آتے ہیں

خدا نے مصائب دنیا اور مصائب آخرت ہر دو کو عذاب کے معنوں میں لیا ہے۔ سورۃ الانعام آیت "تم میں سے پہلے بہت سی قوموں کی طرف ہم نے رسول بھیجے۔ اور ان قوموں کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا (بالباساء والضراء) باساء کا لغوی مطلب سختی۔ مصائب اور افلاس ہے اور ضراء کا مطلب سختی۔ بدحالی۔ جان اور مال کا نقصان ہے)، تاکہ وہ عاجزی کے ساتھ ہمارے سامنے جھک جائیں۔ جب ہماری طرف سے ان پر سختی آئی تو کیوں نہ انہوں نے عاجزی کی راہ اختیار کی۔"

باساء اور الضراء میں ہر طرح کی مصیبتیں اور تنگیاں آجاتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جن مصائب کو عذاب کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔ ان میں ہر طرح کی سختی ہر طرح کی مصیبتیں اور افلاس اور تنگی معیشت سخت بدحالی اور ہر طرح کے جانی اور مالی شامل ہیں۔ یہ دو الفاظ باساء والضراء جملہ مصائب کے اظہار کے لیے کافی و دائمی ہیں۔ کوئی مصیبت ان سے باہر نہیں۔

خدا کے نزدیک اولاد نرینہ

ایک مثال اور لیں جس میں اولاد کی موت کو بڑا عذاب قرار دیا

کی موت بھی عذاب ہے

یہ دنیاوی عذاب کی مثال ہے۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۴۱: اور جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات دی وہ تم کو بڑا عذاب پہنچاتے تھے (یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ) تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس کے بیچ تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

مصائب دنیا اور عذاب خدا کی نگاہ میں ایک ہی چیز ہے

اس سے ثابت ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ خود ثابت کرتا ہے کہ دنیاوی مصائب اور ہر قسم کی تکالیف خواہ وہ بدنی ہوں یا روحانی، عذاب ہیں۔ اب آپ خود فرمائیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ بھائی یہ دنیا جہنم ہے اور یہاں کے ہر طرح کے دکھ اور تکلیفیں عذاب جہنم ہے تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے۔ کیا کہنے والے نے کوئی خلاف شریعت بات کہہ ڈالی۔

اس دنیا میں عذاب کی ہر ورائٹی موجود ہے

اس دنیا میں عذاب کی ہر ورائٹی موجود ہے۔ انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔ گھر گھر میں دکھ، مصائب و تکالیف۔ ذرا جیل خانوں کا رخ کیجیئے۔ موت کے سپردان مجرموں کو دیکھیئے جو موت کے انتظار میں گھڑیاں ایک ایک پل گن گن کر گزار رہے ہیں۔ پاگل خانوں میں جھانکیئے اور عبرت پکڑیئے۔ ہر عمر کے پاگل ذرا ان کے گھر والوں اور عزیز و اقارب کا خیال کیجیئے۔ شفا خانوں

اور ہسپتالوں کا رخ کیجئے۔ بیماری کا ہر وارڈ دیکھیے آپ یقین کریں گے کہ اس سے بڑا جہنم اور کیا ہوگا۔ کہ انسان اپنی ہی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ حکیم الامت فرماتے ہیں۔

حیات است در آتش خود طپیدن
خوش آں دم کہ ایں نکتہ را باز یابی

خدا فرماتا ہے کہ یہ سب عذاب ہیں اور بھائی یہ سب عذاب حیات دنیا یعنی عالم برزخ کے ہیں۔ کیوں کہ اب ہم بحوالہ موت قبر خداداد میں یعنی جسم انسانی میں جو روح کی قبر ہے طائر روح کا پنجرہ ہے۔ زندگی نہیں موت وقیامت کا وقت پورا کر رہے ہیں۔

موت وقیامت کا خوف نہ کھائیں خوف اپنے بُرے اعمال سے کھائیں۔

آپ موت سے نہ گھبرائیں اس سے خوف نہ کھائیں یہ تو قیامت کا ایک لازمی جزو ہے آپ ڈریں اپنے بُرے اعمال سے آپ خوف کھائیں۔ ایذا رسانی خلق سے۔ آپ کا بچاؤ اسی میں ہے کہ خدمتِ خلق کا جذبہ ہی نہیں اسے عملی صورت دیں۔

یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان

یہ ہے حاصل زندگی۔

جہنم میں سب کو پہنچنا معمول

جہنم میں سب کا پہنچنا بطور سزا نہیں بلکہ یہ ایک معمول باری تعالےٰ ہے ایسا

تعالیٰ ہے

کیوں ہے؟ پستی یا نچلے سے نچلا درجہ خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے

پستی یا نچلے سے نچلا درجہ بھی ایک نعمت ہے

سورۃ الرحمٰن آیات نمبر ۴۳ - ۴۵
"یہ ہے وہ دوزخ جس کو جھوٹ بتاتے تھے جو پھریں گے بیچ اس کے اور کھولتے پانی کے ۔ پھر کیا کیا نعمتیں تم اپنے رب کی جھٹلاؤ گے۔"

ان آیات میں دوزخ کو بھی ایک نعمت قرار دیا گیا ہے۔ پستی یا نچلے سے نچلا درجہ کیوں؛ بہت بڑی نعمت ہے۔ یہی وہ درجہ ہے جسے اسفل السافلین کہا گیا ہے اس لیے کہ روشنی کی اہمیت ظلمت کے بغیر کیا رہ جاتی ہے۔ امارت کی اہمیت میں غربت کا کتنا بڑا ہاتھ ہے۔ خوبصورتی کو بدصورتی کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے حسن کی قدر و قیمت کا تعین کیا۔ جہنم کا وجود نہ ہوتا تو جنت کو کون جانتا۔ پوری کائنات میں تضادات کی ایک بہت بڑی تعداد ہے یہی وہ جوڑے ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

خدا کا وجود پوری کائنات کی پیدائش کا سبب بنا

سورۃ یٰسین آیت نمبر ۳۰: پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے بنائے، اس قسم سے جو اگتا ہے زمین سے خود ان میں سے اور ان چیزوں میں جن کی ان کو خبر نہیں" روح اور جسم کا بھی جوڑا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر جنس ہیں اور دونوں ایک دوسرے

کے پکے دشمن۔ ایک کی لذت دوسرے کے لیے عذاب۔ لیکن جس طرح کا وجود اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پوری کائنات وجود میں آئے۔ اسی طرح روح اپنے لیے ایک دوسرے جسم کا تقاضا کرتی تھی۔ اور کرتی ہے۔ یہ اس کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

ہر روح اپنے لیے ایک جسم کا تقاضا کرتی ہے

یہی باعث ہے کہ خدا تعالےٰ نے موت کو بھی اور جہنم کو بھی ایک نعمت قرار دیا۔ سورۃ البقرۃ آئت نمبر ۲۸: "تم اللہ تعالےٰ کی کس طرح ناشکری کرتے ہو، تم مردہ تھے پھر تم کو زندہ کیا۔ پھر مارتا ہے تم کو پھر زندہ کرتا ہے تم کو پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہو" اس آئت میں موت کو ایک نعمت قرار دیا ہے کیونکہ ناشکری ہمیشہ نعمت کی کی جاتی ہے مگر قابل تشکر زندگی ہے تو پھر اس زندگی کو موت کا شکرگذار ہونا چاہیئے۔ کہ جس نے اپنی جان پر کھیل کر زندگی کو حیات جاوید بخشی۔

رُوح اور جسم کا گٹھ جوڑ سجین اور علیین کی ایک گرہ ہے

ابدی زندگی کی خاطر مرنا شرط اول ہے۔ تو نعمت ہے مرنا۔ کیونکہ وہ زندگی اس مرنے کا حاصل ہے سیڑھی کا دوسرا زینہ اگرچہ زینے سے فائق ہے لیکن زینہ اوّل جو اس سے اسفل ہے اس کے بغیر دوسرے زینے کا وجود ہی ناممکن تھا۔ اس لیے پستی بھی ایک نعمت ہے۔ ایم۔اے کرنے کے بعد حصہ پرائمری کو نظر انداز کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اگر یہ دنیا یا ہمارا جسم اسفل السافلین نہ

ہوتا تو ہمیں وہ فوقیت کبھی حاصل نہ ہوتی۔ روح اور جسم کا گٹھ جوڑ اصل میں علیین اور سجین کی ایک گرہ ہے جب یہ گرہ کھل گئی تو ہر دو اپنے اپنے اصل کی طرف رجوع کریں گے۔ سورۃ البقرہ آئت نمبر ۱۵۶ : "ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔

مال و اولاد اور دنیاوی روابط عذاب کا باعث بنتے ہیں

اس دنیا میں مصائب۔ عذاب جہنم عذاب نار۔ عذاب قبر۔ عذاب الصیر سب ہم معنی الفاظ ہیں۔ لیکن وہ عذا جو عالم آخرت میں عذاب جہنم کہلاتا ہے اس کی بنیاد بھی دنیاوی روابط ہیں۔ وہاں جانے کے بعد بھی دھیان پیچھے دنیاوی مسائل کی طرف ہی رہا ہی وہ لوگ ہیں جو پیچھے ہی چھوڑے جانے والے ہیں۔ اور قرن ہا قرن تک اسی جہنم میں جلتے رہیں گے۔ سورہ انبیاء آئت نمبر ۲۱۔۲۳۔ بے شک دوزخ سرکشوں کی تاک میں ہے۔ جو شریروں کا ٹھکانا ہے اس میں قرنہا قرن رہیں گے۔

مرغوبات نفس کا حصول دنیاوی نشہ ہے

الحاصل جس شخص نے بھی دنیا کے جینے کو حاصل زندگی سمجھا۔ اور حبِّ دنیا میں مدہوش اور سرشار رہا۔ اس کی یہ مدہوشی وقتی اور ہنگامی نہ ہوگی بعالم آخرت میں بھی قرنہا قرن رہے گی۔ ان میں اکثریت منکرین آخرت اور منکرین خدا کی ہوگی جس طرح ایک نشہ باز اس بات کو جاننا بوجھتا ہے کہ اس کے اثرات ضرر رساں ہیں وہ اسے ترک نہیں کر سکتا۔

دنیا کا یہ نشہ جس کو سورۃ آل عمران آئت نمبر ۱۴ میں اس طرح بیان کیا

گیا ہے ان لوگوں کی نظروں میں مرغوبات نفس، عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں، حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔

جہنمی اس مادر گیتی کو کسی حال میں نہ چھوڑیں گے

جب دنیا کا یہ نشہ ایسا ظالم اور تباہ کن ہوتا ہے کہ جس طرح بچہ ماں کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ ماں کی مار کٹائی کے باوجود ماں سے چمٹ چمٹ جاتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ وہ اس مادر گیتی یا دھرتی ماتا کو کسی حال میں بھی نہ چھوڑیں گے۔ سورۃ القارعہ آیت نمبر ۹: اور ہاویہ (دوزخ) ان کی ماں ہے اور تو کیا سمجھا وہ کیا ہے آگ ہے دہکتی ہوئی۔" ہاویہ کے لغوی معنی اس عورت کے بھی ہیں جس کا بچہ گم ہو گیا ہو۔ تو اصل جہنمی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں جا کر بھی اس ماں کو چمٹے رہیں گے۔ اس نشہ سے خدا بچائے۔

سانپ کے نشہ کی ایک عادی عورت کا واقعہ

مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا یہ آج سے دس بارہ سال پہلے کی بات ہے اخبار کے کسی باتصویر میگزین میں ضلع گجرات کی ایک تیس پینتیس سال کی عورت کا ذکر تھا کہ اسے کئی سال پہلے ایک مادہ سانپ نے حالت مستی میں اسے پنڈلی پر ڈس لیا تھا۔ اس کے بعد مسلسل ہر سال انہی ایام میں بڑی باقاعدگی سے ایک سانپ اسی پنڈلی پر کاٹتا ہے۔ جہاں مادہ سانپ نے کاٹا تھا۔ اب اس عورت کا یہ حال ہے کہ اگر اسے سانپ نہ کاٹے تو عورت

کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ جمائیوں پر جمائیاں آتی ہیں، جیسا کسی نشہ باز کا نشہ ٹوٹ رہا ہو۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حبِ دنیا کا نشہ ایک لاجواب اور بے مثل نشہ ہے۔

سورۃ المدثر کی آیات کی وضاحت

سورہ المدثر آیات نمبر ۳۲ تا ۴۸:
"قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پلٹتی ہے اور صبح کی جب وہ روشن ہوتی ہے۔ یہ دوزخ بھی بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔ انسانوں کے لیے ڈراوا، تم میں سے ہر اس شخص کیلئے ڈراوا جو آگے بڑھنا چاہیئے یا پیچھے رہ جانا (لمن شآء منکم ان یتقدم او یتاخر) ہر شخص اپنے کیے ہوئے میں رہن ہے۔ دائیں بازو والوں کے سوا، جو جنتیوں میں ہونگے وہاں وہ مجرموں سے پوچھیں گے تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اور حق کے خلاف باتیں بنانے والوں کے ساتھ مل کر ہم بھی باتیں بناتے تھے اور روز جزا کو جھوٹ قرار دیتے تھے یہاں تک کہ ہمیں اس یقینی چیز سے سابقہ پیش آگیا۔ اس وقت سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔

ان آیات کے ابھارے واضح حقائق جنہیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں

سورۃ المدثر کی یہ آیات انتہائی غور طلب ہیں۔ ان سے یہ حقائق سامنے آتے ہیں۔

نمبر ا:۔ خداوند تعالیٰ نے چاند۔ رات اور صبح کو جو قسم کھائی ہے

وہ یہی چاند، یہی رات اور یہی صبح ہے جو اس دنیا میں ہمارے مشاہدے سے گذرتے ہیں۔

نمبر۲: ان تینوں چیزوں کی قسم کھانے کے بعد جس سقر (جہنم) کا ذکر کیا گیا وہ یہی دنیا ہے جس کے چاند، رات اور صبح کی پہلے قسم کھائی جا چکی ہے

نمبر۳: یہ انسانوں کے لیے ڈراوا ہے۔ سب انسانوں کے لیے۔

نمبر۴: ظاہر ہے کل انسان اسی جہنم سے ہو کر گذرتے ہیں۔

نمبر۵: دو گروہوں کا ذکر ہے۔

نمبر۶: ایک اس گروہ کی نشاندہی کی گئی ہے جو آگے بڑھنا چاہتا ہے

نمبر۷: دوسرا گروہ وہ ہے جو پیچھے رہ جانا چاہتا ہے۔

نمبر۸: یہ ان کے چاہنے پر منحصر ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

نمبر۹: ہر انسان اپنے کیے ہوئے کا بدلہ پاتا ہے۔

نمبر۱۰: جنتیوں اور جہنمیوں کی بات چیت موت (قیامت) کے فوراً بعد ہوگی، جب دونوں گروہ الگ الگ ہو جائیں گے۔

نمبر۱۱: جہنمی اس حقیقت کو پالیں گے کہ یہ سب ہمارے اعمال کا کیا دھرا ہے۔

نمبر۱۲: جہنمی اس حقیقت کو پالیں گے کہ یہ سب ہمارے اعمال کا کیا دھرا ہے۔

نمبر۱۳: نماز کا نہ پڑھنا ہمیں جہنم میں لے گیا یعنی ہم حقوق اللہ پورا نہ کر سکیں گے

نمبر۱۴: مسکینوں کو کھانا نہ کھلانا جہنم میں رہنے کا سبب بن گیا یعنی ہم حقوق العباد بھی پورا نہ کر سکے۔

نمبر۱۵: حق کی مخالفت میں خود بھی باتیں کرتے اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کا بھی ساتھ دیتے یعنی غلط عقیدہ رکھنے کی بھی مار ہم کو پڑی۔

نمبر۱۶: منکر آخرت ہونے کی وجہ سے خدا نے ہمیں اسی جہنم میں پیچھے رہ جانے والوں میں چھوڑ دیا۔ چونکہ تم آخرت کے قائل ہی نہ تھے۔ اب سدا کے لیے یہیں رہو۔

نمبر۱۷: ہم دنیا میں یقینی چیز یعنی موت کے آنے تک ان اعمال پر عمل پیرا رہے

نمبر۱۸: موت و قیامت کے بعد عالم آخرت میں ان کو کوئی سفارش جہنم سے نجات نہ دلا سکے گی۔

آگے بڑھنے والوں اور پیچھے رہ جانے والے گروہوں کی وضاحت

یہ تمام حقائق ایسے حقائق ہیں جنہیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ یہ دنیا ایک تربیت گاہ، ایک ٹریننگ سنٹر ہے جس میں داخلہ ہی حصول ٹریننگ کے لیے ہوتا ہے اور مقصود ہے اعمال صالح کا ارتکاب۔ یعنی نماز کا پڑھنا۔ مساکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔ توحید و رسالت کا اقرار کرنا۔ عالم آخرت پر ایمان لانا۔ یہ سب اس ٹریننگ سنٹر کے طلبا کے وہ مضامین ہیں جن میں انہیں کامیابی حاصل کرنا ہے۔ جو ان مضامین [illegible] گہری دلچسپی لے گا۔ قلبی اور زبانی اقرار کے ساتھ اپنی روزمرہ زند[illegible] میں بروئے عمل لائے گا: وہ اپنے جملہ پرچہ جوابات کی کاپیاں جب ما[illegible] کے کی وساطت سے خدا کے حضور لے جائے گا۔ تو کامیاب و کامران گر[illegible] جائے گا اور آگے بڑھنے والوں میں سے ہوگا۔ لیکن [illegible] دوسرا گروہ جن [illegible] ن مضامین کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور زندگی بھر منکر آخرت ہونے [illegible] رہے جہنم

اور مادی لذائذ میں مشغول رہے۔ ان کے ان اعمال خبثیہ کی جوابات کی کاپیاں خدا کے حضور پیش کی جائیں گی تو وہ منہ چھپاتے پھریں گے اور اعمال صالحہ کی اہمیت سمجھنے کے بعد اپنا سابقہ مادی جسم جو دنیا میں چھوڑ آئے اس کی واپسی کا مطالبہ اس لیے کریں گے کہ وہ دوبارہ دنیا میں جاکر اعمال صالحہ کے مرتکب ہو سکیں۔ ان کی اس قسم کی لغو اور بیہودہ درخواست کو رد کرکے انہیں ناکام ونامراد گردانے گا۔ اور یہ لوگ اب آگے بڑھنے والوں میں سے نہیں پیچھے رہ جانے والے ہونگے۔ کامیاب ہونے والے اگلی ہی جماعت میں ترقی پاتے ہیں جب کہ ناکام اسی جماعت میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کی بدنصیبی اور بد بختی یہ کہ ان کا آلہ اعمال یعنی جسم اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھین چکا ہوگا۔ ایک پچھتاوا کہ کاش ہم بھی ان مضامین میں عملی دلچسپی لیتے ۔ مستقل طور پر ان کے لیے سوہان روح بنا رہے گا۔ اور آئندہ کے لیے اسی پچھتاوے کی آگ میں جلتے بھنتے رہیں گے۔ خدا تعالیٰ انہیں احساس دلائے گا کہ تم نے اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ تم خود ہی پیچھے رہ جانا چاہتے تھے۔ تمہاری مرضی اور خواہش ہی یہ تھی وہ جو آگے نکل گئے انہوں نے اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ طالب علم درجہ اول میں کامیاب ہونا چاہیے۔ اور کتابوں کو وہ ہاتھ تک نہ لگائے تو اس غافل شعار اور کوتاہ اندیش کا تو یہی حشر ہوگا جو تمہارا ہوا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی کافر بیوی کو پیچھے رہ جانے والوں میں قرآن حکیم میں چھ بار کہا گیا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے بارے میں قرآن حکیم میں چھ بار غابرین کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب پیچھے رہ جانے والوں

ا گیا ہے۔ سورۃ الصّٰفّٰت آیت نمبر ۱۲۲ - ۱۲۵ " جس وقت ہم نے اسے
ور اس کے گھر والوں کو نجات دی سوائے اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے
والوں میں تھی" اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہونگے کہ آگے بڑھنے والے کون
گ ہوتے ہیں اور پیچھے رہ جانے والے کون۔ اب یہاں یہ سوال ابھرتا
ہے کہ عالم آخرت میں تو ہر دو گروہ یعنی مومن و کافر پہنچ گئے۔ مومن تو آگے
ڑھ گئے۔ یعنی جنتی ہو گئے، لیکن یہ دوسرا گروہ جو عالم آخرت میں بھی پہنچ گیا،
ہ پیچھے کیوں رہ گئے۔ اس کے جواب آگے بالتفصیل دیا جائے گا۔

صالحین کون لوگ ہونگے

اس کے برخلاف صالحین کون لوگ ہونگے۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۱۴ "جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں، آخرت
ر ایمان لاتے ہیں، بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور
رائیوں سے روکتے ہیں صرف نیکیوں میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں یہ
وگ صالحین میں سے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا کہ انسان کے تمام تر اعمال کی بنیاد
قرار توحید و رسالت اور اقرار آخرت پر ہے اس کے بغیر بچت کا کوئی طریقہ نہیں۔
جات کا کوئی ذریعہ نہیں، جو توحید و رسالت کو نہیں مانتے وہ اگلی زندگی کا
ھی انکار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ پوری کی پوری زندگی دنیا میں مرغوبات
نفس کے حصول میں گذار دیتے ہیں وہاں جا کر بھی وہ نفسانیت کے حلقۂ اثر
سے رستگاری نہ پاسکیں گے۔ اور دنیا سے حظ نفس کے حصول کی کوئی نہ
وئی راہ نکال لیں گے۔

جہنمی دوبارہ نہیں مرے گا

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے سورۃ الاعلیٰ آیت نمبر

کہ ایک بار مر چکا

۱۳-۱۱ " وہ شخص جو نصیحت قبول کرنے سے انکار کرے گا یہی وہ بد بخت ہے جو بڑی آگ میں جائے گا پھر وہ نہ اس میں مرے گا نہ جیئے گا (ثم لا یموت فیہا ولا یحییٰ" کا اس لیے نہیں کہ وہ ایک بار مر چکا اب اس کا دوبارہ مرنا ناممکن لیکن ایسی حالت میں اس کا جینا بھی کیا جینا زندگی کا وہ صحیح لطف جو جنتی حاصل کریں گے یہ لوگ اس پر مسرت زندگی سے یکسر محروم رہیں گے۔

مصائب پر صابر وشاکر لوگ بھی ہیں

اس دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ظاہری اسباب مصائب وعذاب سے متاثر نہیں ہوتے اور کلٌ من عند ربنا پر صحیح معنوں میں عمل کرتے ہیں۔ اور کسی قسم کے خوف وحزن کو اپنے پاس تک پھٹکنے نہیں دیتے۔ خوف نام ہے کسی متاع عزیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر کہ کہیں یہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اور حزن نام ہے اس قلبی کیفیت کا جو متاع عزیز کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

ایک انگریز سیاح کا بیان کردہ واقعہ

ایک واقعہ یاد آگیا، نام تو مجھے اس کتاب کا یاد نہیں رہا، کسی انگریز سیاح کو صحرائے عرب میں بردوں کے ساتھ دس بارہ سال تک رہنے کا موقع ملا۔ وہ ان کے تمدنی، معاشرتی اور دیگر رسم رسوم کے علاوہ ان کی عادات واطوار کا جائزہ لے کر ایک کتاب ترتیب دینا چاہتا تھا۔ وہ

لکھتا ہے کہ ایک رات بادِ سموم کا شدید طوفان آیا۔ صبح جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ان بدوؤں کی کل کائنات یعنی دس بارہ ہزار پر مشتمل بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ آدھے سے زیادہ مر چکا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اتنے بڑے نقصان پر تو انہیں پاگل ہو جانا چاہیے تھا۔ میں نے بنظرِ غائر ان کے چہروں کا جائزہ لیا غم و فکر نام کی کوئی شے نظر نہ آئی۔ میں حیران رہ گیا۔ اتنے بڑے نقصان کا ان پر رتی بھر اثر نہ ہوا۔ سب نے صرف ایک بار کہا "ہذا المکتوب"۔ یعنی یہ نوشتہ تقدیر تھا۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ حتیٰ کہ اگر میری موٹر کا ٹائر پنکچر ہو جاتا تو اسے بھی نوشتہ تقدیر کے حوالے کرتے۔

راضی بارضائے الٰہی پر رہنے والے دین و دنیا میں کامیاب و کامران ہونگے

مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ لوگ فائز المرام ہیں۔ جو ہر حال میں رضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۲، ۱۶۳ "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ کی رضا پر چلنے والا ہو۔ وہ اس شخص کے سے کام کرے جو اللہ کے غضب میں گھر گیا ہو اور اس کا آخری ٹھکانا جہنم ہو۔ جو بدترین ٹھکانا ہے اللہ کے نزدیک دو نو قسم کے آدمیوں میں بدرجہا فرق ہے اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔

روحانی جسم کی پرواز کیلئے وسیع خلائیں ہماری منتظر ہیں

قرآن حکیم کی بعض سورتوں کو بار بار لانا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا کچھ حصہ ابھی وضاحت طلب ہوتا ہے سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۴۸: جس

دن زمین اور آسمان ایک اور زمین آسمان سے بدل جائیں گے۔ اور سب کے سب اللہ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں گے" زمین و آسمان کی تبدیلی کا مطلب تو آپ سمجھ گئے ہونگے، کہ یہ نہ صرف ناموں کی تبدیلی ہے بلکہ ان دونوں چیزوں کی ماہیت بھی بدل جائیگی۔ پہلے ہم جسمانی صورت میں دنیا پر چل پھر رہے تھے۔ اب روحانی جسم مل جائے کی صورت میں ہمیں پرواز کے لیے وسیع تر خلا کی ضرورت ہے۔ جو بلا امتیاز ہر مومن و کافر کو ملے گی۔ جس طرح انسان کو دنیا میں گھومنے پھرنے کی کھلی آزادی ہے ایسے ہی اس دنیا میں بھی پرواز کی کھلی چھٹی ہے، لیکن جسطرح جیلیں اور قید خانے دنیا پر بھی ہیں اور دنیا میں ہوتے ہوئے بھی ان کال کوٹھڑیوں میں محبوس رہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ان کے اعمال کی پاداش میں ہوگی۔ اسی طرح کفار عالم آخرت کے اس کے وسیع و عریض خلا میں ہونے کے باوجود جہنم کے قید خانے میں بند ہوں گے سورۃ بنی اسرائیل آئت نمبر ۸: " اور کافروں کے لیے ہم نے جہنم کو قید خانے بنا رکھا ہے۔

یہاں بھی اور وہاں بھی دنیاوی روابط وجہ عذاب بن جائیں گے۔

ان کفار اور عام گناہ گاروں کے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی روابط دنیا جو مال اور اولاد سے متعلق ہوں گے وجہ عذاب ہر دو عالم بن جائیں گے وہ بظاہر نعمتیں معلوم ہوں گی لیکن حقیقتاً باری تعالےٰ ان نعمتوں سے ہی ان کو دردناک عذاب دے گا۔ سورۃ التوبہ آئت نمبر ۵۵" ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھا جانا۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں

کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب رکھے۔ یہ جان بھی دیں تو انکار حق ہی کی حالت میں دیں" تاکہ عالم آخرت کے عذاب سے بھی لطف اندوز ہوسکیں۔ سورۃ الزمر آئیت نمبر ۲۴ "اپنے کرتوتوں کے وبال کا مزہ چکھو"۔

کفار و مشرکین جہنم سے نکلنے کیلیے وہ رفتار فرار حاصل نہ کرسکیں گے اور جہنم کا ایک سیلائٹ بن کر رہ جائیں گے

عالم آخرت میں جہنمیوں کا جیل خانہ دنیاوی جیل خانہ کی طرح محدود نہ ہو گا بلکہ وسیع تر ہوگا لیکن وسعت کے باوجود جہنمی اس دنیا کی ثقل سے جو خالصتاً ان کے ثقل عمل کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ قید خانہ جہنم سے مکمل طور پر نکلنے کے لیے وہ رفتار فرار حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ خواہ وہ اس دنیا کے جہنم سے کتنی دور نکل جانے کی کوشش کریں وہ اس جہنم کا ایک سیارچہ بن کر رہ جائیں گے۔ لیکن ارواح مومنین ملائکہ کی طرح زمان و مکان کی بندشوں سے قطعاً آزاد ہونگے۔

عالم آخرت میں بھی دنیا کی محبت ہی لے ڈوبتی ہے

برخلاف اس کے جہنمی کی پرواز جہنم تک ہی محدود رہے گی۔ جس طرح اس مادی دنیا میں دنیاوی نعمتیں اس کے لیے وجہ عذاب بنی رہیں۔ اسی طرح عالم آخرت میں بھی اس کی جائداد اس کا تاج و تخت اور مال و متاع اور کثیر العیالی اور اس کے مسائل وہاں بھی اس کے لیے وجہ عذاب بنیں رہیں گے۔ وہ یہی سب کچھ جو دنیا میں چھوڑ آیا اس کی جائداد

منقولہ وغیر منقولہ جائداد دوسروں کے قبضہ میں ہوگی اس کے لیے سوہان روح بن جائے گی۔ اس کی ان مادی اشیاء سے محبت فوراً ختم نہیں ہو جائے گی جوں کی توں رہے گی۔ یہ محبت ہی تو اس کا حاصل زندگی ہے جو اس نے پوری زندگی میں مسلسل مرغوبات نفس کی پرستش سے حاصل کی۔ زندگی بھر وہ ان کے حصول کی مشق کرتا رہا۔ اور یہی محبت ہی اسے لے ڈوبی۔ مومن کا شعر ہے۔

اب تو گبھرا کے کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

عالم آخرت کے مکیں اپنے اعزہ واقرباء کی خوشیوں سے خوش اور مصائب میں دکھ محسوس کرتے ہیں اور وہ ان کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں

مر کر جی اٹھنے والے یعنی عالم آخرت کے مکین نہ صرف اپنے لواحقین اور اقرباء واعزہ کے جملہ موجودہ حالات سے باخبر ہونگے۔ بلکہ ان کے دلوں کی باتیں جاننے کے علاوہ وہ ان کے پورے مستقبل سے بھی واقف ہونگے۔ ان کی خوشیوں سے خوش اور ان کے مصائب سے غمناک ہوتے ہیں اور ان کے پیش آمدہ خوشیوں اور دکھوں کو عالم بالا سے بذریعہ خواب وخیال اشارۃً کنایۃً آگاہ بھی کرتے رہیں گی۔ نہ صرف آگاہ کریں گے بلکہ وہاں ان کی غیر موجودگی بھی بذریعہ دعا یا مسبب الاسباب کی قربت کی وجہ سے دنیاوی اسباب کو ان کے حسب خواہش حسب حال کریں گے۔

جنیتوں اور جہنمیوں کے درمیان بذریعہ ٹیلی پیتھی بات چیت ہو گی۔

علاوہ ازیں جیسا کہ قرآن حکیم میں اکثر ان مکالموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو جنیتوں اور جہنمیوں کے مابین ہوں گے۔ ان کا تعلق ساؤنڈ سسٹم سے ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ ان کے آلات نطق ان کے دل و دماغ ہونگے۔ وہ دل کی بات دل سے سنیں گے۔ اسی طرح جواب بھی دیا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں وہاں ٹیلی پیتھی سسٹم ہوگا۔ اور وہ اس ماحول کے مطابق سب کو میسر ہو گا جس طرح اس دنیا میں سب انسانوں کو خواہ وہ مومن ہوں یا کافر جسم کے ایک سے حواس دیئے ہیں ان میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں بالکل اسی طرح وہاں کی سب روحوں کو ایک سے آلات نطق اور دیگر رعایات جو اس ماحول کے لیے ضروری ہونگی عطا ہونگی۔

دوسرا روحانی جسم بر بنائے روئیت بالکل عُریاں ہوگا

تو سورۃ ابراہیم کو جو حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ خدا کے سامنے تو ہر شئے بے نقاب ہے اور کوئی پردہ نہیں ہے خواہ ان کے اعمال ہوں یا ان کے اجسام۔ یاد رہے کہ یہ دوسرا روحانی جسم جو انسان کو روح کہلانے کے بعد ملے گا۔ بالکل عریاں ہوگا۔ جی ہاں بالکل ننگا۔ ہم دنیا والوں نے عریانیت کو جو جسم کے مختلف مخصوص حصوں کو بے نقاب ہونے میں لیا ہے وہاں وہ جگہیں یا مقامات بالکل سپاٹ ہونگے۔ ان کے صرف نشان رہ جائیں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بچہ کی پیدائش کے بعد وہ جس ناف

کے ذریعے شکم مادر میں خوراک حاصل کرتا رہا ہے کاٹ دی جائے گی. کچھ دنوں کے بعد صرف اپنا نشان چھوڑ جائے گی. یہ صرف ان حصّوں کا ذکر ہے جو عریانیت کی زد میں آتے ہیں.

منکرین آخرت اونچے درجے کے جہنمی ہیں

منکرین آخرت یعنی اونچے درجہ کے جہنمیوں کو جو سزائیں متعلق بہ محسوسات ہونگی یعنی کھانے پینے کے متعلق جسمانی اور بدنی سزاؤں کے متعلق نوریان کے محسوسات کی دردناک اور اذیت ناک صورتیں ہیں جن سے ان کو دوچار ہونا پڑے گا. یاد رہے کہ یہ دنیا جس کو ہم جسم کی قبر میں مقیدّ عالم برزخ کی صورت میں گذار رہے ہیں عالم آخرت کا ایک حصہ ہیں جہاں بھی جو سزائیں یا عذاب ہمیں مل رہے ہیں یہ اس عذاب میں تخفیف کا باعث ہونگے جو وہاں ہونگی.

حُبّ دنیا غارت گر ایمان ہے.

سورۃ الاعلیٰ آیات نمبر ۹ تا ۱۹ اور ہم تمہیں آسان طریقے کی سہولت دیتے ہیں لہذا تم نصیحت کرو اگر نصیحت نافع ہو. جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرے گا. اور جو اس سے گریز کرے گا. وہ انتہائی بدبخت جو بڑی آگ میں جائے گا. پھر نہ اس میں مرے گا نہ جیئے گا. فلاح پاگیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا. پھر نماز پڑھی. مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو. حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں کہی گئی تھی.

ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں ہیں۔"

دنیا میں یہ جسم مسافر خانہ ہے

اس دنیا میں ایسے خوش بختوں کی بھی کمی نہیں جو اس دنیا کو محض ایک گھڑی کا قیام سمجھتے ہیں اور اصل منزل ہر لمحہ ان کے پیش نظر رہتی ہے، ایک مسافر کی طرح جو تمازت آفتاب سے بچنے کے لیے چند ساعتیں گذارنے کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے ستانے کو بیٹھ جائے لیکن اگر وہ وہاں ہی گھنی چھاؤں میں ڈیرے ڈال دے اور منزل کو بھول جائے تو اس سے زیادہ کوتاہ اندیش کون ہو گا۔

حقوق اللہ سے صلوٰۃ اور حقوق العباد سے زکوٰۃ عبارت ہے۔

قرآن حکیم نے انسانی نجات کے صرف دو بنیادی طریقے بیان کیے ہیں۔ نمبر۱ حقوق اللہ۔ نمبر۲۔ حقوق العباد جو بھی شخص ان حقوق کی ادائیگی خوشنودی خدا کے ساتھ کرتا رہے گا ہر دو عالم میں عذاب نار سے بچا رہے گا۔ باری تعالےٰ نے ان ہر دو حقوق یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو صلوٰۃ و زکوٰۃ کا نام دیا ہے۔

اقرار توحید و رسالت ایک بنیادی ضرورت

حقوق اللہ میں توحید و رسالت کا اقرار ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالےٰ کا وجود پوری کائنات میں سب سے بڑی سچائی ہے۔ بہت بڑا بلکہ بہت ہی بڑا کذاب وہ عقل و ہوش کا اندھا ہے جو ذات باری تعالےٰ کا منکر ہے ایسے شخص کو نہ یہاں سکون

واطمینان حاصل ہوگا۔ نہ ہی عالم آخرت میں۔

جہنمیوں کا حال اُن مکھیوں کا سا ہوگا جو شہد کا چھتہ کٹ جانے کے بعد اسی جگہ کا ہی چکر لگاتی رہتی ہیں

ان کے چہرے پژمردہ۔ ٹکے ہوئے۔ نظریں جھکی ہوئی۔ بسوئے جہنم دنیا لگی ہوئیں۔ ان کا حال شہد کی ان مکھیوں کا سا ہوگا جن کا شہد کا چھتہ جو ان کی لگاتار اور انتھک محنت کا حاصل تھا۔ کوئی اتار لے۔ اور وہ اس جگہ کے گرد گھوم پھر کر شہد کا اترا ہوا چھتہ اپنا مسئلہ بنالیں۔

زکوٰۃ کا مطلب صرف اڑھائی فیصد کے حساب سے غرباء و مساکین میں ادائیگی سے ہی زکوٰۃ کے فرض سے خود کو فارغ سمجھنا انتہائی غلطی ہے۔ زکوٰۃ میں جملہ حقوق العباد آتے ہیں۔ آپ نے اپنے باغیچہ میں جو چند پھول اگا رکھے ہیں جو ہمہ وقت تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں ان کی بروقت آبیاری نہ کرنا۔ آبیاری میں کوتاہی کرنا بھی زکوٰۃ کی عدم ادائیگی شمار ہوگی اور پھول بروز قیامت آپ سے اپنے حق کا دعویٰ دار بنے گا۔

حُبّ دنیا کا جنونی دنیا میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پس پشت ڈال دیتا ہے بروز قیامت اسے بھی پس پشت ڈال دیا جائیگا

خدا تعالےٰ نے قرآن حکیم میں بار بار حبّ دنیا کی مذمت کیوں کی ہے وہ اس لیے کہ دنیا کا عاشق حقوق اللہ اور حقوق العباد ہر دو کو اپنی پیٹھ پیچھے یعنی پس پشت ڈال دیتا ہے۔ انہیں نظر انداز کر دیتا ہے

روز قیامت ایسے مجرموں کو نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے پکڑانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بھی اسی طرح نظر انداز کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ انہوں نے حُبِّ دنیا میں احکامات خداوندی کو پس پشت ڈالے رکھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پیچھے رہ جانے والوں میں ہیں۔ اور دنیا کی دوڑ میں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔

سورۃ الاعلیٰ کی آیات بالا میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے اس آیت سے یہ واضح تر حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ حیاتِ دنیا جو عالم برزخ کا دوسرا نام ہے اس کے فوراً بعد عالمِ آخرت سے ہی واسطہ پڑے گا۔

منکرین آخرت کا دوسرے عالم میں منہ قطب نما کی طرح دوزخ نما رہیگا

توحید و رسالت اور آخرت کا بدل و جان عقیدہ درست ماننے والے لوگ جو حقوق العباد اور حقوق اللہ میں وہ عملی نسبت قائم نہ کر سکیں گے انجام کار رعائت حاصل کر لیں گے لیکن منکرین آخرت کا بُرا حال ہوگا۔ ابدالآباد تک ان کا رخ قطب نما کی طرح دوزخ نما رہے گا۔ منہ دنیا ہی کی طرف۔ ماضی کی یادیں وہ تو ان کو نہ بھولی ہوں گی۔ وہاں جا کر ان کی یادداشتیں کھو تو نہ جائیں گی۔ وہ لوگ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے باہمی مکالمے ہوں گے تمہیں کون سی چیز دوزخ میں لے گئی۔ تمہیں کون سی چیز جنت میں لے گئی۔ جنتی اپنی محنت کا پھل پائیں گے جو انہوں نے

حصولِ خیر کے لیے کی اور جہنمی پچھتاوے گا خون جگر پینے پر مجبور ہونگا۔ ا
دہاں کی رسوائی جسے خدا نے اخزیٰ یعنی بہت بڑی رسوائی۔ وہ الگ ہوگ

دنیا کا جہنم جہنمیوں کی ان آرزوں کا مرقد ہے جو دنیا میں پوری نہ ہوئیں اور اسے موت نے آلیا

جہنمیوں نے آرزوں کی جو طول طویل فہرستیں تیار کر رکھی تھیں ان میں سے بیشتر تشنۂ تکمیل ہی رہیں کہ دنیا کو خیر باد کہنا پڑا اور اس طرح یہ دنیا ان کی آرزوں کا مرقد بن کر رہ گئی۔ یہ تلخ یادیں ان کو کہاں چین لینے دیں گی۔ اور جنتی دنیا کی ان
لمبی لمبی کاروں اونچے اونچے محلوں اور موٹی موٹی رقموں کو کب خاطر میں
لاتے ہیں۔ نہ انہوں نے دنیا سے مجرمانہ حد تک محبت کی اور نہ انہوں نے
لمبی لمبی امیدیں باندھیں آج وہ عیش کر رہے ہیں پوری خلائیں ان کے قدموں
تلے ہیں، زمان و مکان کی بندشوں سے آزاد۔ اپنے پسماندگان کی یادیں ان
کے ذہنی دنیاوی مسائل ان کے دیگر روابط وہ سب کو خدا کے سپرد کر
چکے حیاتِ دنیا میں وہ کس کی زندگی کو بڑھا سکے۔

قرآن حکیم میں خلاؤں کو کھلا میدان کہا گیا ہے۔

سب انسان روح کہلانے کے بعد خلاؤں کو پامال کریں گے۔ زمان و مکان کی بندشوں سے آزاد ہونگے سوائے جہنمیوں کے جو اس دنیا
کے جہنم جو ان کی آرزوں کا مرقد ہے ایک طفیلی سیارہ بن کر رہ جائیں گے
زمان و مکان کی بندشوں سے آزاد ہونے کا ایک نمونہ خود باری تعالےٰ

نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اطہر کے ساتھ اپنی زیرِ نگرانی بصورت
معراج پیش کر دیا۔ وہاں دنیاوی دائروی جہنم کے عذاب کے تمام تر نمونے
اور نعمائے جنت کے نمونے دکھائے گئے۔

انسان اپنے مادی جسم سے چاند پر جا اترا۔ خالقِ کائنات اپنے دوست کو جسم سمیت معراج کیوں نہ کرائے گا

معراج جسمانی کوئی اچنبا اور انہونی
بات نہیں۔ انسان کا چاند پر اپنے
جسم مادی سمیت حفاظتی لباس میں
جا اترنا اور وہاں سے آتی بار پتھروں
کے نمونے لیتے آنا اگر آج مسلمہ
اور قابلِ یقین بات سمجھی جاتی ہے
تو خدا کی تو بڑی بات ہے وہ نعوذ
باللہ امریکن میں سائنسدانوں سے بھی گیا گذرا ہوا کوئی عقل و ہوش کی بات
نہیں جناب۔ اس قسم کی سوچیں ہی ہیں جن کی وجہ سے خدا کو کہنا پڑا سورہ
انعام آیت نمبر ۹۲ "ان لوگوں نے خدا کی وہ قدر و قیمت نہیں کی (اسے
اختیارات کا وہ مقام نہ دیا) جو اسے دینا چاہیئے تھا۔

شرک کی بدترین صورت ہے کہ کام خدا اپنے ذمہ لے کر انجام دے اور انسان اس فعل کا فاعل خود بن بیٹھے

خالقِ کائنات فرماتا ہے کہ میں نے
انسان کی تخلیق اس کی ماں کے پیٹ
میں کی۔ اس کے ساتھ ہی لازم
تھا کہ میں اس کی تقدیر مقرر کرتا
یہ کیا انصاف ہے کہ انسان کو پیدا
تو کردوں میں اور اس کا مستقبل
نظر انداز کر دوں۔ ماں کے پیٹ

سے باہر آنے کے راستے میں آسانی بھی میں نے پیدا کر دی ۔ اور پھر میں پکار پکار کر ہوں ثمّ اماتہ فاقبرہ یعنی اس کو مار کر قبر میں گاڑ و بھی میں خود یعنی ہر کام مکمل کر کے اسے دنیا میں بھیجوں اور انسان میری یہ قدر و منزلت کرے کہ میری بات کا الٹ مطلب سمجھ کر اپنی احمقانہ عقل پر بھروسہ کر کے گاڑنے کا کام اپنے ذمہ دھر لے۔ کام میں کروں نام وہ اپنا یہ شرک نہیں یہ تو شرک کی بدترین صورت ہے۔

خدا ہر کام ایک اصول کے تحت کرتا ہے۔

میں اسرع الحاسبین ہوں کام ساتھ کے ساتھ نپٹانے کا عادی ہیں نے اپنا کوئی کام التوا میں نہیں ڈالا یہ التوا ، میری قدرت پر حرف ہے میں ہر چیز پر قادر ہوں مگر میری قدرت با اصول ہے۔ میں ہر انسان کی انتڑیاں اسے گلے میں ڈال کر بھی پیدا کر سکتا تھا۔ میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہے اپنا کام بھی کرتا ساتھ کے ساتھ انتڑیوں کی صفائی بھی کرتا جاتا مگر یہ طریقہ مجھے اچھا نہ لگا۔ تم ظاہر پر نظر رکھتے ہو۔ میں بھیدوں کو پسند کرتا ہوں، پردہ پوشی کرتا ہوں۔

خدا اس قبر سے اٹھائے گا جس میں اب وہ زندہ دفن ہے

جس طرح تمہاری پہلی پیدائش میں نے سب انسانوں کی ایک طرح کی اس میں کوئی امتیاز نہ رکھا۔ اسی طرح تمہاری دوسری پیدائش جس کا میں نے ذمہ لے رکھا ہے۔ وہ بھی ایک ہی طرح ہوگی۔ یعنی سب کے سب بلا امتیاز مذہب وملت رنگ و

سل مومن وکافر اسی جسم سے کرتا ہوں (اور یہی میرا روزانہ کا معمول ہے)
س میں تمہاری روح رہائش پذیر ہے جو تمہارے طائر روح کا قفس عنصری
ہے۔ اسی طائر روح کا قفس عنصری سے پرواز کر جانا موت و قیامت
ہے۔ موت خواہ کسی طریقے سے ہو وہ دوسرا روحانی جسم میں اسی جسم سے
یسے باہر لاؤں گا، جیسے میں درخت ثمردار سے پھل کو باہر نکالتا ہوں۔ یا
جیسے میں بچے کو ماں کے پیٹ سے باہر لاتا ہوں۔ روحانی جسم کو اس
ادی جسم سے باہر لانے کے وقت کا نام ہی میں نے یوم الخروج یعنی قبروں
سے باہر نکلنے کا دن رکھا ہے۔ وہ قبریں نہیں جو تم نے اپنے ذہن میں
بنا رکھی ہیں۔ میں ان قبروں سے اٹھاؤں گا جو میں نے ہر ذی روح میں
تقسیم کر رکھی ہیں جسم کا یہ پردہ۔ قبر کا یہ برزخ دنیا میں ہی رہ جائے گا اور
روح روح سے جا ملے گی۔ کیونکہ ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے
گی۔

روح کی پرواز ملائکہ کی پرواز سے کہیں زیادہ ہے

بات ہو رہی تھی روح کی خلاؤں میں پرواز کے متعلق۔ یاد رکھیے کہ روح کی پرواز کا مقابلہ ملائکہ ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ اس کا ایک
نہایت اعلیٰ نمونہ تو ہم دیکھ چکے ہیں۔ جب حضرۃ جبرئیل علیہ السلام نے نبی
اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ سے آگے اپنی رفاقت میں
لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور فرما دیا تھا کہ اگر میں نے ایک قدم بھی
آگے بڑھایا تو میں خدا کی تجلی سے اپنی قوت پرواز ہی کھو بیٹھوں گا۔ اس
طرح حصول قرب الٰہی میں بھی انسان ملائکہ سے کہیں آگے ہے۔ اور اگر

راہ شر کا راہی بن جائے تو شیطان کے بھی کان کترتا ہے

نیک ارواح مرنے سے پہلے عالم بالا کی طرف انجذاب شروع ہو جاتا ہے

مقدمہ تفسیر حقانی میں روح کے بیان میں لکھتے ہیں" پاک ارواح کو مرنے سے پہلے عالم نورانی کی طرف انجذاب ہونے لگتا ہے۔ ایک کشش سی شروع ہو جاتی ہے کیونکہ ہر شے اپنے اصل کی طرف میل رکھتی ہے روح نورانی ہے اس لیے اس کا میلان بھی اسی طرف ہوگا۔ البتہ جن کی روحوں پر کثافت چھا گئی ہے وہ ان کو اس طرف مائل نہیں ہونے دیتی۔ بلکہ عالم سفلی اور اس کی لذات کی طرف کھینچتی رہتی ہے۔ ارواح طیبہ کو کبھی وہ عالم قدس خواب یا مکاشفہ میں دکھایا جاتا ہے تب تو ان پر اس قفس تن سے آزاد ہو کر اڑ جانے کی بہت ہی بیقراری طاری ہو جاتی ہے۔ پھر دنیا اور اسکی لذات سے تعلقات بھی کم ہو جاتے ہیں یا کم ہونے لگتے ہیں خصوصاً انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کا شوق تو حد سے گذر جاتا ہے۔ اس لیے وہ مرنے سے پہلے واقف ہو جاتے ہیں اور ادھر عالم قدس کے لوگوں میں اشتیاق غالب آجاتا ہے وہ بھی ان کے منتظر رہا کرتے ہیں۔ اور بوقت رخصت استقبال کے لیے بھی آتے ہیں۔

عمر کے آخری حصہ میں کفار کی حرص دنیا بڑھ جاتی ہے۔

اس کے برخلاف ناپاکوں کو اور بھی عالم سفلی اور لذائذ حسیہ کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ انسان کا کسی کام کو بار بار کرنا اور دن رات اسی کا شغل رکھنا۔ اس کام

کا اس میں ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے شب و روز دنیا طلبی۔ رات دن
لہو و لعب میں مشغول۔ فسق و فجور۔ مکاری اور عیاری میں انہماک اس
جوہر نورانی کو بالکل سیاہ کر دیتے ہیں اس کی اور بھی حرص دنیا بڑھ جاتی
ہے یہ مرنے کے نام سے بھی ڈرتا ہے۔ وہاں جانا ایسا برا سمجھتا ہے جیسا
کسی ملزم کو عدالت میں لے جانا۔ اس لیے بوقت آخیر گروہ اول کافر
اور گروہ ثانی کا رنج وغم جنت و دوزخ بن کر سامنے آتے ہیں۔

موت و قیامت حقیقت میں خواب دنیا سے آنکھ کا کھل جانا ہے۔

بوقت مرگ ہر انسان کا معاملہ اسکی روح کی صفائی اور کدورت کے لحاظ سے جداگانہ پیش آتا ہے جو مومن اور نیک ہیں یعنی ان کی روح پر تاریکی بہیمیت غالب
نہیں ملائکہ ان کی گرہ کھولنے کو آتے ہیں۔ اس قفس عنصری سے نہایت
سے نہایت آسانی کے ساتھ روح کا تعلق بدن سے منقطع کر دیتے
ہیں "حتےکہ جب تم میں سے کسی کو موت لینی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے
تمہاری جان قبض کر لیتے ہیں" جب حواس ظاہری پر پردہ پڑ جاتا ہے اور
یہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ تو جس طرح خواب میں ایک دوسرا عالم منکشف ہو
جاتا ہے اسی طرح ایک دوسرا عالم نمایاں ہونے لگتا ہے۔ حقیقت میں
خواب دنیا سے آنکھ کھل گئی جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے فرشتے
اور روحانیت اس کے اپنے موافق جن سے اسکو اور اس کو ان سے
ارتباط تھا۔ اس کے لینے کے لیے آئے بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی
وہ مانوس اور دل خوش کن صورتیں اور اس عالم کی بہار جو کچھ اسکو

مسرور کراتی ہے۔ اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔

اب اس کی روح کو نہائت فاخرہ لباس جس میں نہائت خوشبو ہے عالم بالا کی طرف لیجاتے ہیں۔ اس کو رتبے کے موافق اس کو خدا تعالےٰ کے دربار میں حضوری ہوتی ہے اس کو علیین کہتے ہیں اور اسی میں اسے رہنے کا حکم ہوتا ہے۔ وہاں اپنے اعزہ و اقربار سے ملتا اور ہر طرح سے فرح و سرور کی حیات جاودانی بسر کرتا ہے۔ اس حضوری کے بعد اس کو ہر طرح کی آزادی ہے۔ وہ اپنے جسم اور اپنے گھر والوں اور اپنے دوست واحباب کو غم سے روتے دیکھتا ہے۔ اور سب کو پہچانتا ہے۔ علیین میں داخلے کا یہ ایک فارمولا ہے بہت سے لوگ اس سے مستثنیٰ بھی ہیں مسلمانوں کی صغیر اولاد۔ شہداء، انبیاء و اولیاء وغیرہ۔

جہاں اشرار کو عذاب دیا جاتا ہے وہ سجین ہے

اس کے برعکس جو کافر و مشرک اور اس پر فاسق و فاجر بھی ہیں، تو ان کو مہیب ملائکہ اور اس کے برے اعمال متشکل ہو کر نظر آتے ہیں اور بہت سختی اور اہانت سے اور اس کی طرح قبض کر کے اوپر لیجاتے ہیں۔ جس میں سے بدبو آتی ہے لیکن اس کا وہ ثقل ہیولانی جو اس کے جوہر نورانی پر غالب آگیا ہے۔ اس کو عالم بالا کی طرف نہیں جانے دیتا۔ جس کی طرف اس آئت میں اشارہ ہے کفار و مشرکین کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔ (کہ وہ اوپر جائیں) اور نہ وہ جنت میں داخل ہونگے یہانتک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے" تب

عالم سفلی کی طرف پھینک دی جاتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے
ں نے شرک کیا اللہ کے ساتھ کسی اور کو، گویا کہ وہ آسمانوں سے گر پڑا
ی جگہ یا اشرار معذب ہوتے ہیں وہ سجین ہے۔"

یہ چند سطور مفسر تفسیر حقانی سے لی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مصائب
میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ عذاب آخرت کو باری تعالےٰ نے
ائی رسواکن قرار دیا ہے دنیا کے عذاب کے مقابلہ میں۔ حم السجدہ
ت نمبر ۱۶ "پس ہم نے نحس دنوں میں ان پر تیز و تند ہوا (طوفان) بھیجا
ہم ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور عذاب آخرت
نتہائی رسواکن ہے اور وہ وہاں کسی قسم کی مدد نہ پاسکیں گے۔
و کا بھی یہی انجام ہوا اور انہیں بجلی اور کڑک کے طوفان نے بنا دیا۔ لیکن
ں طوفان سے اللہ تعالےٰ ایمان دار لوگوں کو بال بال بچا گیا۔ حم السجدہ
ت نمبر ۱۸ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان دار اور خدا سے
رنے والے تھے۔"

//////////

بَاب

اَلمنکَر وَالنکیر

ایں مرقدِ انساں کہ عطا شد بنی آدم را
اصل عقوبت است بدست منکر و نکیر

ملائکہ منکر نکیر اور قبر

احادیث میں آپ نے پڑھا ہوگا منکر و نکیر عالم برزخ کے ان ملائکہ کا نام ہے جو انسان سے قبر میں داخلے کے بعد توحید و رسالت کا پوچھتے ہیں یہ بالکل درست ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں ہے جب میت کو قبر مل جاتی ہے تو منکر و نکیر اس سے سوال و جواب کرتے ہیں اگر وہ درست جواب دے تو جنتی یعنی قبر میں دائیں کھڑکی کھول دی جاتی ہے کہ راحت و آرام کے ساتھ رہے اور اگر اس سے جواب نہ بن پڑے اور آئیں بائیں شائیں یا ہاؤ ہو کرے تو مار کھاتا ہے اور پٹتا ہے اور اس کے لیے بائیں طرف کی کھڑکی کھل جاتی ہے کہ جہنم کی آگ اور لو کے تھپیڑے کھائے۔

ملائکہ منکر نکیر قبر خدا میں میت سے سوال کریں گے یا انسان کی کھودی ہوئی قبر کی میت۔

اس میں سب سے اہم مسئلہ وہی قبر کا مسئلہ ہے جس کا ذکر بار بار کیا جا چکا ہے آیئے مسئلہ قبر کو ایک بار پھر دیکھیں، کیونکہ قرآن حکیم کی جو آیات جو حیات بعد الممات سے تعلق رکھتی ہیں، وہ اس وقت تک ناقابل فہم ہیں جب تک قبر کا مسئلہ حل نہ ہو جائے ویسے یہ مسئلہ کوئی چیستان یا معمہ نہیں ہے سورہ القمر آئت نمبر ۱۷" اور ہم نے کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی غور و فکر کرنے والا" وہ بار بار پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میں نے تو قرآن حکیم کو اہل فکر کے لیے آسان کر دیا ہے لیکن کوئی اس پر عمل کرے تو کچھ پتہ بھی چلے۔

تخلیق انسانی کے سلسلہ میں انسان خدا کا شریک بن بیٹھا ہے

پچھلے اوراق میں متعدد بار سورۃ میں آئت نمبر ۱ تا ۲۲ کا حوالہ دیا ہے بڑی بے انصافی اور دکھ کی بات ہے کہ اس قادرِ مطلق، خالقِ کل کی بات کا رائی برابر بھی نوٹس نہیں لیا گیا۔ خدا تو کہتا ہے کہ مادرِ رحم میں تخلیق و تقدیر سے لے کر دوبارہ جی اٹھنے تک کے تمام مراحل کا میں خود ذمہ دار ہوں۔ سورۃ النجم آئت نمبر ۴۸؛ اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوسری پیدائش "انسان اس بات کا بالکل اہل نہیں کہ ان تمام مراحل میں سے ایک آدھ مرحلے کو اپنے کھاتے میں ڈال کر میرا شریک بن بیٹھے۔

کیا حیاتِ دنیا صرف ون ایکٹ پلے ہے

اے خالقِ کل کو ماننے والو۔ اور نہ ماننے والو۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کیا دنیاوی زندگی کا ساٹھ پینسٹھ سال کا کھیل ون ایکٹ پلے ہو گا۔ کیا اس کے آگے اور سین نہ چلیں گے۔ اور کیا اس کا ڈراپ سین نہ ہو گا۔ آج سے لاکھوں سال کے پہلے درخت اور جاندار تو متحجر ہو کر آپ کے علم میں اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں جتنے کہ آپ کاربن ۱۲، ۱۴ کے ذریعے سے ان کی عمر کا صحیح صحیح تعین بھی کر سکتے ہیں اور حضرت انسان جس کے لیے یہ سب کچھ بنایا گیا وہ حیاتِ دنیا کے بعد کہیں کا نہ رہے گا۔

حیات بعد الممات کو سمجھنے کے لیے قرآن حکیم میں اتنا مواد ہے جتنا کسی کتاب میں نہیں

موت کے بعد کی زندگی کو سمجھنے کے لیے جتنا مواد قرآن حکیم میں ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی کسی اور سماوی کتاب یا صحیفہ میں نہیں ہے بعثت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت منکرین آخرت کا حد و شمار تک نہ تھا. قرآن حکیم کی مکی آیات میں خصوصاً انسان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن کے ایک نہیں متعدد نام ہیں اور یہ نام اس امر کی تصدیق کے لیے کافی ہیں کہ یہ دوبارہ جی اٹھنے کا مسئلہ اس وقت کیا صورت اختیار کر چکا تھا. کفار برملا کہتے تھے کہ کیا جب ہماری ہڈیاں خاکستر ہو جائیں گی ہم دوبارہ جی اٹھیں گے. ہم نے تو آج تک اپنے باپ دادوں میں سے کسی کو جی اٹھتے نہیں دیکھا. ہم کیسے جی اٹھیں گے.

پورا راز ثُمَّ اماتہٗ فاقبرہٗ کے اندر ہے

قرآن حکیم نے دوسری ابدی زندگی کی ایک چابی بلکہ ماسٹر کی جس سے سب تالے کھل جاتے ہیں سورہ عبس کی ان آیات میں رکھ دی ہے کہ جس کا جی چاہے اس سے حیات بعد الممات سے متعلق جملہ مسائل حل کر لے. فرمایا۔

قُتِلَ الاِنسان ما اکفرہٗ . مِن اَیِّ شَیٍٔ خَلَقَہٗ مِن نُطفَۃٍ. خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ ثُمَّ السبیل یَسَّرَہٗ . ثُمَّ اَماتَہٗ فَاَقبَرَہٗ . ثُمَّ اذا شَآءَ اَنشَرَہٗ .

ابتدا ہی تنبیہی اور تحدیدی لفظ قُتِلَ سے ہوئی۔ اس وارننگ سے باقی آیات
کی اہمیت دلانا مقصود ہے لیکن بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ جتنی زیادتی لفظ
فاقبرہٗ سے ہوئی ہے پورے قرآن حکیم میں اور کسی سے نہیں ہوئی۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

پانچوں کے پانچوں ماضی معروف کے معنے ہیں مجہول بھی ہوں تو بھی فاعل خود دبرد تو نہیں ہو جاتا۔ ثُمَّ اَمَاتَہٗ کا ترجمہ مترجمین و مفسرین نے درست کیا یعنی خدا نے اس کو مارا۔

لیکن اس کے بعد فاقبرہٗ کا ترجمہ سوائے شاہ رفیع الدین صاحب کے سب
نے اپنے اپنے حساب سے کیا کسی نے گڑوا دیا کسی نے قبر تک پہنچا دیا۔
کسی نے قبر میں رکھوا دیا کسی کو قبر تک لے گیا۔ کیا اگر ان حضرات نے یہی
ترجمہ کرنا تھا۔ تو باقی کیوں نظر انداز کر دیا۔ جملہ آیات کا ترجمہ یوں کرنا چاہیئے تھا
وہ اسے پیدا کرا دیا۔ اس کی تقدیر مقرر کرا دی۔ اس کا راستہ آسان کروا دیا پھر
اس کو مروا دیا اور پھر اس کو قبر میں گڑوا دیا اور پھر جب چاہا زندہ کروا دیا۔ تو کچھ
بات بھی ہوتی۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

یہ صریحاً قرآن حکیم کے ترجمہ میں ہیرا پھیری ہے۔ اس موضوع سے متاثر
ہو کر ہی حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن حکیم کے اسرار و رموز
کو ایسا پا گئے تھے کہ آپ کو ایک بار کہنا پڑا کہ برصغیر میں وہ کونسا عالم ہے
جو قرآن کو سمجھائے گا۔ حکیم الامت فرماتے ہیں۔

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے۔ نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

کتاب اللہ کا اطلاق جسم انسانی میں روح کا جسم میں رہنے تک ہے

یہ جسم انسانی قبر بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی ہے یہ ہی وہ کتاب ہے جس میں روح انسانی یوم البعث یعنی دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک رہتی ہے۔ سورۃ الروم آئت نمبر ۵۴۔ ۵۶ جس دن قیامت قائم ہوگی گناہ گار قسمیں کھائیں گے ہم دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے اسی طرح وہ بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کو علم اور ایمان ملا ہے وہ کہیں گے تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں یوم البعث یعنی جی اٹھنے کے دن تک۔ سو یہ ہے جی اٹھنے کا دن۔ پر تم جانتے نہ تھے۔

چیلنجر میں جن سات ہوا بازوں کا قیمہ بن کر فضا میں بکھر گیا وہ کس قبر سے اٹھائے جائیں گے

خدا نے عورتوں کو کھیتیاں کہا ہے یہی وہ کھیتیاں ہیں۔ انہی کھیتیوں سے انسان جنم لیتا ہے۔ ویسے ہی جسم کے ساتھ جیسے جسم سے اس نے جنم لیا اور اسی جسم سے وہ روحانی جسم خارج ہوگا اور اس جسم کو ہمیشہ کے لیے فارغ کر دیا جائے گا۔ موت و قیامت لازم ملزوم اور ساتھ ساتھ ہیں یہاں صدیوں یا قرنہا قرن تک قیامت کا منتظر نہ رہنا

پڑے گا۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہم فی الوقت جسم کی قبر میں پڑے در حقیقت عالم برزخ سے گذر رہے اور قیامت کا انتظار کر رہے ہیں تو باقی رہ کیا جاتا ہے اِدھر آخری سانس رخصت ہوا اِدھر طائر روح اس قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ یہی دوبارہ جی اٹھنا ہے اور یہی قیامت ہے امریکن خلا باز جن کی فضا میں دھجیاں اڑ گئیں وہ بھی اٹھائے جا چکے انکو بھی فوراً دوسرا روحانی جسم مل گیا۔

یہ موت و قیامت خدا تعالیٰ کا آج بھی روزانہ کا معمول ہے

موت وحیات خدا تعالےٰ کا یہ ایک معمول اور روزانہ کا کام ہے اِدھر انسان نے آخری سانس لیا۔ ساتھ ہی دوسرا جسم اس سے علیحدہ ہو گیا اور یہی روحانی ڈلیوری ہے جس کا انصرام ملائکہ اپنے قواعد وضوابط کے تحت کرتے ہیں۔ جسمانی ڈلیوری کی طرح روحانی ڈلیوری بھی مختلف اوقات لیتی ہے۔ لیکن ایک بات یاد رہے کہ ڈلیوری جلد ہو یا کافی وقت لے یہ کوئی نیک و بد کا معیار ہرگز نہیں۔

لفظ منکر قرآن حکیم میں بارہ مرتبہ آیا ہے۔

اب آپ اس کامل یقین کے ساتھ کہ وہ قبر جس میں روح انسانی دفن ہے وہ یہ جسم ہے منکر نکیر کا مسئلہ ہیں اور اس مسئلہ کا سب سے معقول سب سے عمدہ اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں منکر اور نکیر کو کن معنوں میں لیا ہے قرآن حکیم میں لفظ منکر بارہ مرتبہ آیا ہے اور لفظ نکیر صرف پانچ مرتبہ آیا ہے۔ آئیے اب ان آیات

کے حوالوں کے ساتھ ان کے تراجم بھی دیکھیں.

۱. آل عمران آیت نمبر۱۰۴ ۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کاموں کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور بُرے کاموں (منکر) سے منع کریں اور وہی پہنچے مراد کو۔

۲. آلِ عمران ۱۱۰ : تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجے گئے ہیں عالم میں۔ حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے کاموں (منکر) سے۔

۳. المائدہ آیت نمبر۷۹ : آپس میں منع نہ کرتے برے کام سے (منکر) جو وہ کر رہے تھے۔

۴. الاعراف آیت نمبر۱۵۷ : وہ (رسول مقبولؐ) حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے ان کو برے کام (منکر) سے۔

۵. التوبہ ۶۷ : منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے، برے کام (منکر) سکھائیں اور اچھے کاموں سے دور رکھیں۔

۶. النحل ۹۱ : منع کرتا ہے فحاشی سے، بُرے کاموں (منکر) سے اور سرکشی سے۔

۷. الحج ۴۱ : وہ لوگ کہ ہم ان کو قدرت دیں تو وہ قائم رکھیں نماز کو اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کاموں کا اور منع کریں بُرے کاموں (منکر) سے اور اللہ کے اختیار میں ہے ہر کام۔

۸. الحج ۷۲ : جب تو سنائے ان کو ہماری آیتیں صاف تو پہچانے تو منکروں کے منہ کی بری شکل (منکر) نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر دیں ان پر۔ جو ہماری آیتیں انہیں پڑھ کر سناتے ہیں۔

۹. النور ۲۱ : جو کوئی شیطان کے نقش قدم پر چلے گا سو وہ بتلائے

کا بے حیائی اور برے کام۔

۱۰۔ العنکبوت ۳۰ :۔اور دوڑتے ہو اپنی مجلس میں بُرے کاموں (منکر) کی طرف (قوم لوط)۔

۱۱۔ لقمٰن ۱۷ : میرے بیٹے قائم رکھتا نماز کو اور سکھلا بھلی بات اور منع کر بُرے کاموں (منکر) سے۔

۱۲۔ العنکبوت ۴۵ : بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بُرے کاموں (منکر) سے اور اللہ ہی کی یاد سب سے بڑی ہے۔

منکر کا مطلب اعضائے جسمانی سے بُرے کام کرنا ہے

قرآن حکیم کی آیات بالا کا حوالہ نا گزیر تھا۔ آپ نے دیکھا کہ منکر کا لفظ بُرے کام یعنی اعمال بد کے معنوں میں لیا گیا ہے۔ صرف ایک آیت ایسی ہے جس میں ذکر ہے کہ قرآنی آیات کا کفار پر کیا اثر ہوتا تھا اور نتیجتہً ان کے چہروں کی صورت مکروہ کے تاثرات کے معنی میں لیا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ برا کام تھا جو ان کے چہروں سے ادا ہوتا تھا۔ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ لفظ منکر یعنی برے کاموں کا تعلق انسان کے اعضاء جسمانی سے ہے یعنی وہ گناہ جو عملی طور پر جسم سے سرزد ہوں۔

نکیر کا لفظ قرآن حکیم میں پانچ مرتبہ آیا ہے توحید و رسالت منکرین کا معذب ہونے کے معنوں میں آیا ہے

یہ تو منکر کا حساب ہوا اب آیئے نکیر کی طرف یہ لفظ قرآن حکیم میں صرف پانچ مرتبہ آیا ہے پورے کلام پاک میں صرف سورۃ الحج ایسی

سورۃ ہے جن کی آیات نمبر ۴۲ اور نمبر ۴۴ میں یہ دونو الفاظ یعنی منکر ونکیر آئے ہیں لیکن وہ بھی الگ الگ ہیں لیکن ان کے معانی میں بڑا واضح فرق نمایاں ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ سورۃ الحج آیات نمبر ۴۲ : ۴۴۔ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالےٰ زمین پر صاحب قدرت یعنی با اختیار کر دے تو وہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیں۔ اور برے کاموں (منکر) سے منع کریں اور اللہ کے اختیار میں ہے ہر کام۔ اگر تجھ کو جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے جھٹلا چکی ہیں۔ نوح کی قوم۔ اور عاد و ثمود۔ ابراہیم کی قوم۔ لوط کی قوم اور مدین کے لوگ اور موسیٰ کو جھٹلایا۔ پھر میں نے کافروں کو ڈھیل دی تو پھر میں نے پکڑ لیا ان کو تو میرا انکار کرنا کیا ہوا۔ (نکیر)

۲۔ سورۃ السبا آیات نمبر ۴۳ - ۴۶ اور جب ان کو ہماری روشن آیات سنائی جاتی ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان چیزوں سے روک دے جن کو تمہارے باپ دادا کرتے آئے تھے اور انہوں نے کہا کہ یہ تو بس ایک من گھڑت جھوٹ ہے۔ اور ان کافروں نے حق کی بات جب کہ وہ ان کے پاس گیا کہا کہ بس یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے اور ہم نے ان کو کتابیں ایسی دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور ان کی طرف تم سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا بھیجا اور ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا اور یہ تو اس کے عشر عشیر کو بھی نہ پہنچے (مال و دولت کے لحاظ سے)۔ جو ہم نے ان کو دیا۔ انہوں نے میرے رسولوں کی تکذیب کی تو دیکھو میرا انکار کرنا (نکیر) کیا ہوا (كَيْفَ كَانَ نَكِيْر)۔

۳۔ سورۃ فاطر آیات نمبر ۲۵ - ۲۶۔ اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے کہ جس کے اندر کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں

ان سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں انہوں نے بھی جھٹلایا۔ان کے پاس ان
کے رسول واضح دلائل ،صحیفوں اور روشن کتاب (تورات) کے ساتھ
ئے تھے پھر میں نے ان لوگوں کو پکڑا تو دیکھو میرا انکار کرنا (نکیر) کیا ہوا۔
۔ سورۃ ملک آیت نمبر۱۸ : اور جو ان سے پہلے تھے ۔وہ بھی جھٹلا چکے
ں پھر کیا ہوا میرا انکار کرنا کیف کان نکیر

ی ۔الشوریٰ آیات نمبر۴۴ تا ۴۷ : اور تو دیکھے گا گنہگاروں کو جس وقت
کھیں گے عذاب۔ کہیں گے کہ کسی طرح یہاں سے پھر جانے کی بھی کوئی
ہ ہوتی۔ اور تو دیکھے ان کو کہ سامنے لائے جائیں آگ کے آنکھیں جھکائے
رئے دیکھتے ہوں گے۔ نظریں چرا چرا کر اور ایماندار لوگ کہیں گے تحقیق
ہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں جنہوں نے گنوایا اپنے آپ کو اور اپنے
ں دعیال کو، قیامت کے دن ۔ سنتا ہے گناہگار پڑے ہیں سدا کے عذاب
ں اور کوئی نہ ہوا ان کا حمایتی جو ان کی مدد کرے اللہ کے سوا ۔ اور جس کو اللہ
راہ کرے اس کے لیے کوئی راہ نہیں ۔ مانو اپنے رب کا حکم اس سے پہلے
آئے وہ دن جس کو اللہ کے یہاں سے پھرنا نہیں ۔نہیں بچاؤ ملے گا تم
اس دن اور نہیں تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنیوالا (یعنی تم ہمیں پہچان
وگے)۔

کر کا تعلق عملی گناہوں سے
اور نکیر کا تعلق نظریاتی (عقیدہ
کے لحاظ سے) گناہوں سے ہے۔

مندرجہ بالا پانچوں حوالے مکمل طور
پر لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ مطالب
فہمی میں آسانی ہو۔ ان پانچوں حوالوں
کے بعد صاف واضح ہوتا ہے کہ

(تو دیکھو کیسا ہوا میرا انکار کرنا) انہیں انکار توحید و رسالت کے بدلے میں عذاب کے کوڑے پڑے گزشتہ امتوں پر انکار باری تعالیٰ اور بتوں کی پرستش کی وجہ سے جو عذاب آئے ان کا ایک ایک کر کے حوالہ دیا گیا آخر کار فرمایا کہ میری ذات کا انکار جس میں انکارِ رسالت بھی شامل ہے انجام کار ان کے حق میں کیسا رہا منکرین حق اور منکرین آخرت ایک ہی بات ہے ان ہر دو کا تعلق خالص نظریاتی ہے اور یہی ملحد کا عقیدہ ہے موحد کا عقیدہ تصدیق توحید و رسالت ہے۔ ملحد ہمیشہ اسباب کی طرف دیکھے گا۔ لیکن موحد مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرے گا ہمارے تمام تر اچھے برے اعمال کی اہمیت اسی عقیدہ توحید و رسالت پر ہے نجات کا زیادہ تر ذریعہ قوت نظریہ کی تکمیل ہے۔

آیات بالا متعلق بہ منکر نکیر جن سے آپ کو متعارف کرایا گیا ہے سے پتہ چلتا ہے کہ منکر سے متعلق تمام آیات یہ بتاتی ہیں کہ منکر کو خدا نے اعمال بد کے معنوں میں اور نکیر کو توحید و رسالت سے کلیتہً انکار کی پاداش میں معذب ہونا قرار دیا ہے۔ اقرار توحید و رسالت کرنے والوں کے اعمال بد کا اتنا مواخذہ نہ ہوگا جتنا کہ منکرین توحید و رسالت کا۔

تفسیر حقانی کے مصنفؒ کا قبر اور اس میں جزا و سزا سے صاف انکار

آیئے اب دیکھیں کہ مصنف تفسیر حقانی اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں "ہم کہہ چکے ہیں کہ روح محسوس نہیں نہ اس کے ثواب و عذاب محسوس ہیں۔ پھر ان کا نظر نہ آنا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ اور قبر سے مراد وہی عالم برزخی ہے اور اس گڑھے کو کہ جہاں جسم پڑا ہوا ہے اس تعلق خاص کے سبب قبر کہا جاتا ہے ورنہ نہ اس

ہیں روح بند ہے اور نہ ہی اس میں ثواب و عذاب ہو رہا ہے۔
مولنا نے بات تو بالکل پتے کی کی ہے۔ نہ روح قبر میں بند ہے (یاد رہے کہ مولنا اس قبر کی بات کر رہے ہیں جو انسان نے زمین کھود کر بنائی اور کسی کو ملی کسی کو نہ ملی۔ اس قبر کی طرف رجوع نہیں کرتے جو خدا تعالےٰ نے ثم اماتہ فاقبرہ کے تحت ہر انسان کو بدست خود گاڑ کر دنیا میں بھیجا ہے)

ہند میں حکمت دین کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق۔

رونا تو یہی ہے کہ ہندوستان کے اتنے جید علماء جن کی چار دانگ عالم اسلام میں دھوم مچی ہوئی ہے جن کے بارے میں حضرت علامہ اقبال محرم اسرار و رموز قرآنی رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا ہے

ہند میں حکمت دین کوئی کہاں سے سیکھے - نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں - آہ! محکومی و تقلید و زوال تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں - ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق۔

انہیں اتنی توفیق نہ ہوگی کہ وہ اس قبر کا رخ کرتے اسے ڈھونڈنے اور تلاش کرنے میں زندگیاں داؤ پر لگا دیتے اور اس کا یہ آسان ساحل قرار نہ دیتے کہ انسان انسان کی کھودی ہوئی قبروں سے جی اٹھے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب انسان جو اس وقت دنیا میں موجود ہیں یا وہ انسان جو اس قبر خداداد یعنی جسم انسانی سے فارغ ہو کر عالم آخرت میں جا چکے ہیں اس برزخی زمانہ میں جو عالم قبر انہوں نے اس جسم انسانی میں گذارا زندگی بھر منکر

(اعمال بد) اور نکیر (انکار توحید و رسالت کی سزا جسمانی اور روحانی صورت میں) کے شکنجہ میں بری طرح جکڑے رہے لیکن جو شخص بقول سورۃ الرحمٰن آیت نمبر ۴۶۔۴۷" اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں یعنی خدا کے خوف سے ڈرنے والے کے لیے یہ نوید ہے کہ اس کے لیے یہ دنیا بھی جنت بن جائے گی اور آگے تو اسے جنت ملی ہی ہے تو اس طرح وہ دو جنتوں سے محظوظ ہوا۔

قرآن حکیم نے منکرین آخرت کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے المؤمنون ۳۷: مگر اس دنیاوی زندگی کے بعد اور کوئی زندگی نہیں ہم یہاں دنیا میں مرتے ہیں اور دنیا میں ہی جیتے ہیں اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے۔

منکرین آخرت کیوں اس قدر سزاوار عقوبت گردانے گئے

سوال ابھرتا ہے کہ منکرین آخرت کیوں اس قدر سزاوار عقوبت گردانے گئے ہیں اور یوم البعث پر ایمان رکھنے والوں کے لیے اتنی رعائتوں کی گنجائش کیوں رکھی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ منکرین آخرت اپنی تمام تر توجہ مرغوبات نفس کے لیے وقف کر دیتے ہیں وہ اس فانی دنیا کو ایک ابدی روپ دے لیتے ہیں۔ زندگی بھر وہ ایک سے ایک بڑھ کر منصوبہ بندی میں گذارتے ہیں کچھ کی تکمیل ہو جاتی ہے بیشتر تشنۂ تکمیل رہتے ہیں کہ بلا، موت انہیں گردن سے آدبوچتی ہے ان حالات میں جب کہ وہ دنیا ایک عیش گاہ کا درجہ دیتے ہیں وہ اس سے بھرپور لذائذ کے حصول کے لیے تن من دھن سے اپنی توجہ اس پر مرکوز کر دیتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے دنیا سے

ب کچھ حاصل کرنے کی سعی ناتمام بروئے کار لاتے ہیں، وہ اس لیے کہ انہیں
ین ہے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ ان کے
ب اعمال جو خدمت خلق کے لیے ہوتے ہیں ہمیں ان میں سے بیشتر تو
ا کاری کی نظر ہو جاتے ہیں اور جو خلوص سے ہوں بھی تو ان کا بدلہ انہیں
ں دنیا میں ہی بھرپور مل جاتا ہے مگر آخرت کے لیے جو کچھ ان کو ملے گا وہ
حظہ کریں سورۃ ہود آئت نمبر ۱۵۔ ۱۶۔ جو کوئی دنیاوی زندگی اور اسکی
ب وزینت (مال و اولاد) کا ارادہ رکھتا ہے ہم اس کے حصول دنیا
لے لیے کیئے گئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ اور اس میں کوئی کمی نہیں
ی جائے گی۔ اور ان کے لیے آخرت میں سوائے آگ (نار) کے کچھ نہیں
کچھ انہوں نے اس کے بیچ کیا تھا (یعنی اگر کوئی کار خیر ہوا بھی) سب پامال
ور ضائع ہو گیا۔"

ہر طرح کے عذاب اور راحتیں ملائکہ منکر نکیر کی طرف سے ہوتی ہیں

عذاب کے بارے میں ایک غلط تاثر ہمارے دلوں میں بیٹھ گیا ہے کہ عذاب بہت دور ہے حالانکہ عذاب قریب بلکہ قریب تر ہے سورۃ النبا آئت نمبر ۴۰ "ہم نے
م کو اس عذاب سے ڈرا دیا ہے جو قریب ہی ہے" قرآن حکیم میں عذاب
کا لفظ دو صد پچاس مرتبہ آیا ہے ان سب کا لب لباب یہ ہے کہ ہر قسم
کی تکلیف و مصائب و دکھ جو قرآن حکیم میں" باساء والضراء" کے الفاظ
کے ضمن میں مذکور ہے وہ خواہ محسوسات سے تعلق رکھتے ہوں یا معقولات
سے ان دو ملائکہ منکر نکیر کی طرف سے ہوں گے۔

ملائکہ بحکم خدا پوری دنیا کا کنٹرول سنبھالے ہوئے ہیں

یہ ملائکہ کوئی فرضی شخصیتیں نہیں کوئی بھی شخص جو خدا کو مانتا ہے ملائکہ کو نہیں مانتا۔ خارج از اسلام ہے یہ ملائکہ ہی ہیں جو خالق کل کے جملہ امور کو اس کے احکام کے مطابق سرانجام دیتے ہیں بحوالہ گذشتہ اوراق باری تعالٰے نے ان ملائکہ کی بھی قسم کھائی ہے جو انسان کے لیے مامور من اللہ ہیں۔ انسان کے ان اعضاء پر یا حواس پر جن پر انسان کا اپنا کنٹرول نہیں ملائکہ کا کنٹرول ہے نظام تنفس سرفہرست ہے اس کے علاوہ اندرونی نظام جس پر انسان کا قابو نہیں وہ سب ملائکہ کے کنٹرول میں ہیں اور یہ ملائکہ کا کمال ہے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ سورۃ الانعام ۶۱-۶۲ وہ اپنے بندوں پر پوری قدرت رکھتا ہے اور وہ تم پر نگرانی کرنے والے مقرر کرکے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم سے کسی کا موت کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انجام دیتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب کے سب اپنے آقائے حقیقی کی طرف لائے جاتے ہیں۔ خبردار ہو جاؤ۔ فیصلے کے سارے اختیارات اسی کو حاصل ہیں۔

مختلف ملائکہ کی ذمہ داریاں

ملائکہ کا یہ انتظام و انصرام جو متعلق بہ حیات دنیاوی ہے بڑا پیچیدہ نظام ہے خدا سے بہتر اسے کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمارے نامہ اعمال لکھنے والے۔ ہماری جانیں قبض کرنے والے

ور روحانی جسم کو ہمارے اعمال کے ساتھ خدا کے حضور پیش کرنیوالے ۔ ہماری
رواح کو اپنی نگرانی میں وہاں لیجانے والے ۔ ہمیں اس دنیا میں عذاب
ثواب دینے والے ملائکہ جنہیں منکر نکیر کے ملائکہ کہا گیا ہے یہ سب کے
ب ملائکہ ہیں ۔

**ئکہ دنیا اور آخرت دونو
ں ہمارے خیر خواہ اور دوست
ہیں ۔**

ملائکہ کے تعلقات ہمارے ساتھ
اس عالم برزخ میں ہی ختم نہیں ہو
جاتے بلکہ عالم آخرت میں بھی قائم
رہتے ہیں سورہ حٰم السجدہ آئت نمبر
۲۹ ۔ ۳۱ : جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا
ردگار خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے
ں کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا
ے خوشی مناؤ ۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت
ں بھی تمہارے رفیق ہیں اور وہاں جس نعمت کو تمہارا جی چاہے گا تم کو
ے گی اور جو چیز تم طلب کرو تمہارے لیے موجود ہوگی یہ بخشنے والے مہربان
طرف سے مہمانی ہے ۔

**کرین توحید و رسالت آخرکار
فات سماوی و ارضی کا
شکار ہوئے**

ملحد خدا اور رسول کا انکار کرتے
ہیں خدا نے اسے خدا اور رسول کو
جھٹلانا کہا ہے حضرت نوحؑ کو
ان کی قوم نے جھٹلایا ۔ عاد ثمود نے
جھٹلایا ۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کی
م نے جھٹلایا ۔ لوطؑ کی قوم نے مدین کے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی

نے ان سب کو خدا اور ان کے رسولوں کو ماننا تو ایک طرف مذاق ا
نتیجہ یہ کہ یہ سب آفات سماوی کا یکے بعد دیگرے شکار ہوئے کسی کو
سے ڈبویا. کوئی زلزلے کا شکار ہوا کوئی تیز آندھی اور طوفان کا نشانہ بن

اینٹ پتھر کی عمارتیں تو محض گیہوں کے ساتھ گھن کا پسنا ہے ظالم بستیاں وجودِ انسانی ہیں جنہیں تباہ و برباد ہونا مقصود ہے عمارتیں کیا ظلم کریں گی۔

یہ عذاب جس کا ذکر سورۃ ہود
آئت نمبر ۱۰۲ میں مذکور ہے جب
تیرا پروردگار بستیوں کو پکڑتا ہے
تو ایسے پکڑتا ہے اور وہ ظالم
ہیں تحقیق اس کا پکڑنا سخت اذیت
ناک ہے اس آئت میں جن بستیوں
کو پکڑنا ہوتا ہے وہ اینٹ
چونے پتھر یا پہاڑوں میں تراشے
ہوئے مکانوں کی بستیاں نہیں کیونکہ
اینٹ چونے کی بستیوں نے کیا ظلم کرنا تھا. مقصود تو جسم انسانی کی بستیوں
کو تباہ و برباد کرنا اور ملیامیٹ کرنا تھا اور مکانات اور رہائشگاہیں گیہوں
کے ساتھ گھن کی طرح پس گیئں۔

توحید و رسالت پر بعد از اقرار عمل کرنے والے شروع ہی سے
یعنی حضرت نوحؑ کے وقت سے ہی بچتے آئے ہیں۔ اور منکرین توحید
و رسالت عذاب الیم کا شکار بنتے آئے ہیں اور بلاشبہ بنتے رہیں گے
سورۃ ہود آئت نمبر ۵۹ - ۶۰ : اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود کو نجات
دی۔ اور ان لوگوں کو بھی جو ہماری طرف سے کی گئی رحمت کی وجہ سے
ایمان لائے ہم نے انکو گاڑھے عذاب سے نجات دی اور یہ عاد تھے کہ

اپنے پروردگار کی نشانیوں سے انکار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور سرکش اور عناد کرنے والے لوگوں کا حکم مانا۔ ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت اور مر کر جی اٹھنے کے بعد بھی لعنت ہو گی۔

ہمارے اچھے بُرے اعمال کی جزا و سزا کی ذمہ داری منکر نکیر پر ہے

عذاب و ثواب کے بارے میں جتنی بھی آیات ہیں ان کو انسانی اعمال کے مطابق ان کو بروئے کار لانے کا کام یہ ملائکہ منکر نکیر کرتے ہیں جیسے دیگر ملائکہ اپنے اپنے کارہائے مفوضہ کو بطریق احسن پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ ملائکہ منکر نکیر انسان کو اس کے جسم کی قبر میں پڑے اس کے اچھے برے اعمال کے بدلے اسے محسوسات و معقولات کا عذاب دیتے رہتے ہیں۔ یہ دونو ملائکہ نگرانی کا کام بھی کرتے رہے ہیں ان کی مثال اس گڈریئے کی طرح ہے جو اپنی بھیڑوں کی ہر طرح کی نگرانی کرتا ہے کہ کسی دوسرے کے کھیت میں نہ جا پڑیں۔ کہیں راہ سے بھٹک کر کسی بھیڑیئے کا شکار نہ بن جائے۔

چنانچہ انہیں بھٹکنے سے بچانے اور سیدھی راہ پر رکھنے کے لیے اس ڈنڈے کی ایک آدھی ضرب لگا کر سیدھے راستہ پر لانا پڑتا ہے۔

منکرین توحید و رسالت کی شرعی سزا جو خدا نے مقرر کی

منکرین آخرت و توحید و رسالت اس دنیا میں سب سے بڑے کذاب اور مجرم ہیں۔ ان کی شرعاً سزا جو باری تعالے جیسے رحیم و کریم خدا نے

حکیم کی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۳۳ میں بیان فرمائی ہے اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ فرمایا۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور وہ زمین میں اس لیے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے

۱۔ قتل کیے جائیں یا پھانسی پر چڑھائے جائیں۔

۲۔ ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں۔

۳۔ وہ جلا وطن کیے جائیں۔

۴۔ یہ ذلت اور رسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے مگر جو لوگ توبہ کریں" یہ ترجمہ لفظ بلفظ ہے سوائے نمبر شمار کے۔

ملاحظہ فرما لیا آپ نے ! اب آپ یہ نکتہ سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ توحید و رسالت سے انکار کرنے والے بدبخت کسی طرح اس عالم برزخ میں منکر نکیر کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے طائر نیم بسمل کی طرح پھڑ پھڑا رہے ہیں۔ اور اگلا عذاب جو اس سے زیادہ کڑا اور گاڑھا ہے موت و قیامت کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔ اس طرح ایسے لوگ عذابِ مسلسل میں رہتے ہیں۔ مرنے تک حیاتِ دنیا جو عالم برزخ کا دوسرا نام ہے اس کے بعد ساتھ ہی عالم آخرت کا عذاب شروع ہو جائے گا۔ عالم برزخ بھی عالم آخرت کا ایک حصہ ہے۔

خدا تعالیٰ خواہ مخواہ عذاب نازل نہیں کرتا۔

پاک پروردگار نے واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ تم پر خواہ مخواہ عذاب نازل کرنا میرا کام ہرگز نہیں یہ تمہارے

اپنے کئے کا پھل ہے سورۃ النسار آئت نمبر ۱۴۷ " آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تم پر خواہ مخواہ عذاب نازل کرے اگر تم شکر گذار بندے بنتے رہو اور ایمان کی روش پر چلتے رہو۔ اللہ تعالیٰ قدر دان اور سب کے حال سے واقف ہے۔

عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے والے لوگ

عذاب سے محفوظ رہنے والوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے سورۃ المعارج آئت نمبر ۲۲ - ۳۵ "مگر وہ لوگ جو نماز پڑھنے والے ہیں اور نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں جن کے مالوں میں سائلوں اور محروم لوگوں کا ایک مقرر حصہ ہے یعنی (زکوٰۃ) اور جو روز جزا کو برحق مانتے ہیں جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ اس سے بے خوف ہوں۔ اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں'

ان آیات کو نمبر شمار دے کر یہ صورت ملاحظہ فرمالیں

۱۔ وہ لوگ جو نماز پڑھنے والے ہیں

۲۔ نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں

۳۔ جن کے مالوں میں سائلوں اور محروم لوگوں کا ایک مقررہ حصہ (زکوٰۃ) ہے۔

۴۔ روز جزا کو برحق مانتے ہیں

۵۔ اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں کہ اس سے بے خوف ہوں۔

۶ - جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

یہ ہے تمام تر نچوڑ اور لب لباب دنیا اور آخرت میں خوش وخرم رہنے کا۔ ایسے خوش بختوں کے لیے یہ دنیا بھی جنت اور آخرت بھی جنت ۔ سورہ الرحمٰن آیات نمبر ۴۶ - ۴۷ "جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اس کے لیے دو جنتیں ہیں یعنی یہ دنیا بھی جنت اور عالم آخرت بھی جنت :

سب سے بڑی دانائی خدا کا خوف ہے۔
(حدیث شریف)

اس کے ساتھ وہ ہی حدیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک کو مشعل راہ بنالیں "کہ سب سے بڑی دانائی خدا کا خوف ہے"۔ الحمد للہ والمنۃ للہ ۔ کتاب قبر قیامت اور قرآن اقبال کی نظر میں بفضلہ پایۂ تکمیل کو پہنچی

حرفِ آخر

ربع صدی پیشتر کا ذکر ہے۔ میں نے ایک مشہور مفسرِ قرآن اور عالمِ دین سے سوال کیا کہ کیا ہر مردہ کا عالمِ برزخ سے گذرنا ضروری ہے؟ انہوں نے فرمایا اس میں کیا شک ہے بلکہ جو اس میں شک کرے وہ بلا شبہ کافر مرتد ہے۔ پھر آپ نے ذرا وضاحتاً فرمایا انسان مرتا ہے۔ قبر میں گڑتا ہے۔ قبر میں اس کا برزخ شروع ہوتا ہے۔ پھر وہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھ کھڑا ہوگا۔ میں نے عرض کیا۔ آپ نے بالکل صحیح فرمایا۔

اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ وہ اربوں انسان جو اس دنیا میں قیامت کبریٰ کے دن اس دنیا میں قیامت کبریٰ کے دن آنِ واحد میں مرجائیں گے ان کا برزخ کب شروع ہوگا۔ یا وہ عالمِ برزخ میں سے گزرے بغیر ہی حضرت آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کے جملہ مردوں کے ساتھ اپنی اپنی قبر سے اُٹھ کھڑے ہوں گے ان کو قبریں تو کیا کفن دفن اور نمازِ جنازہ تک نصیب نہ ہونگے۔

مولانا نے فرمایا! میاں عقل سے کام لو کیوں حجت بازیاں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے لیے یہ کام کوئی مشکل کام نہیں۔ پھر آپ نے سورہ مرسلٰت آیت نمبر ۳۷ تلاوت فرمائی " هَـٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ "۔ یہ ہے دن فیصلے کا جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو"۔

بندہ نے عرض کیا۔ حضرت خدا تعالےٰ جو خالقِ کائنات ہے۔ اس کی کمال قدرت سے کیسے انکار ہوسکتا ہے۔ البتہ یہ بات خلافِ سنّتِ باری تعالیٰ جاتی ہے کہ

کہ ایک طرف تو آپ حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت کبریٰ تک کے ارب ہا ارب مردوں کو بعد از مرگ عالم برزخ کے مکین قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف آپ قیامت کبریٰ کے دن ارابوں مرنے والوں کو عالم برزخ سے صاف بچا کر بلا روک ٹوک سیدھے عالم آخرت میں بھیج دیتے ہیں۔ آپ کی عقل سلیم اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کرتی ہے کہ باری تعالےٰ کے اپنے وضع کردہ اصول ہیں ان اصولوں میں تعدیل و توازن ہے۔ یکسانیت اور ہم آہنگی ہے۔ اور وہ خود ان اصولوں پر کاربند ہے وہ قیامت کبریٰ کے دن مرنے والوں اور اُن سے پہلے مرنے والوں کو دوبارہ جی اٹھانے میں عالم برزخ سے ہو کر گزرنے کے ایک مسلمہ اصول کو خود ہی کیوں توڑے گا۔ اور وہ کیوں افراط و تفریط کا شکار ہوگا۔

بات ابھی یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ اندر سے بلاوا آگیا اور آپ تشریف لے گئے۔ دیر تک انتظار کے بعد مجھے واپس آنا پڑا۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ گھر میں کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایک دن سب نے مر جانا ہے تو اس میں وقت اور تعداد کا تعین نہیں۔ یعنی کتنے لوگوں نے کس کس وقت مرنا ہے۔ اس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالےٰ کو ہی ہے۔ یہ ایک جنرل بات ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ایک دن تم سب جی اٹھو گے۔ اس میں بھی وقت اور تعداد کا تعین نہیں یعنی یہ کہ کتنوں نے کب جی اٹھنا ہے۔ یہ بھی ایک جنرل بات ہے۔ اس کا علم بھی صرف اللہ تعالےٰ کو ہی ہے۔

"ھٰذا یوم الفصل جمعنٰکم والاوّلین" سورہ مرسلٰت کی آیت نمبر ۳۷ جس کا ترجمہ یہ ہے یہ ہے دن جدائی کا یا فیصلے کا، جمع کیا ہم نے تم کو اور اگلوں کو۔ اس میں تین صیغے آتے ہیں۔ جمع متکلم یعنی ہم جمع حاضر یعنی تم اور جمع غائب

یعنی اگلے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہم سے مراد ملائکہ ہیں جن کا ہر فعل، فعلِ خدا کہلاتا ہے
ہم سے مراد اس دنیا میں اس مادی جسم میں جو روح کا برزخ ہے میں رہنے والے
انسان اور اگلوں سے مراد وہ نظروں سے اوجھل اور ہماری محدود بصارت سے
غائب ارواح جو آگے جا چکی ہیں۔ یعنی اگلے پیش رَد۔

ہر ذی روح جب مرقد روح یعنی جسم انسانی کو چھوڑتا ہے یا اس شبستانِ
مرقد سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہوتا ہے تو وہ اپنے سے پہلے جانے والوں یعنی اگلوں میں
شامل ہو کر ایک کا اضافہ کرتا ہے یعنی ان میں جمع ہو جاتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں
لوگ خواہ یک وقت مر جائیں۔ ان کی انفرادیت اپنی جگہ قائم رہتی ہے یعنی یہ ممکن
نہیں کہ ایک ذی روح گذر جائے تو باری تعالےٰ اسے دو شمار کر لے۔ موتیں اجتماعی
ہوں یا انفرادی یعنی ایک ایک کر کے بسترِ مرگ پر جان جانِ آفریں کے سپرد کریں یا
ہیروشیما میں لاکھوں ایٹم بم کا لقمہ بنیں۔ وہ سب کے سب اپنے سے پہلے جانے
والوں یعنی اگلوں میں جا شامل ہوتے ہیں۔ یہ باری تعالےٰ کا روزانہ کا معمول ہے
آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت کبریٰ تک وہ سب
کو پیدا کرتا رہا ہے اور پیدا کرتا رہے گا۔ وہ سب کو آج تک مارتا رہا ہے اور
وہ سب کو آج تک دوبارہ زندہ اٹھا کر اگلوں میں جمع کرتا رہا ہے یہ اس لیے
کہ یہ روح یا دوسرا روحانی و نورانی جسم جو اب خدا تعالےٰ کا عرش ہے۔ اپنا زمانہ
برزخ مرقد انسان میں گذار کر عالم آخرت میں داخل ہوا ہے۔ آئندہ کے لیے بھی
لاریب خالقِ کُل اپنا یہ معمول جاری و ساری رکھے گا۔ یہ ایک نہایت ہی سادہ اور
عام فہم سی بات ہے۔

ہر ذی روح اس وادیٔ موت یعنی دنیا میں پہلے سانس کے ساتھ ہی داخل
ہو جاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ ہر ذی روح کے نتھنوں میں پہلی پھونک اِسے

پابند موت کر دیتی ہے. یقین کیجیے کہ یہ اسرافیل کی صور میں پہلی پھونک ہے. لیکن چونکہ خواہ وہ ہزار سال کے بعد عمل میں آئے، صور اسرافیل کی آخری پھونک عمل میں آتی ہے. جسے ہم حیات دنیا کا آخری سانس کہتے ہیں. وہ روح جسم کے برزخ کو جسے دنیا میں مرقد کی حیثیت رہی ہے چھوڑ کر ایک نئے خوبصورت منور جسم کا روپ دھار لیتی ہے. یہ نورانی جسم ہی وہ عرش ہے جسے آٹھ فرشتے اٹھاتے ہوئے ہوتے ہیں عام ہوا آگ کو بھڑکاتی بھی ہے اور بجھانے کا کام بھی کرتی ہے آپ اپنی پھونک سے آگ کو تیز بھی کر سکتے ہیں اور اسی پھونک سے آگ کو بجھا بھی سکتے ہیں. یہی پھونک موت و حیات کو جنم دیتی ہے. ایک کو نفخ روح کہا گیا اور دوسری کو نفخ صور. پھونک ایک ہی ہے. بات خدا کے ارادے کی ہے. باب الصور میں احقر نے نفخ روح اور نفخ صور کی کما حقہ وضاحت کر دی ہے.

حادثاتی صورتوں میں جب موتیں بیک وقت عمل میں آئیں اور کافی تعداد میں آئیں. جیسا کہ ہیروشیما میں ایٹم بم سے یا زلزلوں سے ہزاروں لاکھوں لوگ اکٹھے مر گئے. اب یہ لوگ فوج در فوج ہی جی اٹھیں گے. جس طرح اکٹھے سب کے سب مر گئے. سب کے سب اکٹھے جی اٹھے. ان کی قیامت ہو چکی. اب ان نئے جی اٹھنے والوں کی پرواز کے لیے خلاء کا کھلا میدان ہے "فاذا ھم بالساحرۃ" یعنی وہ اچانک کھلے میدان میں ہوں گے" اب یہی فلک ان کی زمین بن گیا. مولائی و مرشدی فرماتے ہیں :-

شائد کہ زمیں ہے یہ کسی اور جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کا

قیامت کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وجود اول کی تخریب تام کے ساتھ ہی وجود نورانی پیدا ہو. ہر پیدا ہونے والے وجود نو کی اصل نورانی ہے

لیکن دنیا میں اس نے اپنے اس جسم کے ساتھ جو جو اعمال حسنہ وخبیثہ کئے۔ اس کی نورانیت وظلمت اس نئے جسم پر مرتسم ہو گی۔ اور اس نورانی اور ظلماتی شناخت سے ہی اس کی جزا وسزا کا تعین ہو گا لیکن ظلماتی اجسام پر بھی انجام کار ایک ایسا وقت آئے گا کہ اس کی ظلمت وتاریکی نورانیت میں بدل جائے گی۔ بالکل ایسے ہی جیسے غفار مطلق گناہ گار کی سیئات کو حسنات میں تبدیل کر دے۔

قرآن حکیم میں قیامت کے بیسیوں نام ہیں۔ اسے یوم الفصل بھی کہا گیا ہے یعنی جدائی کا دن۔ جدائی کس سے؟ اپنے مرقد وجود سے روح کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے علیحدگی "یہی وہ دن ہے جس دن آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی، اور اپنے بیٹوں سے بھاگ جاتا ہے۔ یہ انفرادی قیامت ہے یعنی ایک روح کا اپنے وجود کی کینچلی اتار کرنئے روپ میں جی اُٹھنا، یہ ایک روحانی ڈلیوری ہوتی ہے جو ملائکہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوتی ہے۔ اس طرح وجود اوّل کی فنا وجود ثانی کی بقا کا سبب بنتی ہے۔

اس بقا و فنا میں ارادے کو مطلق دخل نہیں۔ وجودِ اوّل کی اپنی ہستی بالکل مٹ جاتی ہے تو وجودِ ثانی جی اٹھتا ہے اور یہ ہمہ گیر اصول حضرت انسان پر ہی لاگو نہیں ہوتا۔ پوری کائنات اس ہمہ گیر اصول کی زد میں ہے۔ اور یہ ہمہ گیر اصول ہی تقاضائے فطرت ہے۔

مولائی ومرشدی حضرت علامہؒ نے روح کو میّت کہا ہے۔ اس وقت تک جب تک وہ جسم کے برزخ میں مدفون ہے۔ جوں ہی وہ اس قیدِ تنہائی سے اس مرقد کے شبستان سے فارغ ہو گی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جب طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گا تو پھر اسے واصل بحق ہونا کہیں گے۔ پھر وہ زندہ وپائندہ ہو گی۔ پہلے ہرگز نہیں۔ جب تک روح مرقدِ وجود میں رہے

کی وہ میت شمار ہوگی۔ حکیم الامتؒ فرماتے ہیں۔ روح باحق زندہ و پائندہ است۔

ورنہ ایں را مردہ آں را زندہ است

اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم میں انسان کی رُوح کو پکارا۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سورہ الزمر آیت نمبر ۳۰۔ یعنی اے میرے محبوب ہماری نگاہوں میں آپ ہی نہیں سب کے سب ایک میت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالےٰ نے ہر اس بیج کو جس میں اُگنے کی صلاحیت موجود ہے اسے میت کہا ہے۔ بیج کی یہ میت کب جی اٹھے گی؟ کب زندہ ہوگی اور باری تعالےٰ کب اس مردہ سے زندہ پیدا کرے گا۔ جب اس بیج کا وہ جوہر نورانی جیتے جاگتے پودے کی صورت میں باہر آئے گا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کذالک تُخرجون "اسی طرح اے روح، اے جوہر نورانی! تم بھی کثافت وجود سے اسی طرح جیتے جاگتے باہر آجاؤگی۔ تم ہی وہ زندگی کا شُعلہ ہو جو فضائے نور میں آنے کے لیے بیتاب ہو۔ مولائی و مرشدی فرماتے ہیں

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و بر پیدا

سفر خاکی شبستاں سے نہ کر سکتا اگر دانہ

مرقد کا شبستاں یا خاکی شبستاں جہاں بھی حضرت علامہ نے فرمایا ہے اس سے مراد یہ دنیا ہرگز ہرگز نہیں۔ بلکہ انسان کا اپنا وجود ہے۔ اور یہ وجود صرف انسان تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ ہر اُگنے والے بیج کو اس کے نورانی جوہر کی تربت قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے

خود نمائی و خود افزائی کے لیے مجبور ہے

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ   موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

حضرت علامہ نے دوبارہ جی اٹھنے کو تقاضائے فطرت کی مجبوری قرار دیا ہے

فرماتے ہیں :۔

آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں　　انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہے
ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے　　پردہ مجبوری و بیچارگی تدبیر ہے

نغمۂ بلبل ہو یا آوازِ خاموشِ ضمیر
ہے اسی زنجیرِ عالم گیر میں ہر شے اسیر

الحاصل حضرت علامہ نے ایسے بے شمار دلائل قاطع سے ثابت کر دیا ہے کہ اصلی قبر جس سے انسان ایک فطری تقاضے کی مجبوری کے تحت دوبارہ جی اٹھتا ہے وہ یہی قبرِ بشری یعنی جسم انسانی ہے۔ جو مدفن روح ہے۔ جو برزخ روح ہے جو مرقد روح ہے۔ آپ نے روح کو دوبارہ ایک بار چھوڑے ہوئے جسم میں لوٹ آنے کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہو روح پھر اک بار سوارِ بدنِ زار
ایسی ہے قیامت تو خریدار نہیں ہیں

قبریں دو اقسام کی ہیں۔ ایک حقیقی اور دوسری مجازی۔ ان ہر دو میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اصلی قبریں اللہ تعالٰے دنیا میں آنے والی ہر روح کو جسم کی قبر میں گاڑ کر بھیجتا ہے۔ گویا یہ جسم مادی مدفن روح قرار پایا۔ یہ روح ابھی باحق یا واصل بحق نہیں ہوئی۔ لیکن اس میں یہ فطری صلاحیت موجود ہے کہ وقت آنے پر جسم کی اس قبر میں سے اپنے دوسرے نئے جسم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوگی۔ یہ روح مرقد شبستان یعنی جسم خاکی میں حالت مہجوری میں رہتی ہے۔ لیکن سیماب آسا مضطرب اور بے قرار رہتی ہے لیکن اگر بدبخت انسان ہوائے نفس کا شکار ہو جائے تو یہ تڑپ اور اضطراب ہمیشہ کے لیے ختم یا نہ ہونے کے برابر کم ہو جاتی ہے۔

مولائی مرشدی حالتِ مہجوری کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مرقد کا شبستان بھی اسے راس نہ آیا۔

آرام قلندر کو تہِ خاک نہیں ہے

اس شعر میں آپ نے شاہی مسجد میں اپنے مزار کے زیرِ خاک اپنے کا بعد خاکی کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ حیاتِ دنیا کے عالمِ برزخ میں اپنی حالتِ مہجوری کی کیفیت کا تاثر دیا ہے۔ اسی مرقدِ انسان سے دوبارہ جی اُٹھنے کے بارے میں ایک عام مشاہدہ پر مبنی ایک ٹھوس دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ اگر آئین ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح — مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

اپنے وجود کو حضرت علامہؒ نے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں قبر قرار دیا ہے۔ اور اس کو سرِ دین فرمایا ہے۔ اپنے لختِ جگر مرشد زادہ حضرت جاوید اقبال صاحب کو ہی نہیں بلکہ جملہ نوجوانانِ عالم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

سرِ دینِ مصطفےٰ گویم ترا

ہم بقبر اندر دعا گویم ترا

اس انمول اور لامثال سرِ دین کے حامل شعر میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا مفہوم شارحین نے جو سمجھا ہے وہ صحیح نہیں۔ حقیقت میں مولائی و مرشدیؒ نے پہلے مصرعے میں دینِ مصطفےٰ کے جس سرِ دین کا ذکر ہے دوسرے مصرع میں اس راز کو طشت از بام کر دیا ہے۔

اور وہ قیمتی راز یہ ہے کہ میں فی الوقت اپنی اس قبرِ بشری میں تمہارے لیے دُعا گو ہوں۔ اس جسمِ انسانی میں تمہارے لیے دعائیں کر رہا ہوں۔

یہ تو ہے حقیقی قبر! یعنی ایسی قبر جو "ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ" کی روشن مثال ہے۔ یہ قبر اللہ تعالےٰ نے ہر مادی وجود کو دی ہے۔ وہ جسے قوت کہتے

ہیں وہ ہر مادے میں موجود ہے۔ لیکن مادہ فنا نہ ہو اور قوت باہر آ جائے یہ ممکن نہیں
جملہ تخلیق مادی میں انسان احسن تر تخلیق مادی ہے اور قدرت کا ایک شاہکار ہے لیکن
اس میں نظر نہ آنے والی وہ بے پناہ طاقت، وہ بے حد و حساب قوت، وہ نظر نہ آنے
والی روح ہے۔ جسے ایک دن ملائکہ کی وساطت سے باہر آنا ہے اور بے پناہ قوت
بن کر باہر آنا ہے۔ اسے روحانی ڈلیوری کہہ سکتے ہیں۔ اس کی صحیح نقشہ کشی سورۃ بلد
میں کی گئی ہے۔ باب البلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

وجود اوّل کی تخریب تمام کی صحیح تصویر کشی یعنی دوبارہ جی اٹھنے سے پہلے ہر فرد
وجود کی تخریب یعنی قیامت کا منظر مکی آیات میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

" جب آسمان میں شگاف ہو جائیں۔ جب پہاڑ بھر بھری ریت بن جائیں جب
ستارے ماند پڑ جائیں، جب سمندر پھٹ جائیں۔ ان آیات میں جس قیامت کا ذکر
ہے اس قیامت کا نشانہ یہی جسم انسانی ہے۔ اس کی بصارت، اس کی سماعت، اس
کے دیگر نظاموں کا مرکز، تخریب تمام کا مرحلہ وار شکار ہوتا چلا جاتا ہے اور انجام
کار مکمل توڑ پھوڑ کے بعد یہ ایک ایسے بنجر اور ناہموار میدان کی صورت اختیار کر لیتا
ہے جس میں کوئی اونچ نیچ نہیں۔

سب سے بڑا فریب اور دھوکا جو انسان کھاتا ہے وہ یہ ہے کہ مظاہرہ خارجہ
کا شیدائی یہ فریب خوردہ انسان آسمان کو۔ اس کے چاند تاروں کو۔ ارض کو اس
کے پہاڑوں۔ دریاؤں اور سمندروں کو تو دیکھ سکتا ہے مگر اپنی ارضِ وجود اس
کا آسمان و زمین جبل و بحور ان کو نظر نہیں آتے۔ ان کی نگاہیں رنگ و بو میں کھو
کر رہ جاتی ہیں۔ اپنی ذات کا کھوج لگانے کی بجائے ان کی عقل و خرد مظاہرہ خارجہ
میں بکھر کر رہ گئی ہے۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

نگاہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں   خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں

عارف باللہ اپنے آسمان کو جو ارض وجود کا عالم امر ہے جانتا پہچانتا ہے اسے اپنے ان جبل و بحور کا بھی علم ہے جو اس ارض جسم کی زینت برتر ہیں۔ ان حضرات کو وہ چاند ستارے بھی نظر آجاتے ہیں۔ جو آخری سانس کے خاتمے کے ساتھ ہی دھندلا جاتے ہیں

اب مجازی قبر کا حال سنیئے۔

قبر مجازی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ یہ قبر خواہ وہ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہو یا کچی مٹی کا ایک تودہ ہو۔ اس کا خالق انسان ہے، یہ قبر سب کو نہیں ملتی۔ اس کے برعکس قبر حقیقی سب کو ملتی ہے۔ حقیقی قبر میں اللہ تعالےٰ روح کو بصورت میت گوشت پوست کی قبر میں داخل کر کے اور حوالہ موت کر کے اس دنیا میں بھیجتا ہے۔ اور باری تعالےٰ نے اپنی سنت کے مطابق یہ قبر جملہ مادی اجسام کو دی۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات احسن تقویم اور قدرت کا ایک انوکھا شاہکار ہے۔ اس لیے اس کا یہ مادی جسم بھی دیگر تمام تر مادی اجسام پر فوقیت اور برتری رکھتا ہے اگر اللہ تعالےٰ اس قبر مجازی یعنی انسان کی بنائی ہوئی قبر سے ہی دوبارہ جی اُٹھانے کا پابند اور ذمہ دار ہوتا۔ تو کم از کم اتنا ضرور ہوتا کہ یہ قبر ہر مرنے والے کو ملتی۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ مُردوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے لوگوں نے اپنے اپنے طریقے وضع کر رکھے ہیں۔ مردوں کو دبایا جاتا ہے، مردوں کو جلایا جاتا ہے لہٰذا ان کی راکھ اور ہڈیاں پانی میں بہا دی جاتی ہیں۔ مردوں کو پانی میں بھی بہایا جاتا ہے۔ پارسی اپنے مردوں کو ٹاور آف پیس پر رکھتے ہیں تاکہ جانور اور شکاری پرندے اپنا پیٹ بھر سکیں۔

تو مٹی کا یہ تودہ اب پردہ یا برزخ ہے اس سابقہ مرقد روح یعنی جسم انسانی کا جو کالبد خاکی کی صورت میں زیر خاک دفن ہے۔ یہ وہ کالبد خاکی ہے جو جی اٹھنے تک یعنی قیامت تک کے تمام مراحل اپنی برزخی زندگی بصورت حیات دنیا سے گذار چکا۔ اس نے زمانہ مرگ ختم کر لیا۔ اس کی قیامت ہو چکی۔ اب یہ جسم کا برزخ اتار کر

خوبصورت روحانی جسم کے ساتھ جسے اللہ تعالےٰ نے عرش فرمایا ہے جی اُٹھا اب یہ فان من مات فقد قامت قیامتہٗ کی جیتی جاگتی تصویر بن گیا۔ لیکن افسوس بقول حضرت علامہؒ

ندانند کشتۂ ایں عصر بے سوز

قیامت ہا کہ در قد قامت اوست

اسرع الحاسبین کے حساب کے مطابق انسان چونکہ اپنے پہلے سانس کے ساتھ ہی جو درحقیقت صور اسرافیل کی پہلی پھونک ہے، پابند موت ہو جاتا ہے اس لیے وہ درحقیقت عملی طور پر موتیٰ میں شمار ہونے لگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جملہ انسانوں کو سورۃ الزمر آیت نمبر ۳۰ میں فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ یعنی اے میرے محبوب ہماری نگاہوں میں آپ ہی نہیں سب کے سب ایک میت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ اللہ تعالےٰ نے روح کو مخاطب کرکے یہ بات فرمائی ہے۔ روح میّت ہو گی تو جسم مرقد کہلائے گا۔

علماء کی سوچ میں اور عالم امر کے مکینوں کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور اسی فرق نے مسئلہ حیات بعد الممات کو چوپٹ کرکے رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو پہلے سانس کے ساتھ ہی موتیٰ قرار دیا۔ اور اس صورت میں انسان کی روح فی الوقت جسم کے برزخ میں پروان چڑھ کر دوبارہ جی اُٹھنے کی تیاریاں کر رہی ہے، اور آخری سانس کے ساتھ ہی اس کی برزخی زندگی مکمل ہو جائے گی۔ اور عالم آخرت کا آغاز ہو جائے گا۔ یہی آخری سانس صور اسرافیل کی دوسری پھونک ہے، برعکس اس کے علماء حضرات انسان کا برزخ مٹی کے اس ڈھیر سے شروع کرتے ہیں جسکی برزخ میں وہ کالبد خاکی پڑا ہے۔ مٹی کا حقیقی ڈھیر یا قبر وہ جسم انسانی ہے جس میں روح بمنزلہ میت کے دفن ہے۔ یہ ایک نہائیت ہی سیدھی

اور آسان سی بات ہے۔

حیات بعد الممات کے مسئلہ کو صحیح طور پر نہ سمجھ پانے کی اصل وجہ یہ بھی ہے کہ ہم رُوح آشنا نہیں ہمیں عرفانِ ذات نہیں۔ ہم ہر حکم جسم پر لیتے ہیں روح پر نہیں ہم صرف سواری پر نظر رکھتے ہیں۔ سوار کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ روح آشنا ہے تو خود آشنا۔ خودی آشنا اور خدا آشنا ہے۔ مولائی و مرشدی فرماتے ہیں

ترا تن روح سے نا آشنا ہے   عجب کیا ! آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق   خدائے زندہ زندوں کا خُدا ہے

وہ آیات جن میں فقیہان حرم نے خود بدلنے کی بجائے قرآن کو ہی بدل دیا ہے۔ ان میں سرِ فہرست دو آیات ہیں۔ پہلی آیت سورۃ الزمر آیت نمبر ۳۰ "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" ہے۔ دوسری آیت سورہ عبس کی آیت نمبر ۲۱ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ کا ترجمہ جو جملہ مترجمین و مفسرین نے کیا ہے۔ اس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ سب نے ہی اس کا ترجمہ مستقبل میں کیا ہے۔ یعنی تو بھی مرے گا اور وہ بھی مریں گے۔ یا تجھے بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے" جو سراسر غلط ہے۔ باری تعالےٰ اس سرِ دین کی نشان دہی کرتا ہے کہ آپ سب لوگ فی الوقت مردہ ہیں۔ تم سب کے سب دمِ اوّل سے دمِ آخر یعنی نفخ صورِ اول سے نفخ صورِ آخر تک کا درمیانی برزخی زمانہ مرقدِ جسم میں گذارتے ہوئے بڑی ہی مشقت اور محنت سے میری طرف بھاگے چلے آ رہے ہو۔

اگر "تو بھی مرے گا اور وہ بھی مریں گے" کا مفہوم ہی باری تعالےٰ کو بیان کرنا مقصود ہوتا تو اِنَّكَ تَمُوْتُ وَاِنَّهُمْ تَمُوْتُوْنَ ہوتا۔ جیسا کہ سورہ لقمان کی آخری آیت نمبر ۳۴ میں فرمایا گیا۔ " وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ

تموتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیمٌ خَبِیرٌ" یعنی اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں اپنے سانس پورے گا۔ بے شک اللہ علم والا اور خبر رکھنے والا ہے۔"

سورۃ اعراف آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا گیا۔ قَالَ فِیهَا تَحیَونَ وَفِیهَا تَمُوتُونَ وَ مِنهَا تُخرَجُونَ۔ "یعنی جینے مرنے اور نکالے جانے کا تمام تر عمل اسی کشت وجود یعنی اس جسمانی قبر بشری سے ہی ہوگا۔ انسان کے بنائے ہوئے ان رنگا رنگ کے مٹی کے ڈھیروں سے ہرگز نہ ہوگا۔ بلکہ امر والوں کی نگاہ میں اصلی مٹی کا ڈھیر تمہارا یہ جسم ہے جس سے صور اسرافیل کی دوسری پھونک سے جو اس حیاتِ دنیا کا آخری سانس ہوگا تم نئے جسم کے ساتھ زندہ اٹھ کھڑے ہوجاؤ گے۔ جسم اول کی تخریب تمام کے بعد یہ دوسرا جسم جدید جو تمہیں عطا ہوگا اس میں تمہاری کوشش اور ارادے کا مطلق عمل دخل نہیں۔ یہ سارے کا سارا پروسیجر فطری تقاضے کے تحت عمل پذیر ہوگا۔

لفظ قیامت کے معنوں کے ساتھ علماء حضرات نے ایک بڑی زیادتی اور کی ہے کہ زمانہ قیامت کو اس کائنات کی مکمل تباہی کے دن تک بڑھا کر لے گئے ہیں۔ قیامت کا وقت تعین عام مفہوم میں زمانہ بعید از بعید لیتے ہیں یعنی قیامت تک جیو! یا یہ کام تو قیامت تک نہ ہو سکے گا۔ لیکن قرآن حکیم اس مفہوم کی سختی سے تردید کرتا ہے سورۃ المعارج آیت نمبر ۶۔ ۷ "اِنَّهُم یَرَونَهُ بَعِیدًا ۝ وَّنَرَاهُ قَرِیبًا" یعنی وہ دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک" سورۃ النحل آیت نمبر ۷۷ میں فرمایا گیا ہے "آسمانوں اور زمین کی چھپی باتیں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ اور اس گھڑی (مرکر جی اٹھنے) کا معاملہ تو صرف آنکھ کی جھپک کی مانند ہوگا یا ہوتا ہے (عربی میں مضارع حال و مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے) یا اس سے بھی پہلے اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

خالق کائنات نے یہ زمانہ یا وقت ہم انسانوں کے زمانہ یا وقت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ کیونکہ وہ انسانوں سے مخاطب ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کل زمانہ یا وقت آنکھ کی جھپک کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے پیدائش آدمؑ سے قیامت کبریٰ تک کا تمام زمانہ اس کے نزدیک آنکھ کی جھپک کی مانند ہی تو ہے تو یہ سوچ ہی غلط ہے اس لیے کہ وہ وقت کا تعین ہمارے زمانے کے مطابق کر رہا ہے ملاحظہ ہو۔

سورۃ توبہ آئت نمبر ۳۶ " خدا کے نزدیک مہینوں کا شمار خدا کی کتاب میں جس دن اس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بارہ مہینے ہیں۔ ان میں چار مہینے ادب کے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے " اب آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ سیدھا دین اس بات کو کہے کہ انسان کے لیے مہینوں کا شمار بارہ مہینے ہیں"۔ اس لیے اس ایمان افروز حقیقت کو ہرگز فراموش نہ کریں کہ ہر ذی روح اپنے آخری سانس کے خاتمہ کے ساتھ ہی جسے صور اسرافیل کی دوسری پھونک کہتے ہیں ہر انسان وحیوان (چرند) پرند و درند جی اٹھتا ہے اپنے دوسرے جسم کے ساتھ۔

علمار کرام جو یوم القیامت کو زمانے کے آخری سرے تک لے گئے ہیں اور یہ کہ اس سے پہلے قیامت آئے گی ہی نہیں سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علمار کے نزدیک ابھی تک کوئی بھی مر کر جی نہیں اُٹھا۔ یعنی حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک سب کے سب عالم برزخ میں ہیں۔ اور کائنات کے خاتمہ کے دن کا دوبارہ جی اٹھنے کے لیے شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔

کمال یہ ہے کہ یہ حضرات حضرت عیسٰے علیہ السلام کو چھوڑ جاتے ہیں یعنی صرف عیسٰے علیہ السلام قیامت کے دن کے منتظر نہیں باقی سب ارواح دوبارہ جی اٹھنے کی منتظر ہیں۔ اور یہ کہ حضرت عیسٰےؑ کو خدا نے زندہ آسمانوں پر اٹھا

لیا۔ باقی کو نہیں۔ حدیث شریف کے واضح الفاظ " فَاتَ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَالَتْ قیامتہٗ یعنی جو مرا وہ جی اٹھا کو مفہوم کو ہی نظر انداز کر جاتے ہیں ۔
لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا ان علمار دین نے کیا کیوں ؟ ۔ یہ اس لیے کہ یہ مجبور تھے۔ مجبوری یہ تھی اور ہے کہ ان حضرات نے زمانہ برزخ کا آغاز اس انسان ساختہ قبر سے کیا جس میں مرنے والے کا جسدِ خاکی پڑا ہے اگر یہ حضرات خدا کی بنائی ہوئی قبر سے جس میں روح بصورت میت مدفون ہے عالم برزخ کا آغاز کرتے تو سِرِّ دین روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ۔
عالم برزخ ایک خواب کی سی زندگی ہے یہی وجہ ہے کہ جب بروزمرگ وہ جی اٹھیں گے تو کہیں گے وائے افسوس ہماری خواب گاہ سے ہمیں کس نے زندہ اٹھایا یہ الفاظ اگرچہ مجرموں کے بارے میں کہے گئے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے پردہ سب آنکھوں سے اٹھ جائے گا۔ کہ ہماری پوری حیات دنیا جو ہم نے مرقدِ وجود میں گذاری ایک خواب تھا ۔ برعکس اس کے علمار حضرات زمانہ برزخ مٹی کی اس قبر سے شروع کرتے ہیں۔ حالانکہ زمانہ برزخ کا آغاز اس قبرِ بشری اس مرقد کے شبستان یعنی وجودِ انسانی کے نفسِ اول سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہی پہلا سانس جو ہر دو سوراخ بینی، جس کی شکل بالکل صور (نرسنگھا) جیسی ہے میں پھونکتے ہی ہر ذی روح بشمول انسان مکمل طور پر پابندِ موت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی ٹھوس حقیقت کی بنا پر ہم عالم امر والوں کی نگاہ میں موتیٰ کہلاتے ہیں۔ سورۂ لیٰسین آیت نمبر
اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَھُمْ وَکُلَّ احصیناہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝ ہم ملائکہ موتیٰ کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھ لیتے ہیں وہ جو آگے بھیج چکے اور جو نشان انہوں نے پیچھے چھوڑ رکھے"۔
سچی بات یہ ہے کہ اگر ذرا عقل سلیم سے کام لیا جائے اور معمولی سا غور و فکر

کہ اگر یہ الفاظ اس موقع کے لیے کہے گئے ہیں کہ جب پوری کائنات ہی تباہ ہو جائے گی تو اس وقت تو پیچھے چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں دنیا میں کون سی نشانی باقی رہ جائے گی کچھ بھی نہیں۔ البتہ اگر اس حقیقت کو لیا جائے کہ ہر موتیٰ (انسان) جب آخری سانس اس حیاتِ دنیا میں پورا کر لیتا ہے تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ آگے بھیجتا اور کچھ نہ کچھ پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے۔ خواہ اس کے لباس کی ایک اترن ہی کیوں نہ ہو۔

وہ حضرات جو یہ مفروضہ گھڑے بیٹھے ہیں کہ انسان مر کر قبرِ مجازی (انسان ساختہ قبر) میں جا سوتا ہے اور یہ کہ دنیا بھر کے قبرستانوں کے زیرِ خاک جسدِ خاکی سو رہے ہیں ان کے دماغ میں خرابی ہے۔ مولائی و مرشدی فرماتے ہیں۔

سمجھتا ہے جو موت خوابِ لحد کو
نہاں اس کی تعمیر میں ہے خرابی

اصل بات یہ ہے کہ یہ پوری دنیا اور اس میں گذاری گئی پوری زندگی جو روح بصورتِ میّت اس جسم کے مرقد میں گزارتی ہے۔ ایک عالمِ خواب ہے۔ روح جب اس جسم کے پردہ (برزخ) کو چھوڑے گی تو ابدی بیداری کا آغاز ہوگا۔

روح کا اپنی منزل اور مقام پر پہنچنا ہی اصل زندگی ہے۔ روح اللہ کی طرف سے ہی آئی اور پھر اللہ ہی کی طرف پلٹ گئی۔ روح روح سے جا ملے زمانۂ ہجر عالمِ خواب ہو جائے اور ذاتِ باری تعالےٰ کو بے پردہ دیکھ کر وصل دائمی سے سرشار ہو تو بڑی بات ہے مولائی و مرشدی فرماتے ہیں

برمقامِ خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست

روح کا تو کام ہی دیدارِ یار ہے۔ روح جسم کے برزخ سے باہر آئے گی تو موت کامل دوست کو دوست سے ملا دے گا۔ اور رفیقِ اعلےٰ سے ہم کنار ہوگا

دانائے راز فرماتے ہیں

گرچہ آں جا جرأت گفتار نیست
روح را کارے بجز دیدار نیست

تو قارئین کرام! اس سرِّ دین کی آگاہی کے بعد کہ ہمارے اجسام ہی ہماری ارواح کی قبریں ہیں۔ ہم سب ذی روح صحیح معنوں میں اہل القبور ہیں۔ گھر گھر قبریں۔ محلے محلے قبریں۔ قریئے قریئے قبریں۔ شہر شہر قبریں! غرضیکہ یہ پورا کرۂ ارض ان زندہ لاشوں کا ان گنت کا ایک بہت بڑا قبرستان ہے۔ ہم سب کے سب موتی اس بیج کی مانند ہیں جو زیر زمین اپنے دوسرے سبز اور منور جسم کے ساتھ باہر کھلی فضا میں نکلنے کے لیے بے قرار و بے تاب اندر ہی اندر تڑپ رہا ہو کہ کب میرے جسم کی قبر پھٹے اور کب میں زمین کی تاریکیوں سے باہر آؤں۔ مولائی و مرشدی فرماتے ہیں۔

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و بر پیدا — سفر خاکی شبستاں سے نہ کر سکتا اگر دانہ
پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ — موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

ہر بیج زندگی کا ایک کیپسول ہے۔ اس بیج میں سب کچھ ہے۔ جڑ ہے شاخیں ہیں۔ پتے ہیں۔ پھل۔ پھول ہیں۔ روح کا بیج جو اس کشت وجود میں بو یا جاتا ہے وہی سب کچھ ہے۔ مولائی و مرشد فرماتے ہیں۔

سالک ہو محکوم تو یہی اس کا ہمہ اوست
خود مردہ و خود مرقد خود مرگ مناجات

ہماری روح کو اسی مرقد جسم سے بالکل اسی طرح دوسرے سبز ریشمی جسم کے ساتھ باہر آنا ہے جیسے بیج خود کو پھاڑ کر ہرے بھرے پودے کی صورت میں نکل آتا ہے۔ جنتیوں کا دوسرا روحانی جسم جو اس جسم خاکی کو چھوڑنے کے فوراً ہی بعد

ہل جاتا ہے اس کا رنگ سبز گاڑھا اور ریشم کی طرح ملائم ہوتا ہے۔ یہ نومولود جسم روحانی بالکل عریاں یعنی ننگا ہوتا ہے۔ یعنی ہر ذی روح بروز قیامت (جی اٹھنے کے دن) ننگا ہوگا۔ عُریانیت کا اطلاق وجود کے جن حصوں پر ہوتا ہے دوسرے روحانی جسم پر صرف اس کے نشانات ہی رہ جائیں گے۔ وہ اس لیے کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ جس طرح دنیا میں بعد از پیدائش مقام ناف جو رحم مادر میں حصول خون کا ایک ذریعہ تھا اب وہ رستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو کر محض ایک نشان رہ گیا۔ کیونکہ بعد از پیدائش اس کی ضرورت نہ تھی۔

تو جنتیوں کا یہ نیا سبز اور گاڑھا ریشمی لباس دنیاوی لباس کی طرح اتارا یا پہنا نہیں جا سکے گا یہ جسم کا ایک حصہ ہی ہوگا۔ کلائیوں میں سنہری اور روپہلی کنگن بھی جسم کا ایک حصہ ہی ہونگے۔ قرآن یہی کہتا ہے" سورۃ الدھر آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱:
"اور جب تو دیکھے وہاں تو دیکھے نعمت اور سلطنت بڑی (خلاو ملا) اوپر کی پوشاک ان کے کپڑے ہیں باریک ریشم کے سبز اور گاڑھے اور ان کو پہنائے جائیں گے کنگن چاندی کے اور پلائے ان کو ان کا رب شراب، جو پاک کرے دلوں کو۔ یہ ہے تمہارا بدلہ اور کمائی تمہاری ٹھکانے لگی۔

دوسری جگہ فرمایا سورۃ الکھف آئت نمبر ۳۰۔ ۳۱ :"ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور پہنیں گے کپڑے سبز باریک اور گاڑھے ریشم کے۔ تکیہ لگائے ہوئے ہیں ان میں تختوں پر۔ کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام"

جس طرح دنیا میں ہر اچھے بُرے کو ایک جیسا ہی جسم ملتا ہے۔ اس طرح عالم آخرت میں بھی جسم کی اصل ایک ہی ہو گی یعنی ہلکا اور گاڑھا سبز لیکن اپنی اپنی فطرت کے مطابق ان کے اچھے بُرے اعمال کی مناسبت سے ان پر نجاست و

لطافت کے اثرات مرتسم ہوں گے۔ اسی مناسبت سے ہی ان پر نیک و بد کی چھاپ لگے گی۔ اور اسی بنیاد پر ہی ان کو جزا سزا ہو گی۔ لیکن انجام کار اللہ تعالےٰ انہیں اصل رنگ میں لائے گا۔ کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ سیئات کو حسنات میں بدل دے اور دوزخ کو خالی کر دے۔

اب آیئے آپ کی توجہ ایک ایسے نکتے کی طرف مبذول کراؤں جو خدا تعالیٰ کی ایک صنعت اسرع الحاسبینی سے متعلق ہے۔ دنیا بھر کے عربی دان بلکہ اردو اور فارسی جاننے والے بھی اسرع الحاسبین کے معنی جانتے ہیں۔ یعنی ایک ایسی ذات جو حساب لینے میں بہت ہی تیز اور زود عمل ہے لیکن یہ کیسی اسراع الحاسبینی ہے کہ بقول علماء آدم علیہ السلام بھی ابھی تک حساب کتاب کے لیے قیامت کی راہ تک رہے ہیں۔

اگر آپ صرف صنعت اسراع الحاسبین کو ہی سمجھ پاتے اور اسے اپنی عقل کی ترازو میں نہ تولتے تو آپ اس سرِّ دین سے آگاہ ہو جاتے کہ انسان کی حیات دنیا تمام تر عالم برزخ میں ہی گزرتی ہے اور یہ کہ ہر ذی روح کا یوم مرگ ہی اس کا یوم قیامت ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو پا لینے کے بعد آپ اُس بعید تر یوم القیامت کی بجائے جسے آپ کائنات کی اینٹ سے اینٹ بجنے کے دن تک لے گئے ہیں۔ اس قریب تر قیامت کو جو ہر انسان کے یوم مرگ ہی کو وقوع پذیر ہوتی ہے قرآن حکیم کی ان آیات کی عملی طور پر بدل و جان تصدیق کرتے۔ سورۃ المعارج آیت نمبر ۶ - ۷" یعنی وہ (عام انسان) دیکھتے ہیں اس کو دور اور ہم دیکھتے ہیں اس کو نزدیک۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۷۷" اور اس گھڑی (مر کر جی اُٹھنے) کا معاملہ تو آنکھ کی جھپک کی مانند ہے۔ یا اس سے بھی پہلے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اب آپ بتائیں کہ بات قادر مطلق کی مانی جائے یا علماء کی ؟ اللہ تعالےٰ حضرت

آدمؑ سے لے کر آج تک ہر ذی روح کو اس کے نتھنوں میں پہلی پھونک مار کر پابند موت کرتا رہا ہے۔ پھر آخری پھونک جو اس کی حیات دنیا کا آخری سانس ہوتی ہے اس حیات دنیا کا یا موت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیتی ہے۔ اور انسان اپنے پہلے جسم سے اپنی جان چھڑا کر دوسرے روحانی جسم کے ساتھ جسے قرآن حکیم میں عرش اللہ کہا گیا ہے عالم آخرت کا آغاز کرتا رہا ہے۔ اب وہ ہمیشہ کے لیے موت پر فتح پا چکا ہے۔ فرض کیجیے آج اس کائنات کا آخری دن ہے۔ سب مخلوق مر جائے گی لیکن چونکہ یہ اپنے اجسام کے پردہ (برزخ) میں اپنا اپنا عالم برزخ گزار چکے اب بتقاضائے فطرت ان سے صرف اور صرف ایک کام سرزد ہوگا یعنی جوں ہی طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گا۔ یہ فوراً ہی آنکھ جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی پہلے اپنے دوسرے جسم نورانی کے ساتھ جی اٹھیں گے۔ یہی قیامت ہے

علماء کی اس سوچ میں ہم آہنگی کا انتہائی فقدان ہے کہ ایک طرف تو وہ آدمؑ سے لے کر قیامت کبریٰ سے ذرا پہلے تک سب کو عالم برزخ میں سویا ہوا شمار کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف قیامت کبریٰ کے دن اربوں مرنے والوں کو عالم برزخ سے صاف بچا کر سیدھا عالم آخرت میں لے جاتے ہیں۔ اور ثابت کرتے ہیں کہ قادر مطلق نعوذ باللہ کہتا کچھ اور ہے اور کرتا کچھ اور ہے۔

جس طرح ارواح جسم کا لبادہ اوڑھ کر اس دنیا میں ایک ایک کر کے آتی ہیں اسی طرح جسم کا لبادہ اتار کر ایک ایک کر کے اگلوں میں جو ان سے پہلے جسم کا لبادہ اتار کر اس بڑی سلطنت کے مکینوں میں جا جمع ہوئے ہیں۔ ان اگلوں میں شامل ہونے والوں کا وہ دن جس دن یہ اگلوں میں جا شامل ہوئے ہیں یہ دن ہی ان کی جدائی کا دن بھی ہے اور ملاقات کا بھی۔ اسے آپ یوم الفصل (جدائی کا دن) بھی کہہ سکتے ہیں اور یوم الوصل (ملاقات کا دن) بھی۔ جدائی روح

کی اپنے وجود سے جس میں وہ پروان چڑھی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے. جدائی اپنے بھائیوں سے، اپنی ماؤں سے، اپنے باپوں سے، اپنے بال بچہ سے اور ملاقات اللہ تعالےٰ سے اور ان ارواح سے جو ان سے پہلے جا چکیں. ملاقات ملائکہ سے. جو ان کے اس جسم دنیا میں بھی مددگار رہے۔ اور اس نورانی جسم میں بھی یہ مددگار ہیں۔

حیرت اس بات کی ہے کہ ہم نامۂ اعمال اور میزان و محاسبہ کی تو باتیں کرتے ہیں لیکن وہ مرگ مفاجات و وہ قیامت جو موجود ہے اس کو نہیں سمجھ پاتے. یہ قیامت بھی ہر انسان اپنے اندر اُٹھائے پھرتا ہے یعنی وہ وجودِ روحانی جیسے اس مادی وجود سے باہر آتا ہے۔ مولائی و مرشدیؒ نے یہی کیفیت اس شعر میں بیان فرمائی ہے. فرماتے ہیں.

سخن زنامہ و میزان دراز تر گفتی
بحیرتم کہ نہ بینی قیامت موجود

قیامت موجود کا مفہوم آپ ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔ قیامت کا مطلب ہے جسم اوّل کی تخریب و ناکارگی کے بعد جسم ثانی (خلق جدید) کا بتقاضائے فطرت زندہ اٹھ کھڑا ہونا. خلق جدید کا یہ جسم روحانی ہر ذی روح کے اندر فی الوقت موجود ہے یہ کوئی خارجی شے نہیں۔ جیسا کہ احقر نے پہلے بیان کیا ہے کہ ہر بیج اس بات کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہے کہ جڑ، تنا، برگ و بار. پھل پھول جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ میں خود ہوں۔ اور محض ایک معمولی بیج دکھائی دینے کے باوجود یہ سب چیزیں فی الوقت مجھ میں موجود ہیں۔ یہی صورت حال انسان کی بھی ہے یہ میت بھی ہے، مرقد بھی ہے۔ اور خود ہی قیامت بھی ہے. مولائی و مرشدی نے یہی سرِ دین اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔

محکوم ہو سالک تو یہی اس کا ہمہ اوست ‌‌ ‌‌ خود مردہ و خود مرقد و خود مرگِ مفاجات

لیکن دانائے رازؒ بہ بانگِ دہل فرماتے ہیں کہ مُلّا کو تو اس سرِّ دین کی ہوا بھی نہیں لگی۔

عالماں از علمِ قرآں بے نیاز
صوفیاں درندہ گرگ مو دراز!

بے خبر از سرِّ دیں اند ایں ہمہ ‌‌ ‌‌ اہل کیں اند اہل کیں اندر ہمہ

جب تک علماء اس سرِّ دین سے بے خبر رہیں گے۔ وہ خود شناس نہ ہوں گے۔ جو خود شناس نہ ہو خدا شناس کیسے ہو سکتا ہے۔ علامہؒ کی نگاہِ بصیرت میں ایسے لوگ اپنی ذات سے منکر ہیں۔ اور وہ جو اپنی ذات سے منکر ہیں ان کو آپ نے دہریوں سے بھی زیادہ کافر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مُنکرِ حق نزدِ مُلّا کافر است
منکرِ خود نزدِ من کافر تر است

تو حضرت علامہؒ کے نزدیک جو عرفانِ ذات سے عاری ہے وہ منکرِ خود ہے۔ عارف وہ ہے جو حکیم الامتؒ کے اس سرِّ دین سے آگاہ ہے اور وہ سرِّ دین یہ ہے کہ ہر انسان خود مردہ و خود مرقد و خود مرگِ مفاجات کی جیتی جاگتی مثال ہے یہ حیاتِ دنیا جو ہم جسم کے برزخ میں گذارتے ہیں، اس دوران ہمیں کئی ملائکہ سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ جن کے بارے میں قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا ہے "نَحْنُ اَوْلِیٰـؤُکُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ" یعنی ہم ملائکہ ہر دو عالم یعنی دنیا اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔ یاد رہے کہ دوست کا ہر فعل بھلائی اور خیر کا ہوتا ہے۔ وہ پیار و شفقت سے پیش آئیں یا تنبیہ و تادیب کے کوڑے برسائیں بہر صورت ہماری بھلائی ہے۔

حیرت اندر حیرت ہے کہ ہم ان منکر و نکیر پر آنکھیں بند کرکے ایمان بالغیب لے آتے ہیں۔ جو انسان کی کھودی ہوئی مجازی قبروں میں لاشوں سے سوال وجواب کرتے ہیں۔ لیکن ان حاضر و ناظر ملائکہ منکر و نکیر کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ جو حقیقی قبروں کی زندہ لاشوں میں یعنی حضرت انسان کے ساتھ ان کے اچھے بُرے اعمال کی جزاد سزا کے لیے اللہ تعالےٰ نے مقرّر کر رکھے ہیں۔ ہر قسم کے ملائکہ جو انسان سے متعلق ہیں ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ نیک و بد اعمال لکھنے والے کراماً کاتبین نیک و بد اعمال پر جزا و سزا دینے والے۔ اس کی حفاظت کرنے والے اس کے موکل۔ معیشت میں تنگی، فراخی، پیدا کرنے والے۔ بوقت پیدائش تنفس انسان کی آمد و رفت کے ذمہ دار کیونکہ نظام تنفس پر انسانی کنٹرول نہیں۔ نظامِ تنفس میں اہم ترین دو سانس۔ پہلا وہ سانس جو بذریعہ سوراخ ہائے بینی جسے تمثیلاً صور کہا گیا ہے کیونکہ یہ صور کا ہم شکل ہے۔ صور اسرافیل کی پہلی پھونک (نفخ) ہے۔ جو ہر ذی روح کو پابند موت کر دیتی ہے۔ پھر دوسرا اہم ترین سانس نفخ ثانی جو صور اسرافیل کی دوسری اور آخری پھونک ہے جو انسان کی روح کو احاطہ موت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکال کر عالمِ آخرت کی ابدی زندگی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ یہ صور بھی اور نفخ صور پھونکنے والا فرشتہ بھی کوئی خارجی ہستی نہیں۔ وہ بھی انسان کے ساتھ ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ہر انسان کے ساتھ انیس فرشتے مقرّر ہیں۔ ان میں وہ آٹھ فرشتے بھی شامل ہیں۔ جو آخری سانس یعنی نفخ صور آخری کے فوراً بعد نئے جی اٹھنے والے روحانی جسم کو جسے باری تعالےٰ نے عرش فرمایا ہے اٹھائے ہوں گے۔ یاد رہے کہ اس عرش کو اٹھانے کا اور خدا کے حضور پیش کرنے کا کام محتاجِ مستقبل ہی نہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک ایسا ہوتا رہا ہے

اور قیامت کبریٰ تک ہوتا رہے گا۔

اب انسان کے ذمّہ ایک نہائت اہم کام بلکہ فریضہ یہ رہ جاتا ہے کہ قیامت یعنی جی اٹھنے سے پہلے اس جسم کی قبرِ بشری میں رہ کر یہودی صفت یک چشم دجال یعنی نفسِ امارّہ کی مرغوبات سے بچتا رہے، یہ یک چشم دجال اس لیے ہے کہ یہ مرغوباتِ نفس خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز، کے صرف ایک ہی پہلو یعنی اکتسابِ لذّت کو ہی دیکھتا ہے۔ اس کا تاریک پہلو یا منفی سائڈ اسے بتقاضائے فطرت نظر ہی نہیں آتی۔

منکر و نکیر کی سزا سے بچنے کے لیے بنیادی طور پر ان تین احکام کا خاص خیال رکھے۔ اسی میں انسان کی فلاح دارین ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونا فلاحِ اُخروی اور بہبودی حیاتِ دنیا کا سبب بنے گا۔ ان تینوں امور کی بنیاد اقرار توحید و رسالت پر ہے۔

نمبر۱ :- سب سے پہلے مَنْ رَبُّكَ کے جواب میں ہمہ وقت خالقِ کائنات کے وجود کا قلبی و لسانی و روحی اقرار کرے۔ اور اس پر ایمان بالغیب لائے اور یقین رکھے کہ جملہ امور دینی اور دنیاوی میں میرا پرورش کنندہ اور میرا رب اللہ ہے۔

نمبر۲ :- مَنْ دِيْنُكَ کے تحت اپنے دین اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور اپنے اعمال کو دین اسلام کی بنیادوں پر استوار کرے اور ہر حال راضی برضا رہے۔ حقوق اللہ و حقوق العباد کا خاص خیال رکھے۔

نمبر۳ :- اپنے آپ کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا اُمتّی سمجھے اور اپنے دل میں آپ کا بے پناہ جذبۂ عشق عملی صورت میں پیش کرے۔

اگر ان تین باتوں یعنی اپنے رب اپنے دینِ اسلام اور اپنے آقائے

مدار مولائے کُل ختم رسل حضرت محمد مُصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کو
لی وفعلی صورت میں عمل میں لاتا رہے گا۔ تو اِس مرقدِ جسم یعنی عالم برزخ میں
وہ ملائکہ منکر ونکیر یعنی عذاب و ثواب کے ملائکہ سے جو ہر انسان کے ساتھ ہیں مصائب
سوسات اور معقولات سے مامون ومحفوظ رہے گا۔ اور ثواب سے بھی بہرہ
ور ہوگا۔ اور اس دنیا میں بھی وہ بلحاظ راحت و اطمینان دو جنتوں سے لُطف
اندوز ہوگا۔

منکر نکیر کی مار اور کوڑوں سے بچنے کے لیے ہر برزخی کا یہ فرضِ اولیٰن ہے
اپنی عمر کے مختلف مراحل میں اپنے اعمال کا ہمہ وقت محاسبہ کرتا رہے، جوانی
کے اعمال پر خصوصی نگاہ رکھے۔ علم کے ذریعہ دانائی حاصل کرے اور سب سے بڑھ
کر یہ کہ حقوق اللہ وحقوق العباد کا خاص خیال رکھیں

یہ ہے دینِ اسلام کی حقیقت۔ قبر و قیامت۔ صور اسرافیل۔ برزخ اور
منکر ونکیر کا راز۔ اب بھی اگر قارئین کرام اس منجمد عقیدہ کو جو انہوں نے قبر و قیامت
و برزخ، منکر ونکیر اور دجال یک چشم کے متعلق دل میں بٹھا رکھا ہے اسے ہمیشہ
کے لیے دل سے نہ نکالیں اور اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیں تو اللہ تعالیٰ بصدقہ
حبیب پاک ان پر اپنا خاص کرم فرمائے اور حقائق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہاں اہمیت احادیث کا ذکر ناگزیر ہوگیا ہے۔ یہ سوال میری اہلیہ محترمہ
نے بھی جو فاضل فارسی ہیں نے اُٹھایا تھا کہ قاری اس کتاب میں احادیث کی کمی
کو محسوس کرے گا۔ اور یہ کہ بعض امور کو احادیث سے متصادم پائے گا۔

جواباً عرض ہے کہ قرآن حکیم ایسی جامع و مانع کتاب ہے جو اپنی حقانیت
کے لیے قطعاً احادیث کی محتاج نہیں۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے جس کو سمجھنے کے
لیے باہر رجوع نہیں کرنا پڑتا۔ ضرورت صرف اس میں غور وفکر کرنے کی ہے

جس کا بار بار قرآن حکیم میں ذکر کیا گیا ہے" کہ کیا انسان کے دل پر تالے لگ گئے ہیں کہ وہ قرآن حکیم میں غور و فکر نہیں کرتا۔

البتہ احادیث اپنی حقانیت کے لیے قرآن حکیم کی ایک بار نہیں سو بار نہیں ہزار بار محتاج ہیں۔ اگر کوئی حدیث قرآن حکیم سے متعارض و متصادم نہیں ہوتی تو اس کی صداقت میں رائی برابر بھی شک نہ کریں لیکن اگر کوئی حدیث یا احادیث قرآن حکیم سے متصادم و متعارض ہوتی ہیں تو انہیں احادیث نہ سمجھیں۔ یہ سمجھیں کہ وہ یہودیوں کی داخل کردہ ہیں۔

قارئین کرام!

آج چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی یہودی کی خباثت اور اسلام دشمنی میں مطلق فرق نہیں آیا۔ ہر زمانہ میں ہزار ہا مثالوں سے قطع نظر میں زمانہ حال کی صرف ایک مثال پیش کر دوں گا۔ جس سے آپ بخوبی سمجھ جائیں گے کہ ملتِ اسلامیہ ان کی آنکھوں میں ہی نہیں دل اور دماغ میں کانٹوں کی طرح چبھتی ہے۔

" ایک یہودی پروفیسر ہرٹز کی ایک تصنیف کا صرف ایک اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جو میرے موضوع سے متعلق ہے۔ اِن کی دوسری کرم فرمائیوں کے تذکرہ کے لیے میری پیرانہ سالی جواب دے رہی ہے۔

پروفیسر ہرٹز لکھتا ہے" پاکستانی قوم اپنے رسول محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان اور پوری ملتِ اسلامیہ کے آپس میں مستحکم رشتے استوار ہیں۔ یہ صورت حال یہودیت کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے۔ اور یہی وہ خطرہ ہے جو ہماری مملکت کی توسیع میں آڑے آ رہا ہے۔ بنابریں پورے عالم یہود کا فرض بنتا ہے کہ وہ بہر صورت ہر ممکن طریقوں سے مسلمانوں کے دلوں سے رسول

صلے اللہ علیہ وسلّم) کی محبت ختم کریں"۔

یہ ہرزہ سرائی فرد واحد کی نہیں پورے عالم صہیونیت کے جذبات کی
ئینہ دار ہے۔ بعثتِ رسول مقبول ؐ کے وقت یہ قوم اسی طرح بڑھ چڑھ کر
سلام کی مخالفت کو اپنا جزدِ ایمان سمجھتی تھی جس طرح آج سمجھ رہی ہے۔ یہ مخالفت
دِ ایمان دشمنی ان کی خوابوں خیالوں تک ہی محدود نہ تھی۔ عملی طور پر بھی وہ
پؐ اور آپؐ کے پیروکاروں کو نیست و نابود کرنے انہیں ذلیل و رسوا کرنے
ن پر طرح طرح کی تہمتیں لگانے میں سر دھڑ کی بازی لگاتے تھے۔ اس اسلام دشمن
م کا اتحادِ باہمی جس طرح آپؐ کے وقت میں مثالی تھا اسی طرح آج بھی اور یقینِ
مل کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے گا۔

غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں اُمّتِ مسلمہ کے ساتھ ان کا طرزِ عمل معاندانہ رہا
ہے۔ ہجرت کے بعد نہیں بلکہ بعثت رسُول مقبولؐ کے ساتھ ہی انہوں نے
اہری اور پوشیدہ ایذا رسانیوں کے لیے "گوئم"، کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔
"گوئم"، کا یہ لفظ آپ کو یقیناً غیر مانوس لگا ہوگا۔ یہ لفظ یہودی اپنی اصطلاح
ں تمام غیر یہودیوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گوئم
ے مراد صرف اور صرف اُمّتِ مسلمہ ہے۔

یہودیوں کی سیاسی دستاویز جسے پروٹوکول کہتے ہیں اسے بغور مطالعہ
یا جائے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک عجیب قسم کی دہشت اور
سنسناہٹ دل و دماغ میں پیدا ہو جاتی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کو ان یہودیوں
نے بغض و عناد کی بنا پر اپنی ناپاک سازشوں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ حد یہ ہے کہ
ہوائی اسباب تعیش خواہ ان میں ان کی اپنی محرمات ہی کیوں نہ ہوں پیش کرنے
سے دریغ نہیں کرتے۔

ان کے ہاں حق کی صرف یہ تعریف ہے کہ طاقت ہی حق ہے اور جس شے پر ہاتھ آجائے اسے حاصل کر کے رہو تاکہ اپنی طاقت کو ثابت کیا جا سکے۔ گوئم (امت مسلمہ) کو لذائذ جنسی کی چاٹ لگاؤ یہی چاٹ ان کی تمام تر ذہنی صلاحیتوں کو چاٹ جائے گی۔

میرا یہ موضوع نہیں ہے میں تصانیف انسانی کے حوالے دینے کی بجائے خالق کُل کے کلام پاک کے صرف چند حوالے دوں گا۔ اس سے آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ خدا کی نگاہ میں یہ کیسی قوم ہے!

۱۔ لین دین میں نا دہندگی آل عمران آیت نمبر ۷۴: "اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کے ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا۔ اور کسی (یہودی) کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملہ میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا۔ الاّ یہ کہ تم اس کے سر پہ سوار ہو جاؤ۔ ان کی اس اخلاقی حالت کا سبب یہ ہے کہ وہ (یہودی) کہتے ہیں امییّوں (غیر یہودی) کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

ہم کیسے تسلیم کر لیں کہ اس نا دہند اور خود پسند قوم نے جس نے توریت و زبور کے علاوہ صحیفوں میں بھی لفظی و معنوی تحریف کی۔ احادیث رسول مقبول ﷺ کو معاف کر دیا ہو۔ لفظی و معنوی ہیرا پھیری کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آئیت نمبر ۷۴: "اے مسلمانو اب کیا ان لوگوں (یہود) سے تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ (علماء) کا یہ شیوہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں ہیرا پھیری کی۔"

یہود نے تحریف کلمات میں کیا صورت اختیار کی سورۃ النساء آئیت نمبر ۱۵

ں اس کی پوری وضاحت بیان کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔ سورۃ النساء آئت نمبر ۴۵
لوگ یہودی بن گئے ہیں۔ ان میں کچھ لوگ (علماء یہود) ہیں جو الفاظ کو ان کے
ں سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں
توڑ موڑ کر کہتے ہیں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ حالانکہ
وہ کہتے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا اور اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا تو یہ انہی کے لیے بہتر
۔ اور زیادہ راستبازی کا طریقہ تھا مگر ان پر تو باطل پرستی کی بدولت اللہ کی
پھٹکار پڑی ہوئی ہے"۔

تفہیم القرآن میں اس ترجمہ کے ساتھ جو تفسیر مندرج ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔
تحریف کے تین مطلب ہیں۔ ایک یہ کتاب اللہ کے الفاظ میں رد و بدل کرتے ہیں
دوسرے یہ کہ اپنی تاویلات سے کتاب کے معنی کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ تیسرے
یہ کہ لوگ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں کی صحبت میں آکر ان کی
باتیں سنتے ہیں اور واپس جاکر لوگوں کے سامنے غلط طریقے سے بیان کرتے
ہیں۔ بات کچھ کہی جاتی ہے اور وہ اسے اپنی شرارت سے کچھ کا کچھ بنا کر لوگوں
میں مشہور کرتے ہیں تاکہ انہیں بدنام کیا جائے۔

یعنی انہیں جب خدا کے احکام سنائے جاتے ہیں تو زور سے کہتے ہیں سَمِعْنَا
(ہم نے سن لیا) اور آہستہ سے کہتے ہیں عَصَيْنَا (ہم نے قبول نہیں کیا) یا
اَطَعْنَا (ہم نے قبول کیا) کا تلفظ اس انداز سے زبان کو لچکا دے کر کرتے ہیں
کہ عَصَيْنَا (ہم نے قبول نہیں کیا) بن جاتا ہے۔

دوران گفتگو میں جب وہ کوئی بات محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کہنا
چاہتے ہیں تو کہتے ہیں اِسْمَعْ (سنئے) پھر ساتھ ہی غَيْرَ مُسْمَعٍ بھی کہتے
ہیں۔ جو ذو معنی ہے اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ آپ ایسے محترم ہیں کہ آپ کو

کوئی بات خلاف مرضی نہیں سُنائی جا سکتی ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں کوئی کچھ سنائے ۔ ایک اور مطلب یہ ہے کہ خدا کرے تم بہرے ہو جاؤ ۔

قارئین کرام !

اور یہ تو ان کا روز کا وطیرہ اور معمول تھا کہ جب یہ لوگ مسلمانوں کی کسی مجلس میں یا کہیں اکیلے دکیلے ملتے تو السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو) کی بجائے السّام علیکم (تم پر موت واقع ہو) کہتے ۔

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالیں ہیں ۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں (یہود) دینِ اسلام ۔ داعیٔ اسلام اور پیروان اسلام کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا رکھا تھا ۔ ان لوگوں نے اذان تک کا مذاق اڑایا ۔ ملاحظہ ہو المائدہ آیت نمبر ۵۶ : " اے لوگو جو ایمان لائے ہو ۔ تمہارے پیش رو اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے ۔ انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو ۔ جب تم نماز کے لیے منادی (اذان) کرتے ہو تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس سے کھیلتے ہیں ۔ ایسے بدنہاد ۔ بدسرشت موذیوں سے اس امر کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے احادیث کو اپنے معاندانہ طرزِ عمل کا ذریعہ نہ بنایا ہو ۔ اور یہ کہ مصنوعی احادیث اپنے ایجنٹوں کی وساطت سے محض انہیں آیاتِ قرآنی سے متصادم و متعارض کرانے کی خاطر مجموعہ احادیث میں بہر قیمت داخل نہ کرا دی ہوں ۔

ان سازشوں میں نصاریٰ کی مدد کے بغیر یہ گھناؤنا کام مکمل نہیں ہو سکتا تھا ۔ انہی سازشوں اور یہود و نصاریٰ کی باہمی ملی بھگت کی بنا پر اللہ تعالےٰ نے

ہمیں ان ہر دو کی دوستی سے بچنے کا کہا ہے۔

سورۃ المائدہ آئت نمبر ۵ "اے ایمان والو مت بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست جو تمہارے خلاف سازشوں میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے دوستی کرے ان سے تو وہ انہی میں سے ہے"۔

قرآن حکیم میں یہود کے بارے میں ان کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ یہ باطل پرست لوگ حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ بنا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آئیت نمبر ۴۰ " اور اے یہودیں نے جو کتاب بھیجی ہے اس پر ایمان لاؤ۔ یہ (قرآن) اس کتاب (توریت) کی تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے موجود ہے۔ لہذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ تھوڑی قیمت پر میری (خدا) آیات کو نہ بیچ ڈالو۔ اور میرے غضب سے بچو۔ باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ نہ بناؤ۔ اور نہ ہی جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔

یہ وہ نامراد قوم ہے جنہوں نے پیغمبروں تک کو معاف نہیں کیا اور ان کو ناحق قتل کرنے لگے۔ اور یہ پیغمبر بھی انہی میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں بڑے ہی واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ ذلت وخواری اور پستی اور بدحالی ان پر مسلط ہو گئی۔ اور یہ لوگ خدا کے قہر وغضب کا نشانہ بن گئے۔ ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ آئت نمبر ۶۰: اور ڈالی گئی ان (یہود) پر ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ احکام خداوندی کو نہیں مانتے تھے۔ اور پیغمبروں کا ناحق خون کرتے تھے یہ اس لیے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

غرضیکہ یہ جہاں بھی آباد ہیں۔ ذلیل وخوار ہیں۔ دنیا میں اگر ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب بھی ہوا تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر قائم کیا ہوا امن وچین نہیں ہے۔ بلکہ دوسروں کی حمائت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو

خدا کے نام پر امان دے دی اور کہیں کسی غیر مسلم نے حکومت کو اپنے طور پر اپنی حمایت میں لے لیا سورۃ آل عمران آئت نمبر ۱۱۰ : "یہ (یہود) تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ بس کچھ ستا سکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلہ میں پیٹھ دکھائیں گے۔ پھر ایسے بے بس ہونگے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی۔ کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں۔ ان پر محتاجی اور مغلوبی مسلط کردی ہے۔ اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے ناحق پیغمبروں کو قتل کیا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔

ان (یہود) کے ان گھناؤنے اعمال کی بناپر انہیں مسخ کرنے کی وعید سنائی گئی۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۴۶ : "وہ لوگ جنہیں (توریت) کتاب دی گئی تھی۔ مان لو اس کتاب کو (قرآن) جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے۔ جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں۔ یا ان کو اس طرح لعنت زدہ کردیں کہ جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے سورۃ المائدۃ آئت نمبر ۶۰ پھر کہو کہ کیا میں ان لوگوں کی نشاندہی کردوں جن کا انجام خدا کے ہاں فاسقوں کے انجام سے بھی بدتر ہے۔ وہ جن پر خدا نے لعنت کی۔ جن پر خدا کا غضب ٹوٹا۔ جن میں سے بندر اور سور بنا کے گئے۔ جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی۔ ان کا درجہ اور بھی زیادہ برا ہے۔

اس قوم یہود نے اللہ تعالے کو بھی نہیں چھوڑا اور اسے بھی طعن و طنز کا

کا نشانہ بنایا سورۃ المائدہ آئیت نمبر ۶۴: "یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ باندھے ہوئے ہیں (اللہ کنجوس ہے) باندھے گئے اُن کے ہاتھ اور لعنت پڑی ان پر اس بکواس کی۔ بدولت جو یہ کرتے ہیں۔ اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

اب میں اپنی اس تحریر کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جو کچھ میں نے پیش کرنا تھا، کامل ایمانداری سے پیش کر دیا۔ البتہ ایک مرتبہ پھر جاتے جاتے مرقد حقیقی (جسم) اور مرقد مجازی (انسان ساختہ قبر) کی اہمیت سے آگاہ کر دیا جائے۔ انسان کس سے پیدا ہوتا ہے؟ کشتِ وجود یعنی وجود مادر سے۔ انسان کس زمین میں لوٹایا جاتا ہے اسی گوشت پوست کے جسم یعنی ارضِ وجود میں۔ اور پھر اسے (روح کو) کس سرزمین سے اٹھا کھڑا کیا جاتا ہے؟ کشتِ وجود یعنی اپنے جسم سے۔

یہ کشتِ وجود ہی وہ ارض ہے جس سے یہ پیدا ہوتا ہے یہی وہ ارض جسم ہے جس میں یہ لوٹایا جاتا ہے اور یہی وہ ارض ہے جس سے یہ دوبارہ اس سے باہر آ کر اپنے دوسرے روحانی جسم (عرش) کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جی اٹھتا ہے۔ یہ ارض وجود ہی مرقد روح ہے۔ برزخ روح ہے یہ وہ مرقدِ حقیقی ہے جو خالق نے ہر جاندار کو عطا کیا اور ان کی مختلف شکلیں بنائیں تاکہ پہچان کا ذریعہ بنیں۔

لیکن وہ مرقدِ مجازی جس میں وہ جسدِ خاکی مدفون ہے جو کبھی مرقد روح رہا تھا اب اسیر انسان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ اس مرقدِ مجازی کی اہمیت اپنی جگہ برقرار رہے خصوصاً انبیاء کرام و اولیاء عظام کے مزارات۔ وہاں سائلین فاتحہ خوانی کے ذریعے ان کی ارواح مقدسہ کو جو زمان و مکان کی بندشوں سے آزاد ہیں۔ بذریعہ فاتحہ خوانی دستک دینے

اور رابطہ روحانی قائم کرتے ہیں۔ اس لیے کہ آج جب ایک عام انسان اپنے سانس پورے کر لیتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور اس کی نگاہ تیز ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کی بصارت نا قابل یقین حد تک رسائی حاصل کر لیتی ہے۔ سورۃ ق آئت نمبر ۲۱ "تو غفلت میں رہا اس دن سے اب ہم نے پردہ اٹھا دیا ہے۔ سو تیری نگاہ آج تیز ہے" تو انبیاء کرام و اولیاء عظام جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کے ہاتھ اللہ کے ہاتھ بن جاتے ہیں ان کے پاؤں اللہ کے پاؤں بن جاتے ہیں ان کے تمام تر افعال افعال خدا بن جاتے ہیں۔ تو وہ کیوں نہ اپنے بلانے والوں کی آواز پر لبیک کہیں گے۔

ریت اگر محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم پھینکتے ہیں۔ تو خالق باری فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے یہ ریت تم نے نہیں اللہ نے پھینکی۔ سورۃ انفال آئت نمبر ۱۶ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"۔ سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی ریت کی جس وقت کہ پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی"۔

اور اب تو بہ حسب معمول اپنا عالم برزخ اپنے ارض وجود میں گزار کر دور قیامت (دوبارہ جی اٹھنے کے دور) سے گذر کر ساکنین جنت میں سے ہیں اب تو یہ فائز تر ہیں۔ بخدا ان کا دیا خدا کا دیا ہوگا

یہی وہ سرِّ دین ہے۔ فلسفہ خودی جس کی تشریح میں صفحوں کے صفحے سیاہ کیئے گئے اسی سرِّ دین کا حاصل ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ والی حدیث بھی اسی سرِّ دین کا ثمر ہے وَ اَنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ والی حدیث بھی اسی سرِّ دین سے متعلق ہے وہ راز

جس کے افشار کے بارے میں مولائی ومرشدیؒ نے روح محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پکارا ہے۔ وہ یہی سرِّ دین ہے۔ آپ فرماتے ہیں

اب اس راز کو اب فاش کر دے روح محمدؐ
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

جب تک اس سرِّ دین کا ادراک علمائے کرام کی سمجھ میں نہیں آئے گا وہ یقیناً حقیقت قیامت کو نہیں پا سکیں گے۔ دانائے راز فرماتے ہیں۔

سرِّ دین ادراک میں آتا نہیں
کس طرح آئے قیامت کا یقین

اس سے آگے بیان کی جرأت نہیں۔ مولائے روم کے اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں

تو قیامت شو ناں قیامت را ببیں
دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں

روح کی اپنے مرکز کی فراق اور جدائی اہل اللہ کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اور دم اول (نفخ صور اوّل) سے دم آخر (نفخ صور آخر) تک برزخی وقفہ ان کے لیے سوہان روح بن جاتا ہے۔ اس کا اضطراب۔ ان کی تڑپ اور بے قراری ان کے بس سے باہر ہو جاتی ہے۔ وہ انا الحق کہ گذریں تو حق بجانب۔

سبحانی ما اعظم شانی کہ دیں تو آمنا وصدقنا اور خدا سے شکوہ گذار ہوں تو بھی بجا۔ مولائی ومرشدیؒ فرماتے ہیں

من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست ۔ درمیانِ ما و تو دُوری چراست
من چرا دربندِ تقدیرم بگو! ۔ تو نہ میری من چرا میرم بگو۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغ

اسرارِ حروفِ مقطّعات

قرآن حکیم کے کوڈ ورڈز جن میں سے
چند ایک کی حقیقت کو مصنف
نے بے نقاب کر دیا ہے ایسی
تحقیق جو آپ نے نہ دیکھی نہ سنی۔
زیرِ تحقیق ہے۔ انتظار فرمائیے۔